امام المحدثین حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کے
حالات زندگی پر مشتمل ایک ایمان افروز اور دل آویز تذکرہ

آفتابِ بخارا



- سیرتِ طیبہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ
- شہرِ سمرقند و بخارا کی تاریخی حیثیت
- فضائل صحیح بخاری شریف
- ختم بخاری کے انوارات و برکات کا تذکرہ
- امام بخاری رحمہ اللہ کی تصنیفات اور شروح و حواشی کا تذکرہ

حضرت مولانا روح اللہ نقشبندی غفوری

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حیاتِ امام المحدثین حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آفتابِ بُخارا

تالیف

مولانا محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

مکتبہ عمر فاروقؓ

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345

نام کتاب .... آفتاب بخارا

تالیف .... مولانا محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

اشاعت اوّل .... جولائی 2010ء

تعداد 1100

طابع .... القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر .... فیاض احمد 0334-3432345 021-34594144
مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

ملنے کے پتے

دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی
ادارۃ الانور، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ العارفی، جامعہ امدادیہ ستیانہ روڈ فیصل آباد
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
مکتبہ علمیہ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ
وحیدی کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور

فہرست

عنوان | صفحہ نمبر

﴿پہلا باب﴾

''سمرقند و بخارا'' دو عظیم تاریخی شہر

﴿دوسرا باب﴾

سیرت طیبہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

﴿تیسرا باب﴾

ابتلاء وآمائش اور واقعہ وصال

﴿چوتھا باب﴾

شیوخ اور اساتذہ وتلامذۃ، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

﴿پانچواں باب﴾

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات
اور شروح وحواشی کا تذکرہ

﴿چھٹا باب﴾

مسلک فقہی، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

﴿ساتواں باب﴾

تصانیف، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

﴿آٹھواں باب﴾

اَلْجَامِعُ الصَّحِيْح
یعنی فضائل صحیح بخاری

﴿نواں باب﴾

شروح صحیح بخاری

☆

وراثتِ نبوی کے صحیح امین

امیر المؤمنین فی الحدیث، استاذ الاستاذین، سیّد المحدّثین

الحافظ الحجۃ الامام العلامۃ العارف باللہ

محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ

العلماء ورثۃ الانبیاء

کے صحیح مصداق

☆☆☆☆☆

انتساب

بے حد عقیدت واحترام کے ساتھ

بندۂ ناچیز وفقیراپنے پیرومرشد

امام شریعت وطریقت، نورالمشائخ، ولی کامل

حضرت اقدس مولانا محمد شمس الرحمٰن صاحب عباسی نقشبندی غفوری

دامت برکاتہم وفیوضہم

(مسندافروزارشاد، خانقاہِ غفوریہ حقانیہ نقشبندیہ)

کے نام

جن کے فیضان سے ان کے متعلقین میں سے یہ راقم اثیم بھی فیض یاب ہورہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے فیوض وبرکات تاقیامت جاری وساری رکھے اور اللہ تعالیٰ انہیں درازئ عمر نصیب فرمائے۔آمین

گلدستۂ عقیدت بخدمت مرشدنا دامت برکاتہم العالیہ

جتنی بھی ہماری ہمت ہے ۔۔۔ سب ان کے فیض کی برکت ہے
کچھ ایسے راز عشق کھلے ۔۔۔ اب جلوت میں بھی خلوت ہے
پردیس میں بھی محبوب ملا ۔۔۔ پھر کیسے کہیں یہ غربت ہے
کر شکر روح اللہ اس پر تو
تجھ پر جو خدا کی رحمت ہے

نبدہ ناچیز وفقیر

شفاعت امام الانبیاء ﷺ کامحتاج

محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد
المرسلين محمد و آله و صحبه اجمعين، أما بعد

زیر نظر رسالہ بنام ''آفتاب بخارا'' امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی مکمل سوانح حیات تو نہیں ہے لیکن الحمد للہ اس کا ایک جامع خلاصہ ہے، کوشش کی گئی ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی حیات طیبہ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے تمام اجزاء اور عنوانات ایک رسالہ میں سمٹ آئیں، ساتھ ہی ساتھ بخارا کے جغرافیائی حالات، اور امام بخاری رحمہ اللہ کے دور تک بخارا کی اسلامی تاریخ کی تلخیص بھی پیش کی گئی ہے، جس سے عام طور پر اس موضوع کی کتابیں خالی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی حیات کے ساتھ ان کی معرکۃ الآراء اور عظیم الشان کتاب ''الجامع الصحيح '' جس سے ان کی اصل عظمت اور رفعت وابستہ ہے، کا بھی ایک ایسا مختصر تعارف پیش کر دیا گیا، جس سے صحیح البخاری پڑھنے والے ہر طالب علم کو واقف ہونا چاہئے۔

اس بات میں قطعاً شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری خدا تعالیٰ نے خود اُٹھا رکھی ہے اور یہ بات بھی محتاج وضاحت نہیں کہ اسلام سے مراد کتاب وسنت ہے گویا کہ جس طرح قرآن کی حفاظت بذمہ الٰہی ہے اسی طرح سنت کی حفاظت بھی خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ قرآن حکیم میں تو آج تک کسی نے ردّ وبدل نہ کیا کیونکہ وہ ابتداہی سے مسلمہ محفوظ ہو چکا تھا البتہ سنت نبوی ﷺ چونکہ ابتداء میں بایں صورت مدون نہ تھی، لہٰذا اہل ھواء کی خواہش کا شکار ہوگئی لیکن یہ بات خدا تعالیٰ کو منظور نہ تھی چنانچہ اس نے ایسے محدثین وقتاً فوقتاً پیدا فرمائے۔ جنہوں نے ایسی احادیث کو الگ کر دیا جو لوگوں کی خود ساختہ تھیں، یہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنی اس

ذمہ داری کا احساس اس قدر فرمایا کہ صحیح و سقیم کو بھی جدا جدا بیان فرمایا تا کہ کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو سکے۔

لیکن ان امور کے باوجود محدثین یہ ضرورت محسوس کرتے چلے آئے کہ کوئی ایسا مجموعہ ہونا چاہیے جو فقط احادیث صحیحہ کا ذخیرہ ہو اور انسان بلا تامل اس پر عمل کئے چلا جائے۔ اب ایسا مجموعہ تیار کرنا یقیناً بہت بڑی سعادت تھی جو منتخب من اللہ انسان کے علاوہ کسی کو حاصل نہ ہو سکتی تھی چنانچہ یہ سعادت حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوئی کہ انہوں نے ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جس کا نام ''الجامع الصحیح'' کا نام دیا گیا، یہ مجموعہ حقیقتاً محدثین کی تمناؤں کے مطابق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد کسی محدث نے یہ خواہش نہ کی کہ احادیث صحیحہ کے مجموعہ کی علم حدیث میں جو تشنگی ہے اس کو کوئی پورا کردے۔ اگرچہ اس موضوع پر کام تو کیا گیا لیکن تمام کا اصل یہی ذخیرۂ حدیث بنا۔ جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی الصحیح ہے۔ یہ بھی اگرچہ صحیح احادیث ہی کا ذخیرہ ہے لیکن امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہی اس کا احتیاج ہے چنانچہ ان دونوں کے متعلق صحت کی علماء و محدثین نے شہادت دی، کہ واقعی یہ حدیث رسول ﷺ کا ایسا ذخیرہ ہیں جن پر انسان بلا سوچے سمجھے عمل کر سکتا ہے۔

امام بخاری عالم و فاضل عابد و زاہد اور فیاض و جواد تھے۔ ان کا چہرہ ہمیشہ خوف الٰہی سے زرد اور محبت رسول سے روشن رہتا تھا۔ ان کے فیضان کا جو سلسلہ ان کی زندگی میں قائم ہوا تھا وہ آج تک نہیں ٹوٹا اور آج اُمت مسلمہ دین کے جن احکام سے واقف ہے ان میں امام بخاری کی خدمات کا بہت بڑا حصہ ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی اشاعت کی اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر کو دنیا میں پھیلا دیا اور حق یہ ہے کہ جب تک مدارس اور مکاتب میں ''قیل و قال رسول'' کی محفل جمی رہے گی، آسمان رحمت سے بخاری کی قبر پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی رہے گی۔

مدارس اسلامیہ کے تعلیمی سال کا آغاز بخاری شریف سے ہوتا ہے اور سال

کے اخیر میں اس مبارک کتاب کی آخری حدیث پڑھا کر فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کی جاتی ہے۔ بخاری شریف کے افتتاح اور اختتام کی خوشی عیدین کی خوشی سے کم نہیں ہوتی۔ اس نورانی اور پر کیف محفل میں ہر آدمی ایک روحانی مسرت اور ایمانی کیفیت محسوس کرتا ہے۔

بہر حال اس قسم کی خدمت علم نبوّت تمام سے پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آئی اور اس طرح تلقی بالقبول حاصل کیا جو کسی دیگر مجموعہ کو حاصل نہ ہو سکا۔ بنابریں کہ تمام طبقے اسے کتاب اللہ کے بعد تشریعی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس کا تعارف ضروری تھا اور پھر اس کے تعارف میں یہ بات جز و لاینفک تھی کہ اس کے مؤلف کے حالاتِ زندگی بیان کئے جائے اور دونوں کے متعلق چند ایک معلومات کو سامنے لایا جائے تاکہ عوام اپنے ایک عظیم محسن کو بھی دیکھ سکیں اور اس کتاب کے متعلق بھی معلوم ہو جائے جس کو وہ حجت شرعی سمجھتے ہیں، لہٰذا بندۂ ناچیز نے ان کے حالاتِ زندگی کو بنام ''آفتاب بخارا'' کے نام سے قلمبند کیا ہے۔

آخر میں دُعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس ناچیز کوشش کو شرفِ قبولیت بخشے اور عوام میں مقبول عام کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ کر سکیں اور مزیدِ علم حدیث کی خدمت کے لیے منتخب فرمائے اور اپنے دین حنیف کی خدمت کا موقعہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

راقم اثیم

محمد روح اللہ نقشبندی غفوری

☆☆☆☆☆

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۴ھ-۲۵۰ھ)

حافظ تھے وہ اقوالِ رسول عربی ﷺ کے
مانا ہے عجم مولد و منشائے بخاریؒ

راہِ طلب حق میں صعوباتِ زمانہ
کچھ بھی نہ ہوئیں حوصلہ فرسائے بخاریؒ

ہرچند کہ پُر خار ہے یہ مرحلہ لیکن
تھا عشق نبی ولولہ افزائے بخاریؒ

یہ پرتو تھا جلوۂ انوار نبی کا
تپلی سے بھی روشن تھا سویدائے بخاریؒ

چھپ سکتی نہ تھی ظلمتِ کذب اس کے مقابل
وہ آئینہ تھا قلب مزکائے بخاریؒ

خالص کو علیحدہ کیا ہر ایک غش و غل سے
معیار تھا گویا دل دانائے بخاریؒ

ملتا ہے شہ دین سے شرفِ ہم سخنی کا
پھر مومنِ کامل کو نہ کیوں بھائے بخاریؒ

ممکن نہیں چھ لاکھ حدیثوں کا پرکھنا
ہر ایک سے جز دیدۂ بینائے بخاریؒ

تائیدِ الٰہی تھی ضرور ان کی معاون
اس عہدہ مشکل سے جو برآئے بخاریؒ

تنقیدِ روایات میں اُس وقت سے اب تک
تسلیم سب کو یدِ طولائے بخاریؒ

عالم میں کوئی ایسا محدّث نہیں گزرا
برتر ہے بہت شانِ معلائے بخاریؒ

اس نورِ الٰہی کی ضیا یوں ہی رہے گی
افواہ سے ممکن نہیں اطفائے بخاریؒ

آسان نہیں تالیفِ احادیثِ صحیحہ
یہ کام ہے الحق یدِ بیضائے بخاریؒ

☆☆☆☆☆

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

''الجامع الصحیح''

''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' ہے

جس کا ختم باعث برکت ہے

اور جس کے ختم پر دُعا قبول ہوتی ہے

له الکتاب الذی یتلوالکتاب هدی

هدی السیادة طود لیس ینصدع

☆☆☆☆☆

پہلا باب

"سمرقند و بخارا" دو عظیم تاریخی شہر

***

امیر المؤمنین فی الحدیث، سلطان المحدثین

محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۹۴ھ/۸۱۰ء

وفات ۲۵۶ھ/۸۷۰ء

عمر ...... ۶۰ سال

بخارا کا جغرافیہ

بخارا عالم اسلام اور بالخصوص وسط ایشیاء میں اسلامی تہذیب وتمدن کا عظیم الشان گہوارہ ہے، جو دریائے ''زرافشاں'' کی زیریں گذرگاہ پر ایک بڑے نخلستان میں واقع ہے اور آج کل ازبکستان کا ایک شہر ہے، سطح سمندر سے اس کی بلندی ۲۲۷ رفٹ (۲۲۲.۴ میٹر) ہے اور طول البلد مشرقی ۶۴ درجہ ۳۸ دقیقہ اور عرض البلد شمالی ۳۹ درجہ ۴۳ دقیقہ پر واقع ہے۔

قبل اسلام اس کا ذکر شاذ و نادر ہی ملتا ہے، البتہ ''پوہو'' (پوہرا) کے نام سے اس کا ذکر ساتویں صدی مسیحی کے بعض چینی مآخذ میں ملتا ہے، سنسکرت لفظ ''وہارا'' سے اس کا اشتقاق بعید از قیاس نہیں ہے جو خانقاہ کے معنی میں ہے کیونکہ نومج کیث (Numaidj Kath) شہر کے قریب میں ایک ''وہارا'' یعنی خانقاہ تھی اور یہی شہر بخارا کی تاسیس کی بنیاد تھا۔

یاقوت حموی ''معجم البلدان'' میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک اس لفظ ''بخارا'' کی اصل، اس کے اشتقاق اور اس کی وجہ تسمیہ کا تعلق ہے تو میں نے اس کے متعلق کافی تلاش وجستجو کی لیکن مجھے اس میں کامیابی نہیں مل سکی، البتہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ایک قدیم، سرسبز وشاداب، کثیر باغات اور عمدہ پھلوں والا شہر ہے، وہاں کے پھل ''مرو'' بھی لائے جاتے ہیں، ان دونوں شہروں کے مابین ۱۲ مرحلہ کی مسافت ہے، وہاں کے پھل خوارزم درآمد ہوتے ہیں، ان دونوں کے درمیان پندرہ سے زائد دنوں کی مسافت ہے، جب کہ سمرقند اور اس کے مابین سات دن یعنی ۳۷ فرسخ کی مسافت ہے، ان دونوں شہروں کے درمیان ''صغد'' کا شہر بھی واقع ہے۔

''کتاب الصور'' کے مصنف کا قول ہے کہ ''جہاں تک ماوراء النہر کے علاقہ کی سرسبزی وشادابی کا تعلق ہے تو میں نے بخارا سے زیادہ حسین وجمیل شہر نہیں دیکھا ہے

(اور نہ ہی میں نے اس سے زیادہ خوبصورت شہر کے بارے میں کسی سے سنا ہے) اس لئے کہ جب ''آپ قہندزا'' سے اوپر کی جانب بڑھیں گے تو ہر طرف آپ کو ہریالی ہی ہریالی نظر آئے گی، نیلگوں آسمان سے جب اس کی ہریالی ملتی ہے تو ایسا لگتا ہے گویا کہ آسمان نے اس کی جانب اپنے آپ کو جھکا دیا ہو، نیلگوں آسمان سرسبز فرش بریں سے مل گیا ہو، اس کے محلات قمقموں کی مانند لگتے ہیں، وہاں کی زمین شیشے کی طرح مسطح ہے، ماوراء النہر اور خراسان میں کوئی شہر نہیں ہے جہاں کے باشندے اہل بخارا کی طرح عمدہ اور حسین عمارتیں بناتے ہوں اور نہ ہی کہیں اتنی تعداد میں عمارتیں ہیں، یہ امتیاز اسی شہر کو حاصل ہے، اس لئے کہ دنیا کی چند ہی خوبصورت ترین جگہیں جن میں صغد، سمرقند اور نہر آبلہ بھی ہیں جو اسی علاقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

(''کتاب الصور'' ارسطو کے تیں مقالات کا مجموعہ ہے (بحوالہ ''کشف الظنون'' ۲/۱۴۳۳)

مزید لکھتے ہیں: جہاں تک بخارا اور اس کے نام ''بومجکث'' کا تعلق ہے تو وہ مسطح زمین پر واقع ایک شہر ہے، اس کی عمارتیں متنوع قسم کی لکڑیوں سے بنی ہیں، اس کے قلعوں، باغات، محلات، سڑکوں اور قریبی دیہاتوں کے اردگرد ایک فصیل بنی ہوئی ہے جو ۱۲ فرسخ کی مسافت پر مشتمل ہے، اتنے ہی علاقہ میں یہ تمام محلات، عمارتیں، دیہات اور اصل شہر واقع ہے، اس کے مابین آپ کو کوئی بیاباں نظر نہیں آئے گا اور نہ ہی کوئی ویران جگہ۔ شہر کے قریب ہی اس فصیل سے متصل شہر کا دوسرا حصہ ہے جس میں کچھ قلعے، عمارتیں، محلے اور باغات ہیں جن کو اصل شہر میں ہی سمجھا جاتا ہے اور موسم گرما اور سرما دونوں میں وہاں کے باشندے وہاں رہتے ہیں، ایک فرسخ کے بقدر اسی جیسی ایک دوسری فصیل ہے جس میں شہر کا تیسرا حصہ واقع ہے، جس کے اردگرد ایک مضبوط دیوار بنی ہوئی ہے، اسی کے متصل شہر کے باہر ایک قلعہ ہے جس میں ایک چھوٹا سا شہر آباد ہوسکتا ہے، اس کے اندر سامانی حکومت کے خراسانی فرمانرواؤں کے مکانات ہیں، قلعہ کے مشرقی جانب دروازے پر ایک کشادہ میدان اور جامع مسجد قائم ہے، خراسان اور ماوراء النہر کے علاقے میں کوئی ایسا شہر نہیں ہے جو بخارا سے زیادہ

گنجان اور زیادہ آبادی والا ہو، میدان کے بیچوں بیچ دریائے صغد بہتا ہے، دریائے صغد یہیں سے مختلف حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، آبپاشی کے لیے، پینے کے لیے اور مختلف کاموں کے لیے اس کو استعمال کیا جاتا ہے اور فاضل پانی ''بیکند'' کے بالمقابل ''فربر'' سے قریبی دوآبے میں آگرتا ہے، اس شہر میں اور بھی نہریں ہیں اور اس فصیل کے اندر بہت سی بستیاں اور دیہات آباد ہیں جن میں سے ایک ''طواویس'' ہے جس کے تحت ''بومجکث''، ''زندنہ'' وغیرہ شہر آتے ہیں۔ (معجم البلدان ۱/۳۵۳)

''ترکستان'' کا مؤلف لکھتا ہے:

''سمرقند کے برخلاف بخارا تادیر اپنے موجودہ محل وقوع پر برقرار رہا، ایک ہزار سال کی مدت میں شہر کے نقشہ میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی، حالانکہ بار بار فاتحین کے ذریعہ اس کو مختلف قسم کی تخریب کاری اور لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا گیا، یہ شہر تین حصوں میں منقسم تھا، ۱: قلعہ ۲: شہرستان (خاص شہر) ۳: ربض (مضافات شہر)۔ شہرستان قلعہ کے قریب واقع تھا اور شہرستانِ بخارا میں آنے کے لیے سات دروازے تھے، جن میں سے ایک ''حق راہ'' کے نام سے موسوم تھا، اس کا یہ نام اس وجہ سے پڑا کیونکہ اس کے قریب جلیل القدر امام ابوحفص (م ۲۱۷م) رہتے تھے، جہاں تک ربض (مضافات شہر) کی تفصیل کا تعلق ہے تو وہ ۲۳۵ھ میں تعمیر کی گئی، اس میں گیارہ دروازے تھے، آبپاشی کے نظام کے لیے وہاں بارہ نہریں تھیں۔

عہد اسلامی کی تعمیرات میں سب سے زیادہ مشہور وہاں کی جامع مسجد ہے، شاہی محلات کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی، بخارا کی وہ سات سڑکیں معروف ہیں جن میں پتھر بچھے ہوئے تھے، اصطخری نے بخارا کے نواحی علاقوں کی تعداد بائیس بیان کی ہے، بخارا سے پانچ فرسخ (۱۵ میل) کی دوری پر شہر ''بیکند'' واقع ہے جو ایک بڑی تجارتی منڈی کی حیثیت سے مشہور ہے۔ ''بیکند'' کے چاروں طرف ایک مضبوط فصیل بنی ہوئی ہے، ''بیکند'' کی جامع مسجد اپنے سنہرے اور عمدہ ترین پتھروں سے بنے ہوئے محراب کی وجہ سے کافی معروف تھی، یہ مسجد ماوراء النہر کی تمام مساجد میں امتیازی

حیثیت رکھتی تھی، بخارا سے سمرقند سینتیس (۳۷) فرسخ کی دوری پر واقع ہے۔

بخارا اور سمرقند کو بلخ سے ملانے والے راستے ''کشکا دریا'' کی وادی سے ہوتے ہوئے نکلتے ہیں یہ وادی اپنی سرسبزی و شادابی میں مشہور و معروف ہے، البتہ اس کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو ''زرافشان'' کو حاصل ہے''۔ (ترکستان: فاسیلی فلادیمیر بارتولد، عربی مترجم: صلاح الدین عثمان، ص۱۹۳-۲۱۱)

ارمینیوس وامبری لکھتا ہے:

بخارا سامانی عہد حکومت سے ہی دارالسطنت کی حیثیت سے معروف رہا، ماوراء النہر سے متعلق جغرافیائی مآخذ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر اپنے دورعروج میں تمام عالم اسلام کے شہروں میں سب سے بڑا شہر تصور کیا جاتا تھا اور صرف اندرون شہر ہی اس کی شہرت کا سبب نہیں تھا، اس کے چاروں طرف سات دروازوں پر مشتمل فصیل تعمیر کی گئی تھی، یہی حال وہاں کے قدرتی حسن و جمال کے ساتھ ساتھ اس کے نواحی علاقوں، اس میں بہنے والی متعدد نہروں اور وہاں کی عظیم الشان پیداوار کا بھی ہے۔

عرب کے قدیم سیاحوں نے بخارا کے وسیع وعریض باغات اور ان کے حسن کو دوبالا کرنے والے، عمدہ درختوں کا (جو باوجودیکہ تعداد میں کم تھے لیکن پھلوں سے لدے ہوئے تھے) تفصیل سے ذکر کیا ہے، وہاں کے برقوق (شفتالو) کے پھل کی شہرت تو ایک ہزار برس سے مسلم ہے، یہ اپنی نوع کے اعتبار سے ایشیاء کا عمدہ ترین پھل سمجھا جاتا ہے، بخارا کا شہر صرف اپنی عظیم الشان فطری خصوصیات ہی کی بنیاد پر ممتاز نہیں ہے بلکہ وہ ایک عظیم تجارتی منڈی بھی تھا، جو چین اور مغربی ایشیاء کی تجارت کا سنگم تھا کیونکہ وہاں پر ریشم، اونی کپڑے، عمدہ ترین فروش اور سونے چاندی کی ہر قسم کی مصنوعات کے بڑے بڑے کارخانے تھے، اسی طرح مختلف علاقوں اور ملکوں کے سکوں کا صرافہ بازار تھا، مشرقی اور مغربی ایشیاء کے باشندے وہاں کے لوگوں کی وساطت سے اپنی کرنسی تبدیل کرتے تھے۔

بخارا اور سمرقند کے اطراف میں اور ان دونوں شہروں کو ملانے والے راستے

میں سفر کرنے والے کو چند میل کا سفر ریگستان میں کرنا پڑتا ہے جو ''صحرائے ملک'' کے نام سے معروف ہے، یہ زراعتی زمین کے بالکل وسط میں واقع ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ریگستان تین سو سال قبل ایک نمکین سمندر تھا، اس کے باوجود سرزمین بخارا اور دیگر دو شہروں کی سرسبزی و شادابی ضرب المثل ہے، اس لئے کہ وہاں کی زمین میں اعلیٰ ترین اور متنوع پھل پیدا ہوتے ہیں، بخارا میں غلے، پھل، گیہوں، ریشم اور خضاب کی پیداوار ہوتی ہے، عمدگی اور اچھائی میں ان تمام چیزوں کی نظیر ملنا مشکل ہے، یہی حال وہاں کے جانوروں کا بھی ہے، وہاں کے گھوڑے تو پورے ایشیاء میں مشہور ہیں، وہاں کے اونٹوں کی خاص قسم بھی اس نسل کے بہترین اونٹوں میں پورے جنوب مشرقی ایشیاء میں منفرد حیثیت رکھتی ہے، وہاں کی بھیڑ کی تو پوری دنیا میں نظیر نہیں پائی جاتی ہے، سمرقند کے مشرقی اور جنوبی بلند علاقے کانوں کی عظیم دولت سے مالا مال ہیں، جن کی جانب کسی نے توجہ نہیں دی اور کوئی بھی ان کے بارے میں پتہ نہیں لگا سکا، ان میں بلخی نے خاص طور پر لوہے، پارہ، عمدہ اور چوڑے پتھر، سنگِ مرمر، پٹرول اور تارکول کا ذکر کیا ہے، وہاں ایک قسم کا ایسا پتھر بھی پایا جاتا ہے جس کو آگ جلانے میں استعمال کیا جاتا ہے، شاید یہ وہی کوئلہ ہے جس کو روس نے اس علاقے میں دریافت کیا ہے۔

مغلوں کے حملے نے بخارا کو تو تباہ و برباد کر دیا، البتہ اس صورتحال کے باوجود چند سال گذرنے کے بعد دوبارہ اس کی آبادی سولہ ہزار افراد تک پہنچ گئی اور یہ تعداد ان ایک ہزار طلباء کے علاوہ ہے جو وہاں کے مدارس میں آ کر استفادہ کرتے تھے، شہر کی تخریب کاری کو ابھی چوتھائی صدی بھی نہیں گذرنے پائی تھی کہ اشتر خانیوں کے عہد میں اور خاص طور پر امام قلی خاں کے عہد میں بخارا کو دوبارہ وہی حیثیت حاصل ہوگئی، البتہ یہ صورتحال بہت کم مدت تک رہی، اس خاندان کے سقوط کے بعد بالتدریج وہاں کی آبادی میں کمی آتی رہی اور یہ تعداد بعد میں پینتیس ہزار سے آگے نہیں بڑھ سکی، جو حال دارالسلطنت کا تھا وہی حال پورے ملک کا تھا، یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ماوراء

النہر کے علاقے کی آبادی آج کے مقابلہ میں پانچ یا چھ گنا زیادہ تھی، آبادی کی یہ کثرت ان عظیم فوجوں کی لشکر کشی کے باوجود تھی جو قیامِ خلافت کے وقت سے لے کر بغیر کسی انقطاع کے سیلاب کی طرح امنڈتی رہیں۔

ان فوجوں نے مغربی ایشیاء کا رخ کیا یہاں تک کہ وادی نیل تک پہنچ گئیں، ان میں بعض فوجی باتنخواہ ہوتے اور بعض رضا کارانہ طور پر شریک ہوتے اور یہ سب میدانی علاقوں سے یہاں پہنچتے، اس لئے کہ دریائے جیحون اور سیحون کے سواحل کے ذریعہ وہ اپنے لئے ضروریات فراہم کرتے تھے، فطری طور پر یہ سب کچھ ایسے ہی علاقہ میں ممکن ہوسکتا ہے جو کثیر آبادی والا ہو، ماوراء النہر کے اکثر باشندے ایرانی النسل تھے جس کی وجہ سے بخارا، فرغانہ اور خوارزم میں عرب، سامانی، سلاجقہ اور خوارزمی حکومت سے لے کر مغل حکومت تک وہاں جو زبان بولی جاتی تھی وہ فارسی تھی، اس کے بعد وہاں فارسی کی جگہ ترکی زبان نے لے لی، جس طرح زبان میں تبدیلی ہوئی ایسے ہی وہاں کے لوگوں کی عادات واطوار میں بھی نمایاں فرق آیا، جغرافیہ نویسوں نے پہلے عربوں کی بہت صفات کا تذکرہ کیا ہے جن میں پختگی عقل، صاف گوئی، سخاوت، مہمان نوازی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، لیکن اب ان صفات میں سے صرف آخری صفت ہی دیکھنے کو ملتی ہے اور وہ بھی شہروں کے بالمقابل دیہاتوں میں زیادہ دیکھنے کو ملتی ہے، جبکہ دیگر صفات کا کوئی اثر کہیں بھی نظر نہیں آتا ہے، کئی صدیوں تک ماوراء النہر پر تورانی حملے مسلسل ہوتے رہے جن کے نتیجے میں وہاں کے اجتماعی اور سیاسی حالات سخت فساد کا شکار ہوتے گئے اور ان سخت حملوں سے صرف وہاں کا سرسبز وشاداب علاقہ ہی تخریب کاری کا نشانہ نہیں بنا، جیسے کہ ہر جگہ ہوا کرتا ہے، بلکہ اس کے نتیجے میں بہت سی عمدہ ترین انسانی صفات بھی تاخت وتاراج ہوتی چلی گئیں۔

(تاریخ بخارا، آرمینیوس وامبری، ص ۳۳۔۳۵)

بخارا کی مختصر تاریخ

حکومتِ اسلامیہ کے قیام سے لے کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک

۱...... زیاد بن اَبی سفیان نے ۴۶ھ مطابق ٦٦٦ھ میں ربیع بن حارث کو عراق سے خراسان کی جانب روانہ کیا، بلخ شہر کے اوپر اس کے جھنڈے لہرائے، یہ شہر ماوراء النہر کے جنوبی علاقے کے لیے مرکزی دروازہ کی حیثیت رکھتا تھا، اس کی فوجیں ''صغد'' کے علاقے سے ہوتے ہوئے دریائے جیحون کے سواحل تک پہنچ گئیں۔

۲...... اس کے بعد حضرت معاویہ نے ۵۰ھ/ ٦٧٠ء میں زیاد کے انتقال کے بعد عبیداللہ بن زیاد کو بخارا پر دوبارہ لشکر کشی کے لیے روانہ کیا، عبیداللہ بن زیاد نے حکومت کے صدر مقام اور مرکز تجارت ''بیکند'' پر فوج کشی کی اور ایک طویل مقابلہ کے بعد اس کو فتح کرلیا، ایسا اس لئے کیا تاکہ اس کے بعد بخارا کا رخ وہ اس حال میں کرے کہ ساتھ میں عظیم مالِ غنیمت بھی ہو، اس کے قافلہ میں تقریباً چار ہزار قیدی تھے، یہ واقعہ ۵۳ھ/ ٦٧٢ء کے اواخر میں پیش آیا، وہاں کی خاتون ملکہ نے اپنے پڑوسی ترکوں سے مدد طلب کی جنہوں نے عربوں سے مقابلہ کیا اور عبیداللہ بن زیاد کو بخارا فتح کئے بغیر ہی ''مرو'' واپس آنا پڑا، اس کے بعد خاتون ملکہ نے عبیداللہ سے سالانہ جزیہ پر صلح کرلی جس کی مقدار ایک لاکھ درہم تھی، جس کو وہ ادا کرتی رہی۔

۳...... ابھی چند ہی سال گذرے تھے کہ مسلم فوجوں نے سعید بن عثمان کی قیادت میں چڑھائی کی، ملکہ نے صلح کا مطالبہ کیا، سعید نے صلح کے لیے بطور ضمانت رہن طلب کیا، ملکہ نے اپنے شہر کے معزز لوگوں میں سے ایسے اسی (۸۰) افراد بھیجے جو اس کے دشمن تھے اس طریقہ سے اس نے اپنے دشمنوں سے چھٹکارا حاصل کرلیا، اس کے بعد سعید بن عثمان نے اس سے شادی کی، وہ اس سے آخر ... ے کی محبت کرتا تھا، ان دونوں کی محبت کا تذکرہ اشعار میں بھی کیا گیا ہے جن و ... بار پڑھا جاتا رہا، اس کے بعد سعید نے دو شہروں صغد اور سمرقند کا قصد کرتے ہوئے صغد کے

علاقے کا رخ کیا، اس وقت وہاں کا حاکم ''طرخان ترکی'' تھا، جب سعید بخارا آیا تو وہاں کے لوگوں نے اس سے مطالبہ کیا کہ رہن رکھے ہوئے افراد کو واپس کردو، ان کو واپس کرنے کے بجائے وہ ان کو مدینہ منورہ لے آیا اور ان کو غلام بنالیا، انہوں نے اس سے انتقام لیا، اس کے گھر میں گھس کر اس پر حملہ کیا اور یزید بن مروان کے دورِ خلافت میں اس کو ہلاک کردیا۔

۴......اس کے بعد مسلم بن زیاد اپنے لشکر کو لے کر دوبارہ جیحون کی جانب چلا، ملکہ نے دوبارہ صغد میں اپنے پڑوسیوں سے مدد طلب کی، اس کے درمیان اور ملکہ کی فوج کے مابین سخت جنگ ہوئی، شروع میں مسلمان کو شکست ہوئی لیکن بعد میں ترکی لشکر کے مقابلہ میں ان کو فتح حاصل ہوئی، ملکہ نے دوبارہ صلح کرلی، اور اس کے بعد اسلامی لشکر مرو واپس چلا آیا۔

۵......پھر ۸۶ھ/۷۱۴ء میں قتیبہ بن مسلم، حجاج کے حکم سے نکلا، اس نے ''مرو'' میں فوج جمع کی، جب قدیم ''بکتریا'' کی حدود تک پہنچا تو اہل بلخ استقبال کرتے ہوئے اس کے پاس آئے اور اس کے لشکر کے ساتھ اپنے شہر تک چلے، وہاں قتیبہ نے خطبہ میں امیر المؤمنین کا نام لیا اس کے بعد جیحون کا سفر کیا اور پھر مرو واپس آ گیا، اس کے بعد ۸۷ھ/۷۱۵ء میں ماوراء النہر کے علاقے میں لشکر کشی کا آغاز کیا، سب سے پہلا حملہ اس نے ''بیکند'' پر کیا، یہ شہر ماوراء النہر کے جنوبی علاقے کے لئے جنوبی دروازہ کی حیثیت رکھتا تھا، مسلمانوں کو وہاں سے بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا، قیتبہ نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو زیر نگیں کیا مثلاً ''وردان'' (جو اب ''وردانزی'' کہلاتا ہے)، ''رامتن'' اور ''صغد''۔ اسی طرح ''کش'' (شہر سبز)، نخشب اور سمرقند کو فتح کیا، قیدیوں میں ''یزدجز'' کی بیٹی بھی شامل تھی، جو ولید کے حصے میں آئی، قتیبہ اپنے لشکر کے ساتھ مرو واپس آیا اور سردی کا زمانہ وہیں گذارا، اس کے بعد مرو سے فوجی کمک لے کر بخارا پر لشکر کشی کے لئے نکلا، مسلمان اس سے پہلے بخارا پر تین بار حملہ کر چکے تھے، انہوں نے وہاں پر اسلام کی اشاعت کا کام کیا لیکن وہاں

کے لوگ ہر بار فاتحین کے چلے جانے کے بعد پھر سے اپنا قدیم مذہب اختیار کر لیتے تھے، مسلمانوں نے چوتھی بار پھر اس کو فتح کر لیا۔

٦...... مسلمانوں نے ''خدات'' (وہاں کے پہلے حاکم) کو شاہِ بخارا کی حیثیت سے مسند نشین باقی رکھا تھا، اس شرط پر کہ اس کے ساتھ حکومت میں خلیفہ کی جانب سے ایک حاکم شریک رہے گا جو اس کے بعد اس کی جگہ لے گا، لیکن جلد ہی خلیفہ کی جانب سے مقرر کردہ حاکم منصبِ امارت پر فائز ہو گیا اور عملی طور پر تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں آ گئے اور ترکی ''خدات'' بے اختیار ہو گیا، خدات پر یہ شرط بھی عائد تھی کہ خلیفہ کو سالانہ ایک لاکھ درہم کے بقدر جزیہ ادا کرنا ہوگا اور امیر خراسان کو دس ہزار درہم اور عام حمامات (غسل خانوں) کی نصف آمدنی شہر میں رہنے والے عربوں کو دینی ہوگی۔

٧...... مسلمان اسلام میں داخل ہونے والوں کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرتے تھے اور قبولِ اسلام کے لئے کفار کی تالیف قلب کیا کرتے تھے، انہوں نے ایسے افراد کو مالی انعامات بھی دیئے جو دین کے ساتھ مضبوط لگاؤ کا اظہار کرتے۔

٩٤ھ/٧١٢ء میں مسجد قتیبہ تعمیر کی گئی، بخارا کے سرکردہ افراد نئے عقیدہ کے تئیں شدت میں معروف رہے، انہوں نے مسجد اور اسلام کے ساتھ متعدد بار غلطیوں کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کو سخت سزا دی اور بخارا کو وہاں کے باشندوں سے لے کر مسلمان عربوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

٨...... بخارا کو فتح کرنے کے بعد ٩٥ھ/ ٧١٣ء میں قتیبہ نے فرغانہ کا رخ کیا، پھر مشرقی ترکستان میں واقع ''مرتیترک'' کا رخ کیا، مسلمان ''قانسو'' علاقے تک پہنچ گئے، لیکن مسلمان ایک طویل عرصے کے بعد ہی ''کاشغر''، ''ختن'' اور ''ترفان'' میں اپنے قدم جما سکے، اس کے بعد خلیفہ ولید کے انتقال کے بعد قتیبہ ''مرو'' واپس آیا، اور خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا۔

٩...... سلیمان کی جگہ یزید بن مہلب والی ہوا اور قتیبہ کے خلاف اس کی فوج

کے اندر سے ہی بغاوت شروع ہوگئی، جن میں پیش پیش وکیع بن اسود اور حسن بن ایاس تھے، اور خطرناک جنگ کے بعد اس کو انہوں نے قتل کر دیا، اس طرح اس عظیم انسان کی زندگی اپنے اختتام کو پہنچ گئی جس نے مشرق میں ایک عظیم اسلامی حکومت قائم کی اور زرتشت مذہب کا خاتمہ کر کے اس کی جگہ دین اسلام کا پودا لگایا۔

۹۶ھ/۱۴ا۷ء میں اس کو قتل کیا گیا اور اس کے بعد یزید بن مہلب اس کا جانشین ہوا جو قتیبہ کے بااختیار امراء سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا، اس نے ان امراء کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کر دیا ان کی املاک کو ضبط کر کے ان کو پابند سلاسل کر دیا۔

۱۰...... جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے یزید بن مہلب کو اس کے ظلم و جور کی وجہ سے عہدہ سے ہٹا دیا اور اس کی جگہ مسلمہ کو والی بنایا، عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوا تو یزید اور مسلمہ کے مابین یزید بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں مقابلہ آرائی کا ایک طویل سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ مسلمہ کو یزید پر غلبہ حاصل ہوگیا اس کے بعد مسلمہ بخارا اور سمرقند میں سعید بن عمرو جریشی کے عہد تک منصبِ امارت پر فائز رہا۔

۱۱...... اس کے بعد سمرقند پر ترک قابض ہوگئے، خلیفہ ہشام نے ایک عظیم لشکر تیار کر کے روانہ کیا، امیر خراسان خالد بن عبداللہ نے بھی اپنے بھائی ''اسد'' کو بھیجا لیکن ان کو شکست ہوئی پھر ہشام نے اس کی جگہ ''اسرش'' کو بھیجا لیکن اس کو بھی شکست ہوئی، اس کے بعد خراسان کا نیا امیر ''جندب'' بذاتِ خود نکلنے پر مجبور ہوا، اس نے مقدمۃ الجیش (ہراول دستہ) پر مسور بن ابی بکر دارمی کو مقرر کر کے دس ہزار افراد پر مشتمل فوج کے ساتھ بیکندے کے راستے سے سمرقند کا رخ کیا، شروع میں تو شکست ہوئی لیکن اس کے بعد اس نے ایک زوردار حملہ کیا جس میں زبردست کامیابی حاصل ہوگئی، سمرقند میں نصر بن سیار کو اپنا عامل مقرر کیا اور خود ''مرو'' واپس آیا جہاں پر اس کی وفات ہوگئی، خراسان پر اس کا بھائی ''اسد'' اس کا جانشین ہوا لیکن بلخ میں اس کا انتقال ہوا تو نصر بن سیار حکومتِ خراسان کا والی بن گیا، وہ سخت مقابلہ آرائی،

زبردست بہادری اور بلند ہمتی جیسی صفات کا حامل تھا، ہشام نے ۱۲۵ھ/۷۴۲ء میں اپنی وفات سے قبل اس کا انتخاب کیا تھا، اس کے فضل وکمال کے لیے اس سے بڑی اور کونسی دلیل ہوسکتی ہے کہ مسلسل پانچ خلفاء ہشام، ولید، یزید، ابراہیم اور بنوامیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد (وفات ۱۳۳ھ/ ۷۴۹ء) کے عہد حکومت میں اپنے منصب پر برقرار رہا، بعد میں ابومسلم خراسانی کے ذریعہ ۱۲۹ھ/ ۷۴۶ء میں اس کو اس کے منصب سے ہٹادیا گیا۔

۱۲......ابومسلم نے ترکوں کی جانب سے محبت وپسندیدگی اس حد تک حاصل کرلی کہ وہ اس کے اجلال وتعظیم میں انتہا تک پہنچ گئے آج بھی ازبک اور ترکمانیوں میں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، قومی اشعار میں ترکوں نے اس کو بطور ہیرو پیش کیا ہے، اس نے اپنی عمر ایرانی مشرکوں سے جنگ کرنے میں صرف کردی، اس کی جرأت وبہادری اور عجیب وغریب کارناموں کی بنیاد پر ازبک اور ترکمانی اس کو خلیفۂ چہارم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جیسا مقام دیتے تھے۔

۱۳......ابومسلم کے دورِحکومت میں یہ حادثہ پیش آیا کہ ایک متعصب شیعہ نے جس کا نام شریک بن شیخ مہدی تھا، علم بغاوت بلند کیا، ''زرفشاں'' کے اکثر باشندے اس کے ساتھ مل گئے، زعماء میں سے عبدالجبار بن شعیب اور امیر خوارزم بھی اس کے ہمنوا ہوگئے، ابومسلم نے قائد زیاد بن صالح کو اس سے جنگ کرنے کے لیے بخارا بھیجا، زیاد بن صالح نے اس کو شکست فاش دی اس طرح ترکستان میں شیعوں کا زور ٹوٹ گیا اور اسلام کا قلعہ تشیع کے خطرے سے محفوظ ہوگیا۔

۱۴......لیکن بغاوت کا ایک دوسرا بگولہ ایسا اٹھا جو تقریباً چوتھائی صدی تک جاری رہا، قریب تھا کہ اسلام کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکتا، یہ فتنہ جھوٹے نبی ''مقنع متنبیّ'' کی شکل میں ظاہر ہوا، اس نے شروع میں ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء میں ماوراء النہر کے علاقوں میں اپنی دعوت کا اعلان کیا تھا۔

مقنع یا ہاشم بن حکیم جیسے کہ اس کا اصل نام ہے۔ مرو کے ''حزہ'' علاقہ کا باشندہ

تھا، وہ ہاتھ کی صفائی اور جادو کے علم میں معروف تھا، ابومسلم خراسانی کی حکومت میں ایک عہدے پر فائز تھا، لیکن ابومسلم کی وفات کے ساتھ ہی اس نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا، اس کے بعد ربوبیت کا دعویٰ کر دیا، یہ عالمِ اسلام میں بدعات وخرافات اور فتنوں کے ظہور کا زمانہ تھا، ترکستان میں اس فتنہ کی وجہ سے بہت سے لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے، جب امیر خراسان حمید نے اس کو پکڑنا چاہا تو بہت سے علاقوں کے لوگوں نے اس کو اپنے ہاں پناہ لینے کی دعوت دی، اس نے ''کش'' کے قلعوں میں سے ایک مضبوط قلعہ میں پناہ لے لی، وہیں سے وہ اپنے گروہ کی قیادت کر رہا تھا، جنہوں نے پورے علاقہ میں فسادِ عام برپا کر دیا، یہاں تک کہ امیر بخارا حسین بن معاذ اس سے اور اس کے متبعین سے مقابلہ کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے ان میں سے بہت سے باغیوں کو قتل کر دیا لیکن اس فتنہ کو فرو کرنے میں وہ کامیاب نہیں ہو سکا، اس کے بعد امیر خراسان عبدالملک نے خلیفہ مہدی کے حکم پر قائد جبرئیل بن یحییٰ کو بخارا روانہ کیا، بالآخر خلیفہ مہدی بذاتِ خود نیشاپور آنے کے لیے مجبور ہو گیا ۱۶۱ھ/ ۷۷۷ء میں مہدی نے عبدالملک کو معزول کر کے اس کی جگہ معاذ بن مسلم کو مقرر کیا، معاذ نے تمام کوششیں کر ڈالیں لیکن خاطر خواہ کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکا، مہدی نے معاذ بن مسلم کو بھی معزول کر دیا اور امیر خراسان سعید جرشی کو منتخب کیا جس کی تدبیر، رعب داب، عزم وہمت اور حرکت ونشاط سے وہ اس بغاوت کو فرو کرنے اور اس فتنہ کو درگور کرنے میں کامیاب ہو گیا ''مقنع متنبّی'' نے اپنی بیویوں کو زہر کھلا دینے اور اپنے غلام کو قتل کرنے کے بعد اپنے قلعہ میں خودکشی کر لی، اس کی ایک بیوی ''بانوکہ'' زندہ بچی جس نے اس کی زندگی کے آخری ایام کے حالات بیان کیے۔

مقنع کے خاتمہ کے بعد ترکستان میں دینی شکوک وشبہات کا بھی خاتمہ ہو گیا، البتہ وہاں مقنع کے پیروکار چھٹی صدی تک باقی رہے۔

۱۵...... ہارون رشید کے دورِ حکومت کے آخر میں نصر بن سیار کے پوتے رافع بن لیث نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی، خلیفہ نے امیر خراسان کو اس کے بارے میں

حکم دیا کہ اس کو گدھے پر سوار کر کے گھمایا جائے اور قید کر دیا جائے، لیکن وہ اس پر عمل نہیں کر سکا اور رافع راہِ فرار اختیار کرنے میں کامیاب ہوگیا، اہلِ سمرقند نے بھی اس کے ساتھ بغاوت میں ساتھ دیا، ہارون رشید نے افریقی کمانڈر ''ہرثمہ بن اعین'' کو مقابلہ کے لئے بھیجا لیکن اس کو کامیابی نہیں مل سکی، اس کے بعد قائد خزیمہ بن حازم بھی باغیوں کو خلیفہ کا مطیع بنانے میں ناکام رہا جس کی وجہ سے خلیفہ ''مامون'' سامانی خاندان کی ہمدردیاں حاصل کرنے پر مجبور ہوا۔

۱۶..... زرتشتیوں کے باقی ماندہ لوگوں میں سے بلخ کے ایک سرآوردہ شخص سامان نے امیر خراسان اسد بن عبداللہ سے اپنے بعض دشمنوں کے مقابلہ میں مدد طلب کی، امیر نے اس کی مدد کی، سامان اس سے بے حد متاثر ہوا اور اسلام قبول کرلیا، یہاں تک کہ اپنے بیٹے کا نام بھی ''اسد'' رکھا اس کے چار بیٹے تھے: نوح، احمد، یحیٰی اور الیاس، مامون نے ان کے بارے میں امیر خراسان کو یہ وصیت کی تھی کہ یہ اچھے خانوادے کے لوگ ہیں اور اعلیٰ عہدوں کے مستحق ہیں، ان سے خلیفہ نے رافع کی بغاوت کے خاتمہ کے لیے مدد لی، اس کے بعد مامون نے سمرقند کو نوح کے لئے، فرغانہ کو احمد کے لئے، طاشقند کو یحیٰی کے لئے اور ہرات کو الیاس کے لئے خاص کر دیا۔

نوح کی وفات کے بعد احمد سمرقند کا والی ہوا، اس کے بعد نصر بن احمد اس کا جانشین ہوا، پھر جب یعقوب بن لیث نے بغاوت کی تو نصر نے اپنے بھائی اسماعیل کی مدد سے اس کو فرو کیا اور بخارا سامانیوں کے قبضہ میں آ گیا اور وہاں خطبہ میں نصر کا نام لیا جانے لگا، یہ ۲۶۰ھ کے زمانہ کا واقعہ ہے، خلیفہ معتمد نے نصر بن احمد سامانی کو ماوراء النہر کا امیر مقرر کیا، اسماعیل بن احمد بخارا کے لوگوں کے ہردلعزیز امیر تھے، لیکن اس کے بعد دونوں بھائیوں نصر اور اسماعیل کے مابین جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا، کیونکہ نصر بن اسماعیل کے دل میں کچھ شکوک وشبہات تھے، بالآخر نصر اپنے بھائی اسماعیل کے ذریعہ قید ہوا، سمرقند میں چار سال گذارنے کے بعد ۲۷۹ھ/۸۹۲ء میں اس کا انتقال

ہو گیا، طویل جنگوں، فتنوں اور بغاوتوں کا خاتمہ کرنے کے بعد وہ اس پر قادر ہو گیا کہ بہت سی مالدار ریاستوں کو جیحون کے پاس حاصل کئے ہوئے علاقہ کے ساتھ ضم کر دے اور اس کے ذریعہ ماوراء النہر میں ایک مستحکم حکومت قائم کر دے حالانکہ عربوں کے دورِ حکومت میں وہ صرف حکومتِ خراسان کے تحت ایک چھوٹی سی ریاست کی حیثیت رکھتی تھی۔

۱۷...... واقعہ یہ ہے کہ بخارا کو وسط ایشیاء کی تمام ریاستوں کے دارالسلطنت کی حیثیت حاصل تھی وہاں کے بادشاہ کی حدودِ سلطنت شمال میں بڑے ریگستان کے مشرقی سواحل سے جا ملتی تھیں، مشرق میں ''قیان شیان'' تک، جنوب میں خلیج فارس اور ہندوستان کی شمالی سرحدوں تک اور مغرب میں عجمی عراق کے آگے تک۔ جہاں سے دارالخلافت کی مسافت دو دن کے بقدر تھی، اسی طرح اسماعیل کے عمال ''مرو'' اور نیشا پور میں ''ری'' اور ''آمل'' میں ''قزوین'' اور ''اصفہان'' میں ''شیراز''، ''ہرات'' اور ''بلخ'' میں فرمانروا تھے، بخارا کو صرف دارالسلطنت ہی کی حیثیت حاصل نہیں تھی بلکہ ان تمام فوجی و عسکری سرگرمیوں کا بھی یہ مرکز بن گیا تھا جن کا آغاز بعد میں مملکتِ اسلامیہ کے مشرقی علاقے میں ہوا۔

زرتشتیوں کے عہد میں بخارا تمام علوم کے مرکز کی حیثیت سے معروف تھا، اس کو مقدس اور پاکیزہ بخارا کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اسلامی دور میں اس کی حیثیت میں چار چاند لگ گئے، دریائے ''زرفشاں'' پر واقع یہ شہر ایسے علماء اور اولیاء کے وجود سے منور تھا جن کی قبریں ہمیشہ وہاں اہم مقبروں کی حیثیت سے ممتاز رہیں گی۔

ان میں مشہور و معروف ابوحفص بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰ھ۔۲۲۷ھ) ہیں جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، امام ابوعبداللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ) نے بھی ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

بخارا کے گورنر اسماعیل بن احمد بھی نیک و صالح اور عادل و منصف امراء

میں سے تھے، انہیں بڑی شہرت حاصل ہوئی اور ہر خاص و عام کی زبان پر ان کا ذکر ہونے لگا اور بخارا کے تاجر آج تک ان کو بڑے احترام اور اجلال کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اسماعیل کے عہد حکومت میں بخارا میں بڑے مدارس کی تعداد اتنی زیادہ تھی جتنی پورے ایشیاء کے اس جیسے شہروں میں کہیں نہیں تھی، ''زرفشان'' کے ساحل پر واقع اس شہر کا مقام و مرتبہ اور چرچا روز بروز ترقی کے مدارج طے کرتا رہا۔

صفر ۲۹۰ھ/ ۹۰۷ء میں اسماعیل کا انتقال ہوگیا، اس وقت اس کی عمر ۶۱ برس کی تھی، اس کا دور حکومت چونتیس برس رہا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب ''تاریخ بخاری''، تالیف: آرمینوس وامبری ۱۸۷۲م ترجمہ: ڈاکٹر احمد محمود ساعاتی، ناشر: المؤسسۃ المصریۃ العامۃ للتالیف والترجمۃ، ۱۹۵۶م، ص ۵۷۔ ۱۱۰) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: نرشخی کی تاریخ بخارا، یاقوت حموی کی ''معجم البلدان'' مقدسی کی ''احسن التقاسیم'' اصطخری کی ''المسالک والممالک'' یعقوبی کی ''البلدان'' بلاذری کی ''فتوح البلدان'' ابن اثیر کی ''الکامل'')

سمرقند و بخارا دو عظیم تاریخی شہر

سمرقند و بخاریٰ وہ دو عظیم تاریخی شہر ہیں جن سے مسلمانوں کے تمدن و عظمت کی بہت سی یادیں وابستہ ہیں، سمرقند حکومت وسلطنت کے میدان میں اور بخاریٰ علم و دین کے میدان میں عظیم تاریخ رکھتے ہیں۔ یہ دونوں شہر تاتاری نسل کے وسیع علاقہ کے وسطی منطقہ میں واقع ہیں، اسی منطقہ کو اب ازبکستان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ سب علاقہ سمرقند اور بخارا کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا ازبکستان اور اُس کے اردگرد کے خطے تاتاری نسلوں کے خطے ہیں ان میں قازقستان اس کے جنوب میں قرغیز یا مشرق میں اور قرغیز کے جنوب میں تاجکستان اور دونوں کے مغربی جانب ماوراء النہر کے نام سے موسوم رہے ہیں، ازبکستان کے جنوب مغرب میں ترکمانستان

ہے جو دریائے جیحون کے جنوب میں ہے وہ قدیم عہد میں خراسان کا جُز تھا۔ لیکن وہ بھی ترکستانی تاتاری علاقہ ہے۔ یہ پورا ترکستانی تاتاری علاقہ وسط ایشیا اور روسی ترکستان کے نام سے پہچانا جاتا رہا ہے۔ یہ روس کے قبضہ میں رہا ہے۔ اس سارے علاقہ سے متصل مشرق میں چینی ترکستان ہے جو چین کے قبضہ میں ہے۔

مایہ ناز تاریخی خطّہ

ان علاقوں میں خاص طور پر ازبکستان اور اُس کی سرحدوں سے متصل خطے اس وقت بھی پورے ترکستانی منطقہ میں ممتاز حیثیت کا خطہ ہے، اسی میں وادیٔ فرغانہ ہے جو ازبکستان کے مشرقی جز میں دریائے جیحوں کے اردگرد واقع ہے، اس کا علاقہ شاداب اور زرخیز ہے، یہ پورے ترکستانی علاقے کی وسیع اور اہم وادی ہے، یہ سطحِ سمندر سے نو سو (۹۰۰) فٹ بلند ہے، اس کے مشہور مقامات میں فرغانہ، مرغینان، نمنکان اور اندجان وخوقند ہیں، اس وقت بھی وہاں مذہبی رجحان زیادہ ہے دینی مدارس ومکاتب بھی ہیں۔

وادیٔ فرغانہ تیمور و بابر کا وطن تھا، تیمور اسی وادی کے شہر اندجان میں پیدا ہوا تھا، بابر بادشاہ نے یہیں سے ہندوستان کا رخ کیا تھا اور اپنی نسل سے برصغیر ہندو پاک میں حکمرانوں کا ایک سلسلہ چھوڑا، جن کی غدر ۱۸۵۷ء تک اسی ملک میں حکمرانی رہی، یہ خاندان قائدانہ صلاحیتوں اور مزاج کا حامل رہا اور اس نے برصغیر میں طویل المدت حکومت کی، اُس نے یہاں کی اکثریت سے مذہبی رواداری کے ساتھ معاملہ رکھا اسی کے ساتھ ملک پر گہرے ثقافتی وتمدنی اثرات چھوڑے ان اثرات سے ازبکستان کی ثقافت وتمدن کی مختلف شکلوں میں برصغیر کی مسلم ثقافت کی کسی قدر یگانگت رہی، تعمیری فن میں بہت اثر ملتا ہے، تاج محل کا نمونہ سامنے ہے، اس کے بڑے معمار ترکستان ہی سے آئے تھے۔

علاقائی خصوصیت اور اہم دریا وشادابی

ترکستان کے علاقے میں یوں تو کئی چھوٹے بڑے دریا ہیں لیکن اس کے دو

بڑے بڑے دریا نمایاں اہمیت کے حامل ہیں، ایک سیحون، دوسرا جیحون، سیحون دریا ازبکستان کی مشرقی سرحد سے داخل ہوکر شمالی جانب قازقستان سے ہوتا ہوا مغربی جانب واقع بحیرہ اورال کے شمالی حصہ میں گر جاتا ہے۔ دوسرا دریا جیحون ازبکستان کے جنوبی سرحد کے ساتھ ساتھ مشرقی سمت سے آتا ہے اور شمالی مغرب کی طرف جاتا ہے۔ اسی دریا کے شمال کا علاقہ ماوراءالنہر اور جنوب کا علاقہ خراسان سے موسوم رہا ہے۔

سیحون اور جیحون دونوں دریاؤں سے ایک خاصے وسیع خطے کو آبیاری ملتی ہے۔ اس کے اثر سے اُس میں غلّہ جات اور پھلوں کی بڑی پیداوار ہے، یہاں غلہ جات کے علاوہ اس خطہ میں روئی کی بہت کاشت ہوتی ہے، جو اس کے لیے اور قرب وجوار کے علاقوں کی ضرورت کے لیے کافی ہوتی ہے، وسطی ازبکستان کا علاقہ قدیم میں ''صغد'' کہلاتا تھا اس میں زرفشاں نامی ایک چھوٹا دریا بھی ہے جو سمرقند سے بخارا گیا ہے۔

علاقۂ صغد کے مغربی جانب بحیرۂ اورال نامی وہ جھیل ہے جس کے مغرب وجنوب سے ملا ہوا علاقہ قدیم میں خوارزم کہلاتا تھا، خوارزم شاہ کی مشہور سلطنت کا وہ مرکز رہ چکا ہے، خورازم کے ایک بڑے حصہ میں اور اس کے مشرقی اور جنوب میں واقع دوسرے خطوں میں یعنی ازبکستان کے مغربی حصہ میں اور ترکمانستان کے مغربی وشمالی حصوں میں اور وادئ سیحون کے شمال کے خطوں میں صحرائی زمین پھیلی ہوئی ہے، وہاں پانی کی اور بارش کی کمی بھی ہے لیکن اس کی خشکی اور پانی کی کمی کو یہاں کے دریا اور اُن سے نکالی گئیں نہریں پورا کرتی ہیں، بعض علاقوں میں موسمی برف کا پگھلا ہوا پانی بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ازبکستان اور اُس سے ملے ہوئے دوسرے ترکستانی علاقے قدیم تاریخی مقامات رکھنے والے خطے بنے، ترکستان کے مشہور تاریخی شہر جن میں مشہور اہلِ علم ودین پیدا ہوئے ان ہی خطوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں، یہ سارا علاقہ عموماً ماوراءالنہر کے نام سے موسوم کیا جاتا رہا ہے۔ اس سے متصلاً جنوب میں واقع شمالی خراسان میں بکثرت مشہور مقامات واقع ہیں، ان دونوں میں علم ودین کا بہت فروغ ہوا اور وہ فروغ عرصہ تک جاری رہا حتی کہ کمیونسٹ

حکومت نے اس کو پوری طرح مٹا دینے کی کوشش کی اور ظاہری طور پر بڑی کامیابی بھی حاصل کرلی، مذہب دَب گیا تھا لیکن اب ثابت ہوا کہ ختم نہ ہوسکا۔

بخارا وسمرقند اسلامی تاریخ کی یادگار

بخارا وسمرقند اسلامی تاریخ کے اوّل ہی سے اہمیت کا مقام رکھتے رہے ہیں، سمرقند تیمور، لنگ کا شہر رہا ہے اور وہیں اُن کی قبر ہے، اُن کے علاوہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے صاحب زادے حضرت قُثم بن عباس کی جو حضور مقبول محمد ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے آرام گاہ بھی اسی سمرقند میں ہے۔ اس مقبرہ کو اُن کی نسبت سے شاہزادہ کہتے ہیں۔

حضرت قُثم جہاد کی غرض سے مسلمانوں کے ساتھ یہاں آئے تھے اور جہاد کیا اور یہیں اپنی زندگی پوری کی، سمرقند میں سلسلۂ نقشبندیہ کے بہت بڑے بزرگ خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی بھی آرام گاہ ہے۔

شہر بخارا سمرقند سے بجانب جنوب مغرب تین سوکلومیٹر پر واقع ہے وہ امام بخاری کی جائے پیدائش ووطن ہونے کے ساتھ کی دیگر خصوصیات کا حامل شہر ہے، وہاں علاقہ ترکستان کی تاحال قائم درس گاہ ''مدرسہ'' میر عرب'' ہے جو اپنی عمارتوں کے لحاظ سے تاحال شان وشوکت کا نمونہ ہے یہ مدرسہ اُسی مسجد کے قریب بنایا گیا ہے جس میں امام بخاری حدیث شریف کا درس دیتے رہے تھے، مسجد اُن کے وقت میں چھوٹی تھی بعد میں مدرسہ کے ساتھ بڑی بنائی گئی، وہ اتنی بڑی مسجد بنی کہ وہ بڑائی کے وصف سے موسوم ہوئی اور مسجدِ کلاں کہلائی۔ اُس کی بڑائی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اُس میں ۹۵ ہزار نمازیوں کی جگہ رکھی گئی ہے وہ ایک پُرشکوہ اور عظیم مسجد ہے، روس کی مذہب دشمنی کے نتیجہ میں غیرآباد ہوئی اب پھر اُس میں نماز ہونے لگی ہے لیکن اُس کے کسی دالان میں سے ایک چھوٹے حصہ میں نمازی سما جاتے ہیں، مسجد کے شمالی مغربی سمت مدرسہ اور مسجد کے درمیان مسجد کا بلند مینار ہے جو اپنی بلندی کے وصف

سے موسوم ہے اور مینارۂ کلاں کہلاتا ہے اُس کی بلندی ۴۸ میٹر ہے۔

ازبکستان میں قدیم مسجدوں کے مینار مسجد کے قریب علیحدہ بنائے جاتے رہے ہیں چنانچہ یہی بات دوسری قدیم اور عظیم مساجد میں بھی موجود ہے، ترکستان کے ان مدرسوں، مسجدوں اور میناروں کی ظاہری سطح نہایت خوبصورت اور پائیدار نقش ونگار سے آراستہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ خوش نما پھول کھلے ہوئے ہیں۔ اس شہر سے دس کلومیٹر ہٹ کر نقشبندی سلسلہ کے بانی وجلیل القدر بزرگ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی جگہ ہے، وہ اب مدرسہ وخانقاہ کی ایک شاندار عمارت کی صورت میں ہے، اس جگہ کو قصر العارفین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سمرقند کو بھی اس علاقہ میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، علم وتمدن دونوں میں اُس کو بھی خصوصیت حاصل رہی، وہاں بھی بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اور تیمور کا تو وہ دارالسلطنت ہی تھا، تیمور نے اُس کو حکومت وطاقت کا بڑا مقام بنالیا تھا اُس کے اثر سے اُس کے زمانہ کا سمرقند دنیا کے دور دور کے خطوں میں سیاسی وتمدنی لحاظ سے بہت شہرت اور عظمت کا مالک بن گیا تھا اُس کے آثار تا حال باقی ہیں، جن میں قدیم بڑی درس گاہوں کی شاندار عمارتیں، عظیم شخصیتوں کے مقبرے اور بعض خانقاہوں کے آثار اب بھی باقی ہیں۔

﴿دوسرا باب﴾

سیرت طیبہ

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

***

امیر المؤمنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ

سید سلمان گیلانی

امت پہ ترا کتنا ہے احسان، بخاریؒ
یکجا کئے سرکار ﷺ کے فرمان، بخاریؒ
قرآن کی تفسیر حقیقی ہیں احادیث
گویا ہیں احادیث بھی قرآن، بخاریؒ
مسلمؒ ہو کہ ہو ترمذیؒ داؤدؒ کہ ماجہؒ
ممتاز ہے ان سب میں تیری شان، بخاریؒ
ہر قولِ نبی ﷺ کانِ جواہر کا ہے مظہر
ہر حرف ترا، لولو و مرجان، بخاریؒ
اللہ رے احادیث نبی ﷺ سے تری الفت
کی زیست اسی راہ میں قربان، بخاریؒ
موضوع ہے کیا، کیا ہے ضعیف اور حسن کیا
کر لیتا تھا اک آن میں پہچان بخاریؒ
پڑھتے ہوئے کیوں لطف نہ عشاق اٹھائیں
محبوبِ دو عالم کا ہے فرمان بخاریؒ
تجھ سے بڑا دنیا میں محدث نہیں کوئی
سب متفق اس پر ہیں مسلمان بخاریؒ
دنیا میں ہزاروں ہی مدارس ہیں کہ جن میں
صدیوں سے ہے جاری تیرا فیضان، بخاریؒ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیش روائمہ کی آرزو، اساتذہ کا فخر اور معاصرین کے لیے سراپا رشک تھے، ان کے زمانہ میں احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین اور علی بن مدینی کا فنِ حدیث میں چرچا تھا۔ لیکن جب آسمانِ علم حدیث پر امام بخاری کا سورج طلوع ہوا تو تمام محدثین ستاروں کی طرح چھپتے چلے گئے۔ صحیح مجرد میں سب سے پہلے انہوں نے مجموعہ حدیث پیش کیا اور پھر کتب صحاح کی تصنیف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

نام ونسب

امیر المؤمنین فی الحدیث، امام بخاری کا نامِ نامی اسم گرامی اور حسب ونسب اس طرح ہے: **محمد بن اسماعیل بن ابراهیم بن المغیره بن بَرْدَزْبَه بن بذذبه الجعفی، البخاری۔** (ھدی الساری جدید۔ ص ۶۶۹)

علامہ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں: **"بَرْدَزْبه" بفتح الباء الموحدة، وسكون الراء المهملة، وكسر الدال المهملة، و سكون الزاى المعجمة، و فتح الباء الموحدة، بعدها هاء۔**

(ھدی الساری جدید۔ ص ۶۶۹)

عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد کے نام "بَرْدَزْبہ" تک بیان ہوئے ہیں۔ البتہ علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے "بذذبہ" کا اضافہ بھی کیا ہے۔ یعنی بردزبہ کے والد "بذذبہ" تھے۔ (طبقات الشافعیہ الکبری۔ ج ۲، ص ۲)

بردزبہ اور ان کے والد بذذبہ کے احوال زندگی سے تاریخ خاموش ہے۔ البتہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بردزبہ" یہ لفظ فارسی کا ہے اور اہلِ بخارا کاشتکار کو "بردزبہ" کہا کرتے تھے۔ یعنی بردزبہ کسان تھے، مذہباً مجوسی تھے اور قوم بھی آتش پرست تھی اور یہ بھی آتش پرست تھے۔ (ھدی الساری ۶۶۹)

مغیرہ

امام بخاری کے دادا ''مغیرہ'' بخارا کے حاکم ''یمان بن اخنس جعفی'' کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

''یمان'' عربی النسل تھے اور قبیلہ ''جعفی'' سے ان کا تعلق تھا۔ اور جعفی بن سعد العشیرۃ ''قبیلہ مذحج'' کی شاخ ہے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۱ ص ۱۲۴)

دستور کے مطابق ولاء اسلام کے پیش نظر مغیرہ فارسی کو ''جعفی'' کہا جانے لگا۔ کیونکہ وہ ''یمان جعفی'' کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسی لئے ''جعفی'' کہا جاتا ہے۔

فقہاء احناف ''ولاء اسلام'' کے قائل ہیں اور ان کی دلیل ابوداؤد شریف کی یہ روایت ہے:

عن تمیم الداری انه قال یارسول الله ﷺ! وقال یزید: ان تمیما قال: یا رسول الله ﷺ! ماالسنة فی الرجل یسلم علیٰ یدی الرجل من المسلمین؟ قال: هو اولی الناس بمحیاه ومماته. (ابوداؤد۔ ج ۲ ص ۱۲۔ کتاب الفرائض باب الرجل یسلم علی یدی الرجل)

''تمیم داری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! جو شخص مسلمانوں میں سے کسی مسلم کے ہاتھ پر ایمان لائے تو اس بارے میں سنت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ زندگی اور موت میں اس کے سب لوگوں سے قریب تر ہے۔''

ابراہیم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دادا ''ابراہیم'' کے حالاتِ زندگی سے بھی تاریخ خاموش ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وأما ولده ابراهيم بن المغيرة فلم نقف على شى من اخباره. (ھدی الساری جدید۔ص۶۶۹)

''اور مغیرہ کے بیٹے ابراہیم کے حالات میں ہمیں کچھ بھی دستیاب نہیں ہو سکا''۔

اسماعیل

امام بخاری کے والد گرامی قدر ابوالحسن اسماعیل بن ابراہیم ثقہ محدثین میں سے ہیں۔ چنانچہ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الثقات'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔(الثقات لابن حبان۔ج۸،ص۹۸)

اسماعیل، حضرت حماد بن زید اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔یعنی اسماعیل ان دونوں بزرگوں کے شاگرد ہیں۔

(ھدی الساری جدید۔ص۶۶۹)

علاوہ ازیں امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل کو محدثین کے طبقہ رابعہ میں بیان کیا ہے۔(ایضاً)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رجال پر ایک کتاب ''التعلیق الکبیر'' لکھی ہے، اس میں انہوں نے اپنے والد ماجد کا تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت حماد بن زید اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث روایت کی ہے اور انہوں نے (یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے) حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ہے اوران سے مصافحہ بھی کیا ہے۔(ھدی الساری۔ص۶۶۹)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

رأى حماد بن زيد، صافح ابن المبارك بكلتا يديه.

(تاریخ کبیر بخاری۔ج۱،ص۳۴۲،رقم ۱۰۸۳،مقدمہ لامع الدراری،ص۲۷)

''اسماعیل بن ابراہیم نے حماد بن زید کی زیارت کی، ابن

مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا''۔

علامہ شمس الدین محمد ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كان ابو البخارى من العلماء الورعين (مقدمہ شرح قسطلانی۔ ج ۱،ص ۳۱، مقدمہ لامع الدراری،ص ۲۶)

''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد اسماعیل علماء اتقیا میں سے تھے'' موصوف کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ انتقال کے وقت کثیر مال ترکہ میں چھوڑا۔ لیکن فرماتے تھے کہ اس سارے مال میں ایک درہم بھی حرام یا مشتبہ نہیں ہے۔

(ھدی الساری۔ص ۶۶۹)

پھر یہی حلال طیب مال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش میں استعمال ہوا۔

ولادت

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابو عبدالله محمد بن اسماعيل الجعفى ولد يوم الجمعة بعد الصلاة لثلاث عشرة ليلة خلت من شوال سنة أربع و تسعين و مائة ببخارى. (ھدی الساری۔ص ۶۶۹)

''ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل الجعفی کی ولادت بروز جمعۃ المبارک ۱۳؍شوال المکرم ۱۹۴ھ کو بعد نماز جمعہ بخاریٰ میں ہوئی''۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدنی المتوفی ۱۴۰۲ھ رقمطراز ہیں:

قال شيخ مشائخنا فى مقدمة "البخارى" اتفقوا على انهٗ ولد بعد صلاة الجمعة ، لثلاث عشرة خلت من شوال ۱۹۴ ھ. (مقدمہ لامع الدراری۔ص ۲۷)

''ہمارے شیخ المشائخ نے بخاری کے مقدمہ میں اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ امام بخاری ۱۳؍شوال بروز جمعہ بعد نماز جمعہ ۱۹۴ھ

پیدا ہوئے''۔

اور امام النووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح بخاری میں اسی تاریخ پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔ (لامع الدراری۔ص ۲۷)

علامہ قسطلانی، علامہ ابن کثیر، صاحب ''نیل الامانی'' شرح مقدمہ قسطلانی سب کا یہی قول ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۳؍شوال بروز جمعہ بعد نماز جمعہ ۱۹۴ھ کو بخاری میں ہوئی ہے۔ البتہ ابویعلی الخلیلی نے ''کتاب الارشاد'' میں ۱۲؍شوال ۱۹۴ھ تاریخ بیان کی ہے۔ (مقدمہ لامع الدراری۔ص ۲۸)

شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ مفصل بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

فانهم اجمعوا على انه ولد بعد صلاة الجمعة لثلاث عشره. (مقدمہ لامع الدراری۔ص ۲۸)

''پھر جمہور علماء اسی پر متفق ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۳ تاریخ نماز جمعہ کے بعد ہوئی''۔

حلیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نحیف الجسم تھے۔ نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ پست قد۔ رنگ گندمی تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ اُردو۔ ج ۱،ص ۴۰۱)

عہد طفولیت

علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ومات اسماعيل، ومحمد صغير، فنشأ فى حجر امّه. (ھدی الساری۔ص ٦٦٩)

''امام بخاری کا ابھی بچپن ہی تھا کہ ان کے والد اسماعیل کا انتقال ہوگیا، پھر انہوں نے اپنی والدہ ہی کی آغوش میں تربیت و پرورش پائی''۔

بچپن ہی میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی زائل ہوگئی جس سے والدہ کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ بڑی عبادت گزار اور خدارسیدہ خاتون تھیں۔ الحاح وزاری کے ساتھ اللہ کے حضور دعائیں کرتی رہیں۔

ایک رات خواب میں سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کی زیارت سے مشرف ہوئیں، تو انہوں نے بشارت سُنائی کہ تمہاری دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیٹے کی بینائی لوٹادی ہے، جب صبح کو دیکھا تو بینائی موجود تھی۔ (ایضاً)

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۷۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

"گرمی اور دھوپ میں طلبِ علم کے لئے سفر سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی دوبارہ جاتی رہی۔ جب خراسان پہنچے تو کسی نے ان کے سر کے بال صاف کرائے اور گل خطمی کے ضماد کا مشورہ دیا۔ اس سے بینائی پھر واپس لوٹ آئی تھی"۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ۔ ج ۲، ص ۴)

علمی مشاغل

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، مجھے بچپن ہی سے مکتبی زندگی کے دوران حفظ حدیث کا شوق پیدا ہوا، جب کہ عمر ابھی دس سال سے متجاوز نہ تھی۔

مکتب سے نکلنے کے بعد محدث داخلی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین کے حلقہ ہائے درس میں شرکت شروع کر دی تھی۔ (ھدی الساری۔ ص ۶۶۹)

اللہ جل جلالہٗ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن ہی سے غیر معمولی صلاحتیں عطا فرمائی تھیں۔ شروع میں والدہ ماجدہ نے انہیں مکتب میں قرآن مجید حفظ کرنے کے لئے بٹھایا۔

امام صاحب فرماتے ہیں:

الهمتُ حفظ الحديث وانا فی الكتاب. (ھدی الساری۔
ص ٦٦٩، مقدمہ لامع الدراری۔ ص ۳۱)

''جب میں مکتب میں قرآن مجید حفظ کر رہا تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ
نے میرے قلب میں القا فرمایا کہ میں حدیث یاد کروں''۔

چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو احادیث یاد کرنے کا بڑا شوق اور ولولہ تھا، اس لئے علماء بخارا کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگے۔ مشہور محدث امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ جن کی مجلس حدیث میں بڑے بڑے اکابر علماء کرام تشریف لے جاتے تھے، آپ بھی وہاں باقاعدگی سے شرکت کرنے لگے۔ چونکہ کم عمر تھے، اس لئے ایک کونے میں بیٹھ جاتے تھے۔

رفتہ رفتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو احادیث کی اسانید میں اللہ تعالیٰ نے اتنی مناسبت عطا فرمادی تھی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں، ایک دِن میرے استاذ امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کی سند اس طرح بیان فرمائی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دُور سے بیٹھے ہوئے عرض کیا:

ابو الزبیر لم یرو عن ابراھیم
''یعنی شیخ ابوزبیر نے ابراہیم سے کوئی روایت نہیں کی''

استاذ نے طفل نوآموز سمجھ کر توجہ نہیں دی اور جھڑک دیا۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب اور سنجیدگی سے عرض کیا:

ارجع الی الاصل، ان کان عندک
''حضرت! اگر آپ کے پاس اس حدیث کی اصل موجود ہو تو
براہِ کرم اس کی طرف مراجعت فرمالیں''

شیخ اندر گئے اور اصل مسودہ یا بیاض ملاحظہ فرمایا۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بات درست نکلی۔ واپس آکر فرمایا:

''اے لڑکے! اصل سند کیا ہے؟''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

هو الزبير، وهو ابن عدی عن ابراهيم.

محدث داخلی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم لے کر اصلاح کرتے ہوئے فرمایا:

''صَدَقْتَ'' آپ نے صحیح کہا۔

کسی شخص نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ آپ نے فرمایا: ''گیارہ برس''۔ (ھدی الساری۔ص ۶۶۹)

اتنی چھوٹی عمر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث اور اس کی اسانید کا علم اور ایسا استحضار عطا فرمایا تھا کہ اپنے استاد کی بھی ایک فروگزاشت پر ان کو متنبہ کیا۔

علامہ بیکندری رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے جلیل القدر محدث اور امام العصر تھے۔ وہ فرماتے تھے، محمد بن اسماعیل جب میرے درس میں آجاتے ہیں تو مجھ پر تحیّر کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور میں حدیث بیان کرنے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے۔ (ھدی الساری۔ص ۶۷۵)

ایک مرتبہ علامہ بیکندی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم میری تصنیف پر نظر ڈالو اور جہاں غلطی ہو اصلاح کر دو۔ تو کسی آدمی نے بڑے تعجب سے کہا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ یعنی علامہ بیکندی امام العصر ہو کر اس سے اپنی کتاب کی اصلاح کے لئے کہہ رہے ہیں۔ جواب میں علامہ بیکندی نے فرمایا:

هذا الذی ليس مثله. (ھدی الساری۔ص ۶۷۵)

''اس کا کوئی ثانی نہیں ہے''۔

ایک مرتبہ سلیم بن مجاہد، علامہ بیکندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا:

''اگر تم تھوڑی دیر پہلے آتے تو میں تمہیں ایسے لڑکے کی ملاقات کراتا

جس کو ستّر ہزار احادیث زبانی یاد ہیں"۔ (ھدی الساری۔ص ۶۷۵)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن میں ستّر ہزار احادیث یاد تھیں۔ (مقدمہ شرح قسطلانی۔ص ۳۳)

اسفار

امام عالی نے تحصیل علم کے لیے بڑے دور دراز کے سفر طے کئے جن کو ہم ذیل میں مختصر طور پر پیش کرتے ہیں، ورنہ امام موصوف کے اسفار کو بالاستعیاب لکھنے کے لیے ایک ضخیم تر دفتر کی ضرورت ہے۔

وراق کی روایت کے مطابق امام صاحب کی پہلی رحلت ۲۱۰ھ میں اور ابتدائے سماع ۲۰۴ھ یا ۲۰۵ھ ہے۔ اس قلیل زمانہ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن میں وہ فضل وکمال حاصل کیا جو بڑے تعجب کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

۲۱۰ھ میں امام صاحب اپنی والدہ کے ساتھ مکّہ معظمہ پہنچے۔ اس سفر میں آپ کے بڑے بھائی احمد بھی ساتھ تھے۔ آپ کی والدہ اور بھائی حج سے فارغ ہونے کے بعد گھر کو واپس آگئے اور امام صاحب نے مکّہ معظمہ ہی میں اقامت کو اختیار کرلیا اور احادیثِ رسول ﷺ و دیگر علوم اسلامیہ کے شوق تحصیل میں والدہ اور بھائی کی مفارقت کو اصلا دل پر نہ لایا اور تکمیل علم کے لیے شیوخِ مکّہ کی درس گاہوں میں حاضری شروع کردی۔ (تاریخ بغداد،ص ۷، ج۲)

اس وقت مکہ میں جن شیوخ کی درسگاہیں ممتاز اور مرجع خلائق تھیں اور امام فن سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے (۱) امام ابوالولید احمد بن الازرقی (۲) عبداللہ بن یزید (۳) ابوبکر عبداللہ بن زبیر اور علامہ حمیدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

امام صاحب مکہ کے بعد ۲۱۲ھ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ مدینہ منورہ اس وقت علوم نبویہ کا گہوارہ تھا۔ اس وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت کی انتہا نہ تھی۔ گویا کہ مدینہ اس بات کا صحیح مصداق تھا کہ ؎

يوشک ان يضرب اکباد الابل ، الخ

مدینۃ الرسول ﷺ میں اس وقت جو لوگ مسند تدریس پر فائز تھے۔ ان میں (۱) ابراہیم بن المنذر (۲) ابراہیم بن حمزہ (۳) عبدالعزیز بن عبداللہ اور ان کے اقران سرفہرست ہیں۔ آپ نے حجاز میں چھ ماہ کی قلیل مدت میں ان دو شہروں کے علاوہ اور بلاد میں جا کر بھی شیوخ سے استفادہ کیا۔

واقعہ بصرہ

حجاز میں چھ سال گزارنے کے بعد امام صاحب نے بصرہ کا قصد کیا جو اپنے وقت میں علم و ادب اور اشاعت حدیث کے لحاظ سے بہت ترقی پر تھا۔ کوفہ میں پہنچ کر امام صاحب، امام ابو عاصم النبیل، صفون بن عیسیٰ، محمد بن عرعرۃ، ابوالولید طیاسی، محمد بن سنان اور ان کے معاصرین و اقران سے استفادہ کرتے رہے۔

بصرہ کا سفر امام صاحب نے چونکہ متعدد مرتبہ کیا ہے۔ بایں وجہ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ درج ذیل واقعہ کس سفر کا ہے۔ واقعہ حاشد بن اسماعیل کی زبانی یوں ہے کہ:

ایک دفعہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحصیل علم کے زمانہ میں مشائخ بصرہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ مسلسل سولہ دن کے سماع میں امام صاحب نے کچھ بھی قلم بند نہ کیا۔ ساتھیوں کے اس صورت حال کو قابل اعتراض سمجھنے پر امام صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ کو اپنی کتابت پر فخر ہے تو میرے ساتھ تقابل کر لیجیے۔ چنانچہ امام صاحب نے پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) روایات کا ذخیرہ زبانی کہہ سنایا۔ حاضرین مجلس امام صاحب کے حافظہ پر حیران و ششدر ہو کر رہ گئے۔ حاشد بن اسماعیل اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد ساتھیوں کی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ

"جعلنا نحكم كتبنا من حفظه" (مقدمہ فتح الباری، ص ۴۷۸)

یعنی "ہم اپنی کتابوں کو امام صاحب کے حافظہ سے درست کیا کرتے تھے"۔

اس واقعہ سے امام صاحب کی قوت حافظہ کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ تمام کچھ امام صاحب کے حافظہ ہی کی خیر و برکت سے تھا۔ چنانچہ کبھی یوں بھی ہوتا کہ آپ بصرہ کی احادیث کوفہ شام کی مصر اور سفر کی واپس آ کر قلمبند کرتے۔

سفرِ کوفہ

اس کے بعد آپ نے کوفہ کا سفر بھی متعدد مرتبہ کیا وہاں جا کر امام صاحب نے جن شیوخ سے بعد از تحقیق و وثوق روایات لیں، ان کے نام علامہ نووی کے کہنے کے مطابق مندرجہ ذیل ہیں:

عبداللہ بن موسیٰ، ابونعیم، احمد بن یعقوب، اسماعیل بن ابان، الحسن بن ربیع، خالد بن مخلد، سعید بن حُفص، طلق بن غنام، عمر بن حفص، عروہ، قبیصہ بن عقبہ، ابوغسان، یہ ہیں وہ شیوخ بخاری جن سے آپ نے کوفہ جا کر استفادہ کیا۔

سفرِ بغداد

بغداد خلافتِ عباسیہ کا دار السلطنت تھا۔ سلطنت کی علمی قدر افزائی نے بغداد کو مرجع علوم بنا دیا تھا اور ہر طرف سے تشنگانِ علم بغداد کا رُخ کر رہے تھے، بغداد کی علمی حیثیت کا علم امام صاحب کے اس قول سے بھی ہوتا ہے کہ

"اتترک الناس والعصر والعلم و تسیر الی خراسان"

"کیا تو آدمی و اہل زمانہ اور علم کو چھوڑ کر خراسان جا رہا ہے"

علامہ ابوعلی عنسانی کی روایت کے مطابق آپ نے بغداد کا سفر آٹھ مرتبہ کیا ہے۔

سفرِ شام

آپ نے تحصیل علم کے لیے شام کا سفر بھی کیا اور وہاں جا کر علامہ یوسف الغریابی، ابونصر اسحاق بن ابراہیم، آدم بن ابی الیاق، ابوالیمان الحکم بن نافع اور حیوۃ بن

شریح جیسے مشہور محدّثین سے تکمیل کی اوران کے اہل علم معاصرین سے بھی فائدہ اُٹھایا۔

سفرِ مصر

مصر پہنچ کر آپ نے عثمان بن صائغ ،سعید بن ابی مریم ،احمد صالح ،عبداللہ بن بکیر جیسے نامور محدّثین سے اپنی علمی پیاس کو بجھایا۔

ان اسفار کے علاوہ امام صاحب نے جزیرہ جا کر احمد بن عبدالملک الحرانی ، احمد بن یزید الحرانی ،عمرو بن الخلف سے استفادہ کیا۔

خراسان کی آبادیوں میں سے مَرو میں علی بن حسن بن شقیق ،عبدان ،محمد بن مقاتل بَلخ میں مکی ابن ابراہیم ،محمد ابن ابان ، یحییٰ بن موسیٰ اور قیتبہ ، ہراۃ میں جا کر احمد ابن ابی الولید الحنفی نیشاپور میں یحییٰ بن یحییٰ ، بشر بن الحکم ،اسحاق ابن راہویہ ،اور محمد بن رافع رَے میں ابراہیم بن موسیٰ واسط میں حسان بن حسان ،سعید بن عبداللہ جیسے محدّثین عظام اوران کے اقران سے استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ بخارا کے مضافات سمرقند اور تاشقند وغیرہ تو امام صاحب کے وطن ہی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسفار کی مختصری فہرست یوں بیان کی ہے کہ:

> ”قال سهل بن السری قال البخاری دخلت الی الشام و مصر و الجزيرة مرتين و الى البصرة اربع مرات و اقمت بالحجاز ستة اعوام ولا احصى كم دخلت الى الكوفة و بغداد مع المحدثين“ (ہدیہ الساری،ص ٤٧٨)
>
> یعنی میں نے شام ،مصر اور جزیرہ کا سفر دو مرتبہ بصرہ کا سفر چار مرتبہ کیا ہے اور حجاز میں چھ سال رہ کر علم حاصل کیا ہے اور کوفہ و بغداد کا سفر تو متعدد مرتبہ کیا ہے۔

خطیب بغدادی امام صاحب کے اسفار کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> ”رحل فی طلب العلم الی سائر محدثی الامصار و كتب

بخراسان والجبال و مدن العراق کلها وبالحجاز والشام و مصر...... وورد بغداد دفعات" (تاریخ بغداد، ص٦، ج٢)

یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تحصیل علم کے لیے ان تمام شہروں کے محدثین کی طرف سفر کیا اور خراسان و جبال خراسان اور عراق کے تمام شہروں نیز حجاز و شام میں حدیثیں لکھیں اور بغداد میں متعدد مرتبہ آئے۔

زیارتِ حرمین وآغازِ تصنیف

اٹھارہ سال کی عمر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے بڑے بھائی احمد بن اسماعیل اور اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ حج کرنے کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ حج کے بعد ان کے بھائی تو والدہ کو لے کر واپس چلے گئے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مزید تعلیم کے حصول کے لیے وہیں رہ گئے۔ اسی دوران انہوں نے ''قضایا الصحابة و التابعین'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی اور اس کے بعد چاندنی راتوں میں روضۂ انور کے پہلو میں بیٹھ کر ''تاریخِ کبیر'' تصنیف کی۔ امام بخاری کہتے ہیں: میں نے ''تاریخ کبیر'' میں جتنے لوگوں کے اسماء ذکر کیے ہیں مجھے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کوئی نہ کوئی قصہ معلوم تھا۔ لیکن اختصار کے سبب میں نے ان تمام قصوں کو درج نہیں کیا ''تاریخ کبیر'' کی تکمیل ہوتے ہی اس کی نقل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ محمد بن یوسف فریابی کہتے ہیں کہ میں نے ''تاریخ کبیر'' کو اس وقت نقل کیا جب ابھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ڈاڑھی بھی نہیں آئی تھی۔

(شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ٩٢٣ھ، ارشاد الساری ج١، ص٣٢)

صحیح بخاری کی تصنیف کا باعث

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں اور میں آپ کی خدمت میں کھڑا ہوں۔ میرے ہاتھ میں

پنکھا ہے۔ میں اس کی ہوا رسول اللہ ﷺ تک پہنچا رہا ہوں اور آپ کے چہرۂ انور اطہر سے مکھیوں کو دور کر رہا ہوں۔ یہ خواب میں نے ایک خواب کی تعبیر بتانے والے کو سُنایا تو انہوں نے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے جھوٹ کی نفی کرو گے۔ یہ واقعہ اور اس کی تعبیر بھی صحیح بخاری کی تالیف کا قوی باعث بنا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف سولہ سال میں مسجد حرام میں تصنیف کی ہے

شیخ محقق الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں:

گویند بخاری در مدت شانزدہ سال تصنیف صحیح نمودہ وگفت در نیاوردم دریں کتاب الا احادیث صحیحہ و آنچہ ترک نمودہ ام از احادیث صحاح بیشتر است وتصنیف آن در مسجد حرام نمود و ہیچ حدیثے رادراں کتاب در نیاورد و کتابت نکرد تا استخارہ نمود از خداوند تبارک وتعالیٰ و دو رکعت نماز گزارد و برروایتے آمدہ کہ غسل بآب زمزم میکرد و دو رکعت نماز خلف مقام میگزارد وھرچہ نزدوی صحت آن بیقین می پیوست دران کتاب ایراد نمود"

"علماء نے کہا ہے کہ سولہ سال میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری تصنیف کی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں نے اس کتاب میں صرف احادیث صحیحہ ذکر کی ہیں اور جو احادیث صحیحہ میں نے ذکر نہیں کیں بہت زیادہ ہیں اور اس کتاب کی تصنیف مسجد الحرام میں ہوئی ہے۔ ہر حدیث کو اس کتاب میں درج کرنے سے پہلے آپ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے اور ایک روایت میں ہے کہ زمزم کے پانی سے غسل فرماتے اور دو رکعت نماز مقام ابراہیم

کے پیچھے ادا کرتے پھر جس حدیث کی صحت کا آپ کو یقین ہو جاتا تو صحیح بخاری میں ذکر کرتے''۔ (مقدمہ اشعۃ اللمعات)

بخاری شریف کی بارگاہِ رسالت ﷺ میں قبولیت

ابوزید مروزی فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

ابوزید چرا کتاب مرا درس نمی گوئی گفتم یارسول اللہ کتاب تو کدام است گفت کتاب محمد بن اسماعیل۔ (اشعۃ اللمعات و فتح الباری)

''ابوزید تم میری کتاب کا درس کیوں نہیں دیتے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ کی کونسی کتاب ہے، فرمایا محمد بن کی کتاب یعنی بخاری شریف''۔

دفع بلیات وصحت امراض کے لیے ختم بخاری تریاق مجرب ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

بہت سے مشائخ و علمائے ثقات نے حصول مراد کفائت مہمات و قضائے حاجات و دفع بلیات و کشف کربات صحت امراض و مضائق و شدائد سے نجات پانے کے لیے بخاری شریف کو پڑھا اور اس کا ختم کیا تو ان کی مرادیں حاصل ہوئیں اور اپنے مقاصد میں کامیابی پائی اور ختم بخاری شریف ان کی مرادوں کو برلانے کے لیے تریاق مجرب ثابت ہوا۔

یہ ایسی بات ہے کہ علماء حدیث کے نزدیک شہرت اور استفاضہ کے درجہ کو پہنچ ہوئی ہے۔ میر جمال الدین محدث نے اپنے استاد سیّد اصیل الدین رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ قریباً ایک سو بیس بار میں نے ختم بخاری اپنے وقائع اور مہمات اور

دوسرے لوگوں کے لیے کیا جس مہم کے لیے ختم بخاری کیا اپنے انجام کو پہنچی اور مقصود حاصل ہوا۔ علماء میں یہ بات حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہے کہ ختم بخاری جس پریشانی اور سختی میں کیا جائے اس سے نجات ہو جاتی ہے۔ جس کشتی اور گھر میں یہ کتاب ہو، اللہ تعالیٰ اس کو غرق اور آگ سے محفوظ رکھتا ہے۔ ثقہ علماء کے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ امام بخاری مستجاب الدعاء تھے اور انہوں نے بخاری کے قاری کے لیے دعا کی ہے۔ (اشعۃ اللمعات، جلد اوّل و فتح الباری)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے عجیب وغریب حالاتِ زندگی

اس جلیل القدر امام کے حالات پیدائش سے لے کر وفات تک عجائب و غرائب سے پُر ہیں گویا قدرتِ کاملہ نے ایک عظیم الشان خدمت کے لیے آپ کو منتخب فرما کر آپ سے وہ کام لیا کہ دُنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ ان کے کمالات اگر کرامات سے تعبیر کئے جائیں تو بالکل بجا و درست ہوگا۔

کمال (۱): ۱۱ سال کی عمر سے جو بچپن کا زمانہ ہے اساتذہ حدیث سے حدیث سُننا شروع فرمایا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج ۲،ص ۵۵۵)

کمال (۲): خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں ہزار محدثین سے حدیثیں لکھی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج ۲،ص ۵۵۵)

کمال (۳): ۱۸ سال کی عمر میں صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتاویٰ و فیصلے جمع کرنا شروع کیا۔

کمال (۴): اور اسی زمانے میں اپنی مشہور تاریخ ''التاریخ الکبیر'' جو آٹھ جلدوں میں ہے روضۂ اقدس نبی کریم ﷺ کے پاس چاندنی راتوں میں بیٹھ کر لکھی اور مکمل کی۔

کمال (۵): غضب کا حافظہ تھا کہ استادوں کے ساتھ محض حدیث سُن کر یاد کر لیا کرتے جب کہ دوسرے ہم سن بغیر لکھے ہوئے یاد نہ رکھ سکتے تھے۔ ایک نوعمر

بچہ کا یہ فعل ہم عصروں کے لیے تعجب کا باعث ہوا۔ آخر کار لوگوں سے نہ رہا گیا اور چھیڑ دیا۔ میاں بچے لکھتے نہیں تو پھر کس طرح یاد کرو گے۔ امام نے فرمایا۔ تم کئی بار ٹوک چکے ہو لاؤ اپنا لکھا ہوا ذخیرہ۔ لایا گیا جو پندرہ ہزار حدیثوں پر مشتمل تھا۔ آپ نے سب کا سب فرفر سنا دیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ میں یونہی اپنا وقت ضائع نہیں کر رہا ہوں۔ اسی وقت لوگوں نے فیصلہ کرلیا کہ اس شخص سے کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

(تذکرہ، ص ٢٥٦)

کمال (٦): بچپن ہی کا قصہ ہے کہ سلیم ابن مجاہد فرماتے ہیں کہ میں محمد ابن سلام بیکندی کے پاس پہنچا تو فرمانے لگے کہ کچھ پہلے آئے ہوتے تو ایک بچے سے ملاقات ہو جاتی۔ ستر ہزار احادیث کا حافظ ہے۔ مجھے بڑا تعجب معلوم ہوا اور میں اُن کی تلاش میں نکلا چنانچہ ملاقات ہوگئی۔

میں نے پوچھا۔ تم ستر ہزار احادیث کے حافظ ہو؟ فرمانے لگے جی ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ کا حافظ ہوں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ راویان حدیث صحابہ و تابعین کے سنہ پیدائش و وفات و جائے سکونت بھی بتا سکتا ہوں۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ٢، ص ٥)

کمال (٧): بے مثل و بے نظیر قوت حافظہ کا مظاہرہ بھی کئی بار ہوا۔ ایک بار آپ بغداد تشریف لے گئے۔ وہاں علماء و محدثین کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص لاکھوں احادیث کے حافظ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو آپس میں ایک مجلس منعقد کرنے کی تجویز ہوئی۔ جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان لینا طے ہوا۔ دس آدمی منتخب ہوئے اور دس دس حدیثیں سند اور متن میں گڑبڑ کرنے کی تجویز ہوئی۔ چنانچہ مجلس امتحانی منعقد ہوئی اور امام کے سامنے پہلے ایک شخص نے ایک حدیث کا حُلیہ بری طرح بگاڑ کر پیش کیا۔ امام نے فرمایا 'لا اعرفہ' یعنی یہ حدیث اس طرح مجھے نہیں پہنچی۔ اسی طرح دسوں حدیثیں پڑھ دی گئیں اور ہر حدیث کے بعد امام اپنا جُملہ لا اعرفہ دُہراتے رہے۔ پھر دوسرے صاحب کھڑے ہوئے اور اسی طرح دس حدیثیں بگاڑ کر پڑھیں۔ یہاں تک کہ دس آدمیوں نے سو حدیثیں پڑھیں اور امام ہر حدیث سُننے کے

بعد وہی جملہ دہراتے رہے۔ پھر آپ گویا ہوئے اور پہلے آدمی کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ آپ نے پہلی حدیث اس طرح پڑھی تھی حالانکہ وہ اس طرح ہے۔ اس کو مفصّل بیان فرمایا۔ پھر دوسری اور تیسری، چوتھی وغیرہ پر تبصرہ فرمایا۔ یہاں تک کہ پوری سو احادیث کو بالترتیب درست طریقہ پر سُنا دیا۔ حاضرینِ مجلس ان کے استحضارِ ذہن، ذکاوت اور قوّتِ حافظہ کے معترف ہوگئے۔

(الہدیٰ الساری مقدمہ فتح الباری ج ٦، ص ٢٠٠)

کمال (٨): محمد بن حمدویہ سے خود فرمانے لگے کہ مجھے ایک لاکھ احادیثِ صحیحہ و دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ حفظ ہیں۔ (الہدیٰ الساری)

کمال (٩): محمد بن حاتم و نجم بن فضیل نے خواب میں دیکھا کہ سرکار دوعالم ﷺ قبر شریف سے نکلے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پیچھے پیچھے اس طرح چلتے ہیں کہ امام کا قدم رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک کے نشان پر پڑتا ہے۔

(الہدیٰ الساری)

کمال (١٠): صحیح بخاری کی تالیفِ و حدیث نبوی ﷺ کی عظمت اور فضائل بخاری شریف، امام نے چھ لاکھ محفوظ احادیث کے مجموعہ سے صحیح احادیث کا انتخاب اس طرح فرمایا کہ ہر حدیث کی جانچ پڑتال اپنے معیار کے مطابق کرنے کے بعد اپنے جامع میں درج فرمایا اور ادب و احترام کلام رسول کا اتنا بلند نقشہ دنیا کے سامنے رکھا کہ اس کا تصوّر بھی اس کے قبل دماغوں میں نہ آیا ہوگا۔

خود فرماتے ہیں:

"ماوضعت فی کتاب الصحیح حدیثا الا اغتسلت قبل ذالک وصلیت رکعتین".

یعنی میں نے اپنی صحیح میں جب بھی کوئی حدیث درج کی تو اُس کے قبل غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔

دوسری روایت میں اس کاوش کی توجیہ بھی ملتی ہے۔

"ما ادخلت فيه حديثا حتى استخرت الله تعالىٰ
وصليت ركعتين و تيقنت صحتهٗ"
یعنی استخارہ کے بعد جب حدیث کی صحت کا پورا یقین ہو جاتا تھا
تب وہ زیب قرطاس کی جاتی۔

یہ عمل ۱۶ سال تک جاری رہا کیونکہ کتاب کی تکمیل میں سولہ سال صرف ہوئے تھے۔

مکمل ہو جانے کے بعد کتاب علی ابن المدینی امام احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین وغیرھم (جو اس دور کے اساتذہ حدیث ومعلم و امام تھے) کے سامنے پیش کی۔ سب نے کتاب کو بے حد پسند فرمایا اور خوش ہوئے۔

صحت و اسناد میں صرف اسی کتاب کو یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ قرار دی گئی۔ اس امر میں گویا اُمّت کا سلفاً عن خلف اجماع ہو گیا۔ ابوزید مروزی نے رکن و مقام ابراہیم کے درمیان خواب میں حضرت رسالت مآب ﷺ کو فرماتے سُنا۔ کب تک کتاب شافعی کا درس دو گے۔ میری کتاب کو پڑھو پڑھاؤ۔ میں نے عرض کیا آپ کی کتاب کونسی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جامع محمد ابن اسمٰعیل بخاری۔ (الہدی الساری)

کمال (۱۱): صدیوں سے علماء و مشائخ وقت نے صحیح بخاری شریف کے بالاستیعاب ختم کو اور اس کے توسل سے دُعا کو حل مشکلات و قضائے حوائج میں مجرب و صحیح پایا ہے اور اب تک معمول ہے۔ علامہ سبکی شافعی فرماتے ہیں۔

"واما الجامع الصحيح و كونه ملجأً للمعضلات و
مجربا لقضاء الحوائج فامر مشهورٌ"

کمال (۱۲): احادیث نبویہ کے علاوہ کلام اللہ سے بھی بغایت شغف تھا۔ رمضان شریف میں ان کے اصحاب و تلامذہ جمع ہو جاتے تو خود تراویح کی جماعت میں ہر رکعت میں بیس آیتیں سناتے تھے۔ پھر سحر میں تہائی قرآن مجید پڑھتے اور ہر تیسرے دن

ایک ختم پڑھتے تھے اور دن بھر میں افطار تک ایک ختم پورا فرما لیتے تھے۔ (طبقات ج ۲، ص ۹)

کمال (۱۳): ایک مرتبہ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے تو اُن کی مقدس پیشانی کو بوسہ دیا اور بدیں الفاظ ان کے فضل و کمال کا اعتراف فرمایا۔

"وعنی حتی اقبل رجلیک یا استاذ الاستاذین و سید المحدثین و یا طبیب الحدیث فی عللہٖ"

پیشانی کا بوسہ دینے کے بعد کہا کہ مجھے پائے مبارک کا بوسہ بھی لینے دیجیے۔ اے استاذوں کے استاذ اور محدثین کے سردار اور حدیث کے بیماروں کے طبیب حاذق۔ (طبقات سبکی)

کمال (۱۴): وفات کا قصہ بھی منجملہ کمالات و کرامات ہے۔

جب امیر بخارا سے کچھ ناچاقی ہوگئی تو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سمرقند کوچ فرمایا اور ایک گاؤں خرتنگ میں قیام فرمایا۔ جہاں پہلے سے ان کے اقرباء رہتے تھے۔ عبدالقدوس سمرقندی کا بیان ہے کہ ایک شب تہجد سے فارغ ہونے کے بعد نہایت الحاح وزاری سے دُعا مانگی کہ بارالٰہا! اب مجھ پر تیری وسیع و عریض زمین تنگ ہوگئی ہے۔ لہٰذا اب تُو مجھے اپنے پاس بلالے۔ اس دُعا کے بعد ایک ماہ گزرا تھا کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ قبر خرتنگ میں ہے۔

عبدالواحد طوادیسی فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے خواب میں جناب سید المرسلین ﷺ کو دیکھا کہ اپنے اصحاب کرام کے ساتھ کھڑے ہیں جیسے کسی کا انتظار فرما رہے ہوں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے جواب دیا۔ پھر میں نے پوچھا۔ حضرت کس کا انتظار فرما رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا محمد ابن اسماعیل بخاری کا منتظر ہوں۔ کچھ دن کے بعد ان کی وفات کی خبر سُنی گئی۔ شمار کرنے کے بعد وفات کا دن وہی نکلا جس دن خواب دیکھا گیا تھا۔ (طبقات سبکی ج ۲، ص ۱۴)

کمال (۱۵): علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ وفات سے قبل بہت دیر تک دعا

میں مشغول تھے۔ پھر اس کے بعد لیٹ گئے اور روح ملاءِ اعلیٰ کو سدھاری۔ وفات کے بعد بہت پسینہ خارج ہوا۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ تین کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ جب لوگوں نے کفن میں لپیٹا۔ نماز جنازہ ادا کی گئی اور قبر میں اتارے گئے تو نہایت عمدہ خوشبو جو مشک سے بہتر تھی اُن کی قبر سے نکلی۔ مدت تک یوں ہی قبر مبارک کی مٹی سے محسوس کی جاتی رہی اور لوگ آ کر قبر کی مٹی لے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ لکڑیوں کے جال سے چھپا دی گئی۔

فلما ادرجناه فی اکفانه وصلینا علیه ووضعناه فی حضرته فاح من تراب قبره رائحة طیبة لا لمسک و دامت ایاماً وجعل الناس یختلفون الی القبر ایاما یاخذون من ترابه الی ان جعلنا علیه خشبا مشبکا.

(ھدی الساری ص ٣٠٦)

باری تعالیٰ نے اس جلیل القدر بزرگ کے کام یعنی خدمت حدیث اور نام کو تا قیامت حسن قبول سے نوازا اور دنیا والوں کو اپنے حُسن قبول کا کچھ کرشمہ دکھایا۔

کمال (١٦): کتاب جامع صحیح کی طرح لوگوں نے آپ کی قبر کے پاس بھی بارگاہ الٰہی سے عرض التجا کو شرف قبولیت سے مشرف ہونے کا تجربہ کیا ہے۔

(طبقات سبکی ج ٢، ١٥)

غرض امام بخاری کی ذات مجمع الکمالات، مستجمع الصفات تھی۔ محدثین و مورخین نے نہایت بسط و تفصیل سے آپ کے حالات لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے الطاف و کرم کی دھواں دھار بارش سے اُن کو سیراب کرے۔ اُن کی قبر کو نور سے بھر دے۔ اُن کے طفیل میں ہم گناہ گاروں کو بخش دے اور حشر میں اُن کے زمرے میں رکھے۔ آمین

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کرامتیں

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کاتب کا بیان ہے: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کے لیے ایک گائے ذبح کی تھی، جب گوشت تیار ہوگیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو کھانے کے لیے بُلایا، سویا سو سے زیادہ لوگ تھے، پہلے سے یہ معلوم نہیں تھا کہ اتنے لوگ جمع ہو سکتے ہیں، ہم نے ''فربر'' سے تین درہم کی روٹی ساتھ لی تھی، اس وقت ایک درہم کی پانچ من (یعنی تقریباً تین کلو پانچ سو گرام) روٹیاں مل جاتی تھیں، ہم نے یہ روٹی لوگوں کے سامنے پھیلا دی، تمام لوگوں نے کھانا کھایا اور بعد میں اچھی خاصی روٹیاں بچ گئیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور قلتِ طعام

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کاتب کا بیان ہے: امام بخاری نہایت کم غذا استعمال کرتے، طلباء کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک کرتے، انتہائی درجے کے سخی تھے۔

ابوالحسن یوسف بن أبوذر بخاری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ محمد بن اسماعیل بیمار ہوئے تو ان کا قارورہ ڈاکٹر نے چیک کیا، انہوں نے کہا کہ یہ قارورہ عیسائی پادریوں کے قارورہ کی طرح ہے، اس لئے کہ وہ سالن نہیں استعمال کرتے ہیں، محمد بن اسماعیل نے اس بات کی تصدیق کی اور کہا: میں نے چالیس سال سے سالن نہیں استعمال کیا ہے۔

لوگوں نے آپ کے علاج کے بارے میں ڈاکٹروں سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کا علاج سالن ہی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کھانے سے انکار کردیا یہاں تک کہ بہت سے مشائخ اور اہلِ علم نے اصرار کیا تو صرف روٹی کے ساتھ شکر کھانے پر راضی ہوئے۔

قرآن کے ساتھ شغف اور تراویح کی امامت

مقسم بن سعد کہتے ہیں: جب ماہِ رمضان کی پہلی رات ہوتی تو محمد بن اسماعیل کے پاس آپ کے محبین و رفقاء تلامذہ جمع ہوتے اور وہ ان کو نماز پڑھاتے، ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے، تراویح میں کہ قرآن پاک مکمل کرتے، تہجد میں نصف قرآن سے لے کر ثلث قرآن تک پڑھتے، ہر تین رات میں سحر کے وقت ایک ختم کرتے، ہر روز دن میں ایک مرتبہ افطار کے وقت ختم کرتے اور فرماتے: ہر ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کاتب کہتا ہے: تہجد میں آپ رحمۃ اللہ علیہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے اور اخیر میں ایک رکعت ملا کر وتر ادا کرتے۔

نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک کا تبرک

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کاتب کا بیان ہے: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نبی کریم ﷺ کے چند بال تھے جن کو وہ اپنے کپڑوں میں اہتمام سے رکھے رہتے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اشعار

حاکم نے اپنی تاریخ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار نقل کئے ہیں:

اغتنم فی الفراغ فضل رکوع　　فعسی أن یکون موتک بغتة
کم صحیح رأیت من غیر سقم　　ذهبت نفسه الصحیحة فلتة

یعنی: فرصت کے اوقات میں رکوع و سجود کی فضیلت کو غنیمت جانو، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ اچانک موت کا پیام آجائے، کتنے تندرست اور صحیح لوگ گذر چکے جن کو کوئی بیماری نہیں تھی، ان کے صحیح جسم کو موت نے اپنے آغوش میں لیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جب حافظ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی کی وفات کی

خبر سنائی گئی تو یہ شعر پڑھا:

ان عشت تفجع بالأحبة كلهم   وبقاء نفسك لاأبالك أفجع

یعنی: اگر آپ زندہ رہیں تو تمام محبین کی موت آپ کے لئے باعثِ غم بنے گی اور آپ کی موجودگی تو سب سے زیادہ باعث غم ہے۔

یہ اشعار بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں:

مثل البهائم لاترى آجالها   حتى تساق الى المجاز زتنحر

یعنی: چوپائیوں کی طرح جن کو اپنی موت نظر نہیں آتی، یہاں تک کہ ذبح کرنے کے لیے ان کو ذبح گاہ کی طرف نہ لے جایا جائے۔

• اس طرح یہ شعر:

خالق الناس بخلق واسع   لاتكن كلبا على الناس تهر

یعنی: لوگوں کے ساتھ وسعتِ ظرفی کے ساتھ برتاؤ کرو، اس کتے کی طرح مت بنو جو ہمیشہ لوگوں پر بھونکتا رہتا ہے۔ (علامہ سبکی نے ان اشعار کو الطبقات الکبریٰ میں نقل کیا ہے، مزید دیکھئے: سیرۃ البخاری، ص ۱۰۳۔۱۰۴)

ایک شبہ اور اُس کا حل

ائمہ حدیث کے لیے لاکھوں احادیث کا یاد رکھنا، روایت کرنا سن کر شک ہوتا ہے کہ حدیث کی بڑی بڑی کتابیں مثلاً کنز العمال، مسند امام احمد ابن حنبل، جامع الاصول و مجمع الزوائد وغیرہ کی تمام مرویات کو شمار کرنے سے بیس پچیس ہزار سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ موضوعات کو بھی شامل کرلیا جائے تب بھی نصف لاکھ نہیں ہوتیں۔ پھر لاکھ دو لاکھ اور چھ لاکھ کی بات کا کیا مطلب ہے۔ آخر وہ سب حدیثیں کیا ہوئیں اور کہاں لکھی گئیں۔

جواب: یہ ہے کہ فن اصول حدیث کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ حدیث کے طریقے اور راویوں کے بدلنے سے حدیث کی گنتی بڑھ جاتی ہے۔ اگرچہ الفاظ حدیث جوں

کے توں ہوں۔ ایک ہی حدیث ہزار استاذ سے سُنی گئی تو اس کو ایک ہزار حدیث کہیں گے۔ اسی طرح صحابہ کے متعدد ہونے سے حدیث متعدد ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے کئی لاکھ حدیث بولنا محدثین کی ایک اصطلاح ہے۔ ولا مشاحة في الاصطلاح مشہور مقولہ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا زہد وتقویٰ

امام بخاری کے زہد وتقویٰ کے متعلق محدثین نے تاریخ وتراجم کی کتابوں میں بہت تفصیل سے واقعات نقل کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علم جب صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے حاصل کیا جائے تو وہ خود زہد وتقویٰ کے لیے باعث اور سبب ہوا کرتا ہے۔

امام بخاری کے والد کے متعلق آتا ہے کہ ان کے والد نے مرض موت میں ارشاد فرمایا کہ میرے مال میں ایک درہم بھی حرام کا نہیں ہے۔ (مقدمہ۔ ص ۴۷۹)

ظاہر ہے کہ جب حلال وطیب مال سے ان کی تربیت ہوئی تھی تو ان کے زُہد وتقویٰ کا ٹھکانہ کیا ہوگا۔ پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ ان کا تعلق بچپن سے احادیث کے ساتھ رہا تھا۔

☆...... مقسم بن سعد سے منقول ہے کہ جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا تھا تو آپ کے شاگرد اور متعلقین آپ کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔ آپ تراویح کی نماز اس طرح پڑھاتے کہ ہر رکعت میں بیس آیت پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح پورا قرآن رمضان المبارک میں ختم کیا کرتے تھے۔ تہجد کے وقت نصف یا تہائی قرآن پڑھا کرتے تھے۔ ہر تین رات میں ختم کیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ہر ختم پر ایک دعا قبول ہوا کرتی ہے۔ یہ بھی منقول ہے کہ صحیح بخاری لکھتے وقت ہر حدیث لکھنے کے لیے دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔

☆...... ابن حجر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ آپ کو تیر اندازی کا شوق تھا چنانچہ ایک دفعہ فربر کے شہر سے باہر تیر اندازی کرنے کے لیے نکلے۔ تیر اندازی شروع کی تو

ایک تیر نہر پر واقع ایک پل کے کیل پر لگا جس سے اس پل کو کچھ معمولی نقصان پہنچا۔ آپ اپنی سواری سے اُترے اور تیر اپنے ہاتھ سے نکالا واپس ہوئے اور ابو جعفر نامی اپنے ایک شاگرد کو پل کے مالک کے پاس بھیجا کہ یا تو وہ نقصان کا معاوضہ لے یا خود ہمیں پل کی مرمت کی اجازت دے۔ اتفاق سے پُل کا مالک حمید بن الاخضر آپ کا معتقد تھا اس نے عرض کیا میری طرف سے آپ معاف ہیں بلکہ میرا پورا مال آپ پر فدا اور قربان ہے، ابو جعفر فرماتے ہیں کہ جب میں نے واپس آ کر آپ کو اطلاع دی تو آپ بہت خوش ہوئے اور خوشی میں طلبہ کو اُس دن پانچ سو حدیثیں املا کروائیں اور تین سو درہم صدقہ کئے۔ (مقدمہ، ص ۴۸۰)

☆......اپنے ایک شاگرد ابو معشر الضریر سے ایک دفعہ مانگنے لگے وہ گھبرا کر پوچھنے لگے کہ کیا بات ہوئی فرمایا کہ ایک دن میں نے ایک حدیث بیان کی تو تم خوشی سے جھومنے لگ گئے۔ اور اس حال میں تم اپنے ہاتھ اور سر ہلانے لگے تمہاری یہ حالت دیکھ کر میں تم پر ہنسا تھا انہوں نے فرمایا اللہ آپ پر رحم فرمائے میں معاف کر چکا ہوں۔ (مقدمہ، ص ۴۸۰)

☆......مقدمہ فتح الباری اور متعدد کتابوں میں یہ واقعہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ کچھ سامان فروخت کر رہے تھے۔ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور پانچ ہزار نفع کی پیشکش کی آپ نے فرمایا کہ میں سوچ کر صبح بتاؤں گا کل پھر کچھ اور لوگ آئے اور دس ہزار نفع کی پیشکش کی لیکن آپ نے فرمایا کہ میں رات کو پہلی جماعت کو فروخت کرنے کی نیت اور ارادہ کر چکا ہوں اب پانچ ہزار کے لیے اپنی نیت کو نہیں بدل سکتا۔ (ایضاً)

☆......امام کرمانی کہتے ہیں کہ امام صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کی دولت عطا فرمائی تھی انہوں نے اپنے والد سے ترکہ میں بہت سا مال پایا تھا اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے تھے اور بسا اوقات آپ کو دو یا تین بادام پر ایک دن گزارنا پڑا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

"کان قلیل الاکل جداً مفرداً فی الجور وقال کان یقنع

کل لیوم بلوز تین او ثلاثٍ". (فیما یجب حفظ للناظر۔ص۲،سیر ص ۴۵۰،ج ۱۲)

☆......امام صاحب موصوف نے کسی امیر یا بادشاہ کی فیاضی سے کبھی فائدہ نہیں اُٹھایا حالانکہ بارہا اس کے مواقع آئے ان کے شاگرد امام صاحب کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ جس وقت آدم بن ایاس کی خدمت میں حاضر ہوا تو خرچ کے آنے میں بڑی تاخیر ہوئی یہاں تک کہ مجھ کو گھاس کھا کر دو دن گزارنے پڑے تیسرے دن ایک صاحب نے آکر مجھے دینار کی تھیلی پیش کی جن کو میں پہچانتا بھی نہ تھا۔

☆......اس طرح ان کے ایک اور شاگرد کا امام صاحب کے واسطے سے بیان ہے کہ جس وقت مجھے غیبت کی حرمت معلوم ہوئی اس وقت سے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ سے مجھے امید ہے کہ وہ اس بارے میں میرا محاسبہ نہیں فرمائے گا۔ (سیر اعلام النبلاء، ص ۴۳۹، ج ۱۳)

☆ امام صاحب ایک مرتبہ بیمار ہوئے ان کا قارورہ جب اطباء کو دکھایا گیا انہوں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سالن استعمال نہیں کرتے امام صاحب سے جب یہ پوچھا گیا تو آپ نے تصدیق کی فرمایا کہ میں نے چالیس سال سے سالن استعمال نہیں کیا ہے۔ جب علاج پوچھا گیا تو سالن کا استعمال بتایا گیا پھر بھی آپ انکار فرماتے رہے لیکن پھر اہل علم اور محدثین کی الحاح سے اس پر راضی ہوئے۔ (مقدمہ فتح الباری، ص ۴۸۱)

☆......آپ کے عبادات میں استغراق کا یہ واقعہ متعدد کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ ایک بار ظہر کی نماز سے فراغت کے بعد نفل میں مشغول تھے۔ فارغ ہونے کے بعد اپنی قمیص کا دامن اٹھا کر اپنے بعض ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو قمیض کے اندر کچھ ہے تو نہیں انہوں نے دیکھا تو بھڑ نکلی جس کے ڈنک سے سترہ نشانات تھے اور جسم کا وہ حصہ متورم ہو گیا تھا ایک صاحب نے عرض کیا کہ آپ نے نماز کیوں نہیں توڑ دی۔ فرمایا کہ میں ایسی سورت پڑھ رہا تھا کہ دل چاہتا تھا کہ اس کا ختم کرلوں۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۴۴۱، تاریخ بغداد، ص ۱۲، ج ۲)

☆......ایک دفعہ آپ کو بحالت نماز سولہ دفعہ زنبور (بھڑ) نے کاٹا لیکن نماز اس لیے نہیں توڑی کہ سورت کے اختتام سے پہلے نماز کا توڑنا لازم آئے گا۔ (ایضا)

☆......آپ کی جائیداد کی ماہانہ آمدنی پانچ سو درہم تھی لیکن وہ طلبا فقرا پر اس نیت سے خرچ کر ڈالتے تھے کہ ان کو حدیث کی رغبت پیدا ہو جائے۔

☆......جب آپ نے بخارا کے متصل ایک رباط کی تعمیر شروع کر دی تو لوگوں کے ساتھ یہ بھی اینٹیں لانے میں شریک رہے۔

☆......ایک مرتبہ امام بخاری طلب حدیث کے لیے کسی محدث کے پاس گئے دیکھا کہ ان کا گھوڑا ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ نکلا تو محدث نے اس کو اپنی چادر کا پلہ اس طرح دکھلایا جیسے اس میں دانہ ہے۔ چنانچہ گھوڑا یہ دیکھ کر واپس آ گیا اور محدث نے اس کو آسانی سے پکڑ لیا۔ امام بخاری نے یہ تماشا دیکھ کر محدث سے پوچھا کہ کیا آپ کی چادر کے پلہ میں دانہ تھا؟ محدث نے کہا نہیں بلکہ اس تدبیر سے گھوڑے کو واپس کرنا تھا۔ امام بخاری نے فرمایا کہ اس شخص سے حدیث نہیں لے سکتا جو چوپایوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ (نزہتہ المجالس)

☆......امام بخاری کو وراثت میں کافی مال ملا تھا، جسے انہوں نے بطور مضاربت کسی کو دیا تھا اور ایک مضارب پچیس ہزار درہم لے کر دوسرے شہر میں آباد ہو گیا تھا۔ جب لوگوں نے امام سے کہا کہ آپ مقامی حکام کی سفارش سے مال واپس لیں، امامؒ نے فرمایا کہ اگر آج میں حکام کی سفارش سے مال حاصل کر لوں تو کل یہ لوگ میرے دین میں دخل اندازی کریں گے۔ (طبقات السبکی، سیر اعلام النبلاء)

☆......محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ امام نے فرمایا کہ میں طلب حدیث کے لیے آدم بن ابی ایاس کے پاس گیا اور خرچ ختم ہو گیا اور میں نے مجبوراً گھاس اور پتے کھائے۔

☆......عمر بن حفص الاشقر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام بخاری کئی دن تک درس میں نہیں آئے۔ تفتیش کرنے سے معلوم ہوا کہ خرچ ختم ہو گیا اور استعمال کے

کپڑے فروخت کرنے کی نوبت آئی۔اس لیے درس میں نہیں آسکے۔

☆......خود امام نے فرمایا کہ میں نے دومرتبہ اپنے رب سے دعا مانگی جو فوراً قبول ہوگئی۔اس کے بعد خیال آیا کہ کہیں میرے اعمال کی جزا دنیا ہی میں نہ مل رہی ہو۔اس لیے میں اس کے بعد سے دنیاوی چیز مانگنا چھوڑ دیا۔(سیر اعلام النبلاء)

☆......امام بخاری کو زمانہ طالب علمی میں ایک مرتبہ دریا کا سفر پیش آیا۔امام صاحب کے پاس ایک ہزار اشرفیاں تھیں۔دورانِ سفر ایک شخص حسنِ عقیدت سے پیش آیا اور راہ رسم قائم کرلی۔امام صاحب نے اپنی اشرفیوں کا ذکر کردیا۔ایک صبح ہی اس شخص نے شور وغل مچانا شروع کردیا۔لوگوں نے متعجب ہوکر اس شخص کی آہ و بکا کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا میرے پاس ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی تھی آج وہ میرے سامان میں نہیں ہے۔تفتیش کے لیے جہاز والوں کی تلاشی شروع ہوگئی۔امام نے یہ دیکھ کر تھیلی سمندر میں پھینک دی،امام کی تلاشی لی گئی جب کسی مسافر کے پاس سے وہ تھیلی نہ نکلی تو لوگوں نے اس شخص کو اس حرکت پر شرمندہ کیا۔جب سفر ختم ہوگیا جہاز والے سب اتر گئے تو تنہائی میں وہ شخص امام صاحب سے ملا اور اشرفیوں کے بارے میں پوچھا،آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے سمندر میں پھینک دیا تھا اس لیے کہ میری پوری زندگی حضور ﷺ کی احادیث کی تدوین وترتیب میں گزر رہی ہے۔اب میری ثقاہت،دیانت ضرب المثل بن گئی تو اس نعمت عظمیٰ کو چوری کا شبہ اپنے اوپر لے کر کیسے لٹادوں۔(امدادالباری،فضل الباری)

☆......علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ امام صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کی دولت بھی عطا فرمائی تھی،انہوں نے اپنے والد سے ترکہ میں بہت سا مال پایا تھا،اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہتے تھے۔(فیھا حب حفظ،للناظر،ص۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قوت حافظہ

کسی شخص کے حافظے کا قوی ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت

ہے، محدثین کرام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس نعمت سے خوب نوازا تھا، امام بخاری چونکہ محدثین کے امام تھے اس لیے اللہ نے اس نعمت کا وافر حصہ ان کو عنایت کیا تھا۔

تاریخ وتراجم کی متعدد کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قوت حافظہ پر دلالت کرتا ہے، ابن عدی نے اس کو متعدد مشائخ سے نقل کیا ہے: کہ ایک مرتبہ امام بخاری بغداد تشریف لائے جب وہاں کے محدثین کو علم ہوا تو امام بخاری کے امتحان کے لیے سو احادیث منتخب کیں جن کے مستون واسانید کو تبدیل کیا اور دس دس احادیث ایک ایک آدمی کے حوالے کیں تاکہ سوال کرنے والے کئی آدمی ہوں جس سے سازش کا اندازہ ہو سکے۔ جب امام بخاری مجلس درس میں بیٹھ گئے تو ان میں سے ایک آدمی اُٹھا اور ایک متن کے ساتھ دوسری حدیث کی سند کو ملا کر پوچھا کہ اس حدیث کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا اس طرح دس روایتوں کے متعلق سوال کیا اور پھر باقی نو آدمیوں نے بھی علی الترتیب اس طرح سوالات کیے آپ ہر دفعہ **لا اعرفه** سے جواب دیتے سمجھدار لوگ تو سمجھ گئے کہ بخاری کو اندازہ ہو گیا اور حقیقت حال سمجھ گئے ہیں البتہ ناواقف لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید امام بخاری کو ان احادیث کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہے جب لوگ سوال کرنے سے فارغ ہو گئے تو آپ پہلے نمبر پر سوال کرنے والے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تو نے پہلی حدیث کے متعلق جو پوچھا تھا تو اصل حدیث یہ ہے اور اس کی سند یہ ہے۔ دوسری سند کا اصل متن یہ ہے اسی طرح سوالوں کی ترتیب کے مطابق اس کے جوابات دیئے اور پھر دوسرے کے سوالوں کی ترتیب کے مطابق اس کے جوابات دیئے یہاں تک کہ سب کے سوالوں کی ترتیب کے مطابق ان کے سوالوں کے جوابات عنایت فرمائے۔ اہل مجلس اس غضب کا حافظہ دیکھ کر دنگ رہ گئے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ مجھے صحیح جوابات دینے پر اتنا تعجب نہیں کیونکہ بخاری حفاظ حدیث میں سے تھے بلکہ تعجب اس پر ہے کہ ان کے غلط سوالوں کو بھی یاد رکھا اور اُسی ترتیب سے اس

کے جوابات دیئے جبکہ سوالات کرنے والوں نے صرف ایک دفعہ اپنے سوالات دہرائے تھے۔ (تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۲۰، وفیات الاعیان، ج ۴، ص ۱۹۰، تھذیب الکمال، ص ۱۶۸، و طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۲ ص ۲۱۸، سیر اعلام النبلاء، ص ۴۰۴، ج ۱۲، ومقدمہ الفتح، ص ۴۸۲، وص ۴۸۷)

☆......امام ابوبکر الکوذانی سے منقول ہے کہ امام بخاری جب ایک دفعہ کسی کتاب کو دیکھ لیتے تو پھر اس کتاب کی سب احادیث ان کو یاد ہو جاتی تھیں۔

(سیر اعلام النبلاء، ص ۴۱۶، ج ۳)

☆......امام بخاری سے منقول ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں۔ (طبقات الحنابلۃ، ج ۱، ص ۲۷۵، وتاریخ بغداد، ج ۲، ص ۲۵، وتھذیب الاسماء و اللغات، ج ۱، ص ۶۸، وتھذیب الکمال وطبقات الشافعیۃ، ج ۲، ص ۲۱۸، ومقدمۃ الفتح، ص ۴۸۸)

☆......ایک اور روایت میں ان سے منقول ہے کہ میں نے ایک رات غور کرنا شروع کیا کہ میری کتابوں میں کتنی احادیث ہیں تو اندازہ ہوا کہ تقریباً دو لاکھ احادیث میری تصانیف میں موجود ہیں۔ (سیر اعلام، ص ۴۱۲)

☆......ایک قول ان سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ میں ایک مجلس میں صرف نماز کے متعلق دس ہزار احادیث سنا سکتا ہوں۔ (ایضاً ص ۴۱۲)

☆......ایک مرتبہ امام بخاری بصرہ تشریف لائے جب جامع مسجد میں نماز پڑھ چکے تو اہل بصرہ نے مجلس حدیث قائم کرنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں شہر والوں کی وہ حدیثیں سناؤں گا جو تمہارے پاس موجود نہیں ہوں گی۔ پھر احادیث سنانی شروع کیں اور ہر حدیث کی سند پڑھ کر وضاحت کرتے کہ تمہارے پاس یہ حدیث فلاں راوی سے ہے اور میں تمہارے شہر کے فلاں سے اس کو نقل کرتا ہوں۔ (تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۱۶، وسیر، ج ۱۲، ص ۴۰۹)

☆......فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بلخ گیا وہاں کے محدثین نے مجھ سے حدیث کی املاء کی خواہش کی میں نے اپنے ایک ہزار اساتذہ سے ایک ہزار حدیثیں ان کو املاء کرائیں، حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ بخاری کے

ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو قریباً دو کروڑ احادیث یاد تھیں۔ (مقدمہ، ص ۴۸۷)

☆...... حاشد بن اسماعیل سے منقول ہے کہ زمانہ طالبِ علمی میں جب ہم شیوخ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو باقی لوگ تو ان کی احادیث کو لکھا کرتے تھے لیکن امام بخاری صرف روایات سننے پر اکتفا کرتے تھے لکھتے نہیں تھے جب ساتھیوں نے ملامت کرنا شروع کیا کہ تم بے کار اپنا وقت ضائع کرتے ہو تو تنگ آکر فرمایا کہ تم لوگوں نے جو حدیثیں لکھی ہیں وہ کتنی ہیں جب تعداد بتائی گئی تو آپ نے ان سب کو اپنے حفظ سے پڑھنا شروع کیا اور سب سُنا دیں یہاں تک کہ ساتھیوں نے اپنی کتابوں کی تصحیح آپ کے حافظے سے کی۔ (مقدمہ، ص ۴۸۶)

☆...... انسائیکلو پیڈیا کے مصنفین نے بھی امام بخاری کے کمال حفظ کے متعلق لکھا ہے کہ امام بخاری کا حافظہ واستحضار اس غضب کا تھا کہ معاصرین ائمہ تک کو وہ ایک کرامت نظر آتا تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ص ۵۷۷، ج ۴)

☆...... سلیم بن مجاہد فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے جن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین سے روایت کی ہے ان میں سے اکثر کی تاریخ ولادت و وفات، مسکن و وطن کے متعلق مجھے معلومات حاصل ہیں نیز فرمایا کہ میں تعلیم حدیث کے لیے اس وقت بیٹھا جبکہ میں نے صحیح وسقیم حدیث میں بخوبی تمیز کر لی۔

☆...... سلیمان بن مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں محمد بن مسلمہ کے پاس گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر تم کچھ پہلے آتے تو میں تمہیں ایک ایسا بچہ دکھاتا جس کو ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ اتفاق سے اسی روز امام بخاری سے ان کی ملاقات ہوگئی اور پوچھا کہ کیا تمہیں ستر ہزار حدیثیں حفظ ہیں؟ جواب دیا مجھے اس سے بھی زیادہ مرویات حفظ ہیں۔

☆...... حاشد بن اسماعیل (جو آپ کے زمانہ کے محدث ہیں) کہتے ہیں کہ امام بخاری طلب حدیث کے لیے میرے ہمراہ شیوخ کے پاس جایا کرتے تھے لیکن ان کے پاس قلم و دوات نہ ہوتے تھے تو میں نے کہا کہ بھائی جب لکھتے ہی نہیں تو

خواہ مخواہ آمد و رفت کا کیا فائدہ؟ سولہ دن کے بعد امام بخاری نے مجھ سے کہا کہ آپ لوگوں نے بہت تنگ کر دیا آؤ اب میری یادداشت کا اپنے نوشتوں سے مقابلہ کرلو۔ اسی مدت میں ہم نے پندرہ ہزار حدیثیں لکھی تھیں۔ امام بخاری نے تمام حدیثیں صحیح صحیح مع السند سنادیں۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں۔

☆......ایک مرتبہ اسحاق بن راہویہ نے جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہوئے ایک حدیث کی سند میں غلطی کرلی۔ امام بخاری نے سن کر انہیں روک دیا اور انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کرلی۔

☆......جب امام بخاری بصرہ تشریف لے گئے تو وہاں کے محدثین وفقہاء کی درخواست پر آپ نے ان کو بصری راویوں کی حدیث سنائی۔ ان کو پہلے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ کوئی بصری راوی بھی ہے۔

☆......احمد بن حمدول کہتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ میں دیکھا کہ محمد بن یحییٰ ذہلی، امام بخاری سے اسماء الرجال وعلل الحدیث کے متعلق سوالات کر رہے ہیں اور امام بخاری ان کے جواب دے رہے ہیں۔

☆......محمد بن ازہر بجستانی کہتے ہیں کہ میں امام بخاری کے ساتھ سلیمان بن حرب کی خدمت میں سماعِ حدیث کے لیے حاضر ہوتا تھا۔ میں احادیث لکھتا تھا اور امام بخاری نہیں لکھتے تھے کسی نے مجھ سے کہا: بخاری احادیث کو نوٹ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: تم سے کوئی حدیث اگر لکھنے سے رہ جائے تو بخاری کے حافظہ سے لکھ لینا۔

☆......محمد بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک دن ہم فریابی کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ فریابی نے ایک حدیث کی سند بیان کرتے ہوئے کہا:

"حدثنا سفیان عن ابی عروۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزۃ"

اس سند میں سفیان کے علاوہ باقی تمام راویوں کی کنیت ذکر کی گئی تھی، فریابی

نے ان راویوں کے اصل نام پوچھے تمام مجلس پر سکتہ چھا گیا اور کسی کو بھی ان کے ناموں کا پتہ نہ چل سکا بالآخر سب کی نظریں امام بخاری کی طرف اٹھیں اور انہوں نے کہنا شروع کیا: ابوعروہ کا نام معمر بن راشد ہے اور ابوالخطاب کا نام قتادہ بن دعامہ ہے اور ابو حمزہ کا نام انس بن مالک ہے جیسے ہی امام بخاری نے یہ اسماء بیان کیے تمام حاضرین مجلس دم بخود رہ گئے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی، المتوفی ۸۵۲ھ، ہدی الساری ج ۲، ص ۲۵۱)

☆......امام بخاری کی قوتِ حفظ بیان کرنے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ جس کتاب کو وہ ایک نظر دیکھ لیتے تھے وہ انہیں حفظ ہو جاتی تھی۔ تحصیل علم کے ابتدائی دور میں انہیں ستر ہزار احادیث حفظ تھیں اور بعد میں جا کر یہ عدد تین لاکھ تک پہنچ گیا، جن میں سے ایک لاکھ احادیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح تھیں۔ ایک مرتبہ ''بلخ'' گئے تو وہاں کے لوگوں نے فرمائش کی آپ اپنے شیوخ سے ایک ایک روایت بیان کریں تو آپ نے ایک ہزار شیوخ سے ایک ہزار احادیث زبانی بیان کر دیں۔

☆......رائے و تدبیر، عقل و فراست، ذہانت و طباعی امام بخاری کے وہ مشہور اوصاف ہیں جن کو موافق و مخالف سبھی نے تسلیم کیا ہے۔ امام ابن سعید کہا کرتے تھے میں نے مدتوں علماء کی خوشہ چینی کی ہے لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا محمد بن اسماعیل جیسا جامع شخص نہیں دیکھا امام بخاری دین و دانش اور فہم و فراست میں اپنے زمانہ کے عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ (ھدی الساری، ص ۴۸۲)

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، امام صاحب نے کتاب الھبہ میں پانچ سو احادیث کو جمع کیا ہے جب کہ امام وکیع اور عبداللہ بن مبارک کی کتب میں اس مسئلہ پر بالترتیب دو تین اور پانچ چھ سے زیادہ روایات نہیں ہیں۔ اتنے قوی حافظہ کو دیکھتے ہی حافظ احمد بن حمدون نے کہا ہے کہ ایک جنازہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی نے امام صاحب سے اسماء و علل کے متعلق متعدد سوالات کئے اور جوابات دیتے وقت امام صاحب کی کیفیت یہ تھی کہ

"یمر فیه مثل السهم کانه یقرأ قل هوا اللّٰه احد" (ایضاً، ص ۴۸۸)

یعنی اتنی روانی اور اعتماد سے جواب دیا جیسے کہ آپ سورۃ اخلاص پڑھ رہے ہوں۔

چنانچہ اسی طرح متعدد ایسے واقعات آپ کی زندگی میں پیش آئے جن کو دیکھ کر عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں اور بالآخر یہ کہے بغیر اور کوئی راہ نظر نہیں آتی کہ:

''ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء''

علوم القرآن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ومرتبہ

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا اور کہا گیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کو صحیح قرار دیا ہے، امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: محمد بن اسماعیل مجھ سے زیادہ صاحبِ نظر ہیں، وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عقلمند ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے رسول ﷺ کی زبان مبارک کے ذریعہ جن اوامر ونواہی کو بیان فرمایا ہے ان کو قرآنی مآخذ سے سمجھا، انہوں نے قرآن پڑھا تو قلب ونگاہ اور کان سب کو اس میں مشغول کردیا، اس کی مثالوں کے بارے میں خوب تفکر وتدبر کیا اور حلال وحرام کا علم حاصل کیا۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۔ ۴۸۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کاتب محمد بن ابوحاتم فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے کسی ایسی چیز کا علم نہیں ہے جس کی ضرورت ہو اور وہ قرآن وسنت میں موجود نہ ہو۔

فرماتے ہیں: میں نے دریافت کیا کہ کیا اس کو جاننا ممکن ہے؟ فرمایا: ہاں۔ کتاب اللہ کے بارے میں تدبر وتفکر کرنے، اس کی آیات کے مدلولات ومحامل کو سمجھنے اور اس کی گہرائیوں اور پہنائیوں کا ادراک کرنے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اس کی سب سے واضح دلیل وہ آیات کریمہ ہیں جو صحیح بخاری کے تراجم ابواب میں پھیلی ہوئی ہیں، جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے معانی مستنبط کئے ہیں اور بہت سے نکات اور باریکیوں کی جانب اشارہ فرمایا ہے، جو

بھی صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کا غور وفکر اور باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کرے گا اس کے سامنے یہ بات خود بخود منکشف ہو جائے گی۔

فضائلِ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

☆......امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ما اخرجت خراسان مثل محمد بن اسماعیل"

☆......اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ:

"یا معشر اصحاب الحدیث انظروا الی ھذا الشباب و اکتبوا عنه فانه لو کان فی زمن الحسن البصری رحمة الله علیه لا حتاج الیه لمعرفته الحدیث و فقهه"

☆......حضرت فلاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"کل حدیث لا یعرفه الامام البخاری رحمة الله تعالیٰ فلیس بحدیث"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نقد وجرح کے سلسلے میں احتیاط سے کام لیتے ہیں خود فرماتے ہیں۔

"اذا قلت فلا ن فی حدیثه نظر ، فهو متهم واه ، و کل من قلت فیه : منکر الحدیث فلا تحل الروایة عنه"

☆......ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ما رایت تحت ادیم السماء اعلم بالحدیث من محمد اسماعیل البخاری رحمة الله تعالیٰ"

☆......علامہ عبداللہ بن حماد رملی کا کہنا ہے میری تمنا ہے کہ میں امام بخاری کے جسم اطہر کا ایک بال ہوتا۔

☆......امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسانید اور علل کی معرفت میں

تمام لوگ امام بخاری کے سامنے طفل مکتب ہیں۔ ایک مرتبہ امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ایک حدیث بیان کی "حدثنا سفیان عن ابی عروہ، عن ابی الخطاب، عن ابی حمزہ" اس کی تشریح کرتے ہوئے امام بخاری نے فرمایا:

"ابو عروہ ھو معمر بن راشد و ابو الخطاب ھو قتادہ بن دعامہ سدوسی و ابو حمزہ ھو انس بن مالک"۔

☆...... علامہ یحییٰ بن جعفر بیکندی نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی عمر ہبہ کرنے کی اجازت فرمائے تو میں اپنی نصف عمر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کر دوں۔ کیونکہ امام بخاری کی وفات جملہ کائنات کی موت ہے اور میری موت ایک عام انسان کی موت کی طرح ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب درس میں آ جاتے ہیں۔ تو مجھے حدیث بیان کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

☆...... امام دارمی فرماتے ہیں کہ حجاز، شام، عراق اور حرمین کے محدثین و فقہا سے میری ملاقات ہوئی۔ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام بخاری علم وفضل، فقاہت و روایت اور حصول علم حدیث کے جذبہ وشوق میں ہم سب کے امام ہیں۔

☆...... محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں امام بخاری کو حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے قدم بقدم چلتے ہوئے دیکھا۔

☆...... خطیب بغدادی محمد بن یوسف فربری سے روایت کرتے ہیں۔ محمد بن یوسف فربری فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے جواب دیا محمد بن اسماعیل کے پاس جانے کا ارادہ ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا میری طرف سے سلام سنا دینا۔

☆...... حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"لو کان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من فارس او

قال من ابناء فارسی"

محققین کے مطابق امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے اولین مصداق ہیں۔ حضور ﷺ نے آیت "وآخرین منھم لما یلحقوا بھم" کی تشریح کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ "لو کان الایمان عند الثریا لنا له رجال من ھولاء" (بخاری)، اس کے اولین مصداق بھی امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔

سیرت وزہد

آپ کے والد ماجد بہت بڑے زاہد و عابد شخص تھے تو ایسے باپ کے بیٹے کی سیرت کا اندازہ با آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ جس باپ نے مرتے دم کہا تھا کہ:

" انه لا یعلم فی ماله حراما و لا شبهة" (ہدیۃ الساری ص ۴۷۷)

"یعنی میرا مال حرام اور شبہات سے پاکیزہ ہے"

تو امام بخاری جیسا انسان جب ایسے باپ کے اتنے پاکیزہ مال کی تجارت کرتا ہوگا تو یقیناً ذہن اس طرف مبادرت نہیں کر سکتا کہ آپ کسی قسم کے ہیر پھیر سے کام لیتے ہوں گے۔ چنانچہ ابو سعید بکر بن منیر ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ امام صاحب کے ہاں ان کا مال تجارت پہنچا۔ خریداروں میں سے کسی انسان نے آکر پانچ ہزار (۵۰۰۰) درہم کے منافع پر امام صاحب سے گفتگو کی۔ گو اس سے امام صاحب کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ البتہ امام صاحب کی نیت میں میلان پیدا ہو چکا تھا۔ لہٰذا جب کسی دوسرے تاجر نے آکر آپ سے دس ہزار درہم کے منافع پر بات چیت کی تو آپ نے بات کرنے سے انکار کر دیا اور مال کو پہلے تاجر کے سپرد کرتے ہوئے فرمانے لگے:

" لا احب ان انقض نیتی" (ہدیۃ الساری ص ۴۸۰، تاریخ بغداد ص ۱۱ ج ۲)

میں اپنی نیت کو توڑنا پسند نہیں کرتا۔

یعنی اس قدر زہد وتقویٰ تھا کہ اپنے والد کی روایات کے صحیح امین تھے اور ایسی ہی سیرت کی وجہ سے آپ مسندِ رسول ﷺ کے صحیح جانشین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تجارت میں زیادتی وکمی سے بچنے کے لیے خود خرید وفروخت میں دلچسپی نہ لیتے تھے بلکہ کسی دوسرے انسان کو اس کام پہ مامور فرماتے۔

خودداری

امام صاحب کی مقدس زندگی میں بعض ایسی شائستہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جن سے بڑے بڑے نامور لوگوں کا اخلاقی دامن خالی ہے ان کی طبیعت انتہا درجہ غیور اور حد درجہ خوددار وزندہ ضمیر تھے اور کسی کے سامنے جھکنا برداشت نہ کرتے تھے۔ اور یہی صفت عظیمہ آپ کی جلاوطنی کا سبب بنی۔ ہوا یوں کہ جب امام صاحب کا علمی دبدبہ اکناف واطراف میں پھیل گیا تو امیر بخارا کو خواہش پیدا ہوئی کہ ایسے عظیم محدث سے اپنی نرینہ اولاد کو خصوصی تعلیم کیوں نہ دلوالوں۔ چنانچہ امیر بخارا نے درخواست کی کہ آپ قصرِ شاہی میں آکر شہزادوں کو تعلیم دیں اور صحیح بخاری وتاریخ کبیر سنائیں، لیکن امام صاحب نے اس کی بات کو یہ کہتے ہوئے ردّ کردیا۔

" انا لا اذل العلم و لا احمله الی ابواب الناس ، فان کانت لک الی شئی منه حاجة فاحضر نی فی مسجدی اوفی داری". (ہدیہ الساری ص ۴۹۳، تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۳۳)

"یعنی میں علم کو در در پہ لے جا کر ذلیل نہیں کروں گا، اگر کسی کو اپنی علمی تشنگی بجھانا ہو یا کوئی حاجت ہو تو مسجد (درس گاہ) میں آئے یا میرے گھر پر حاضری دے"۔

امیر بخارا کو یہ استغنا ناگوار گزرا اور حکم دے دیا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ چنانچہ امام صاحب نے اپنے وطن سے نکلنا منظور کرلیا مگر علم کی ذلّت گوارا نہ کی۔ خودداری کا خیال اس درجہ کا تھا کہ آپ نے خود فرمایا کہ:

" ما استصغرت نفسی عند احدا لا عند علی ابن

المدینی " (ہدیۃ الساری، ص۴۸۳، تاریخ بغداد، ص۱۷، ج۲)

''یعنی میں نے علی بن مدینی کے علاوہ کسی کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا تصور نہ کیا''

امام صاحب اس بات کو کسی قیمت پر بھی تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتے جس سے دین حنیف پر آنچ آئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ سب سے زیادہ جس بات سے گریزاں رہتے تھے وہ امراء اور سلاطین کے ہاں آمد ورفت تھی۔ اس بات سے امام صاحب کو اس قدر نفرت تھی کہ آپ کی فطرۃ ثانیہ بن چکی تھی، اور آپ کا ضمیر اس بات کو کبھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا، چنانچہ ایک مرتبہ امام صاحب نے اپنا مال کسی کو مضاربت پر دیا لیکن عامل نے ۲۵ ہزار درہم کو خیانتاً ہضم کرلیا۔ جب امام صاحب کو حکومت کے کارندوں سے استدعا کرنے کے لیے کہا گیا تو امام صاحب نے یہ فرما کر:

" لن ابیع دینی بدنیائی "

(میں نے اپنے دین کو دنیا کے بدلے خراب نہیں کرنا چاہتا)

حکومت سے فیصلہ لینے سے انکار کردیا اور عامل سے دس درہم ماہانہ پر مصالحت کرلی۔ (مقدمہ فتح الباری، ص۴۷)

ورزش

ورزش چونکہ صحت انسانی کے لیے لابدی امر ہے چنانچہ امام صاحب بھی اپنی جسمانی درمیانی قد و قامت کے اعتبار سے خوب ورزش کیا کرتے تھے۔ بالخصوص شاہسواری اور تیراندازی کا اس قدر شوق تھا کہ وراق کہتے ہیں:

" فما اعلم انی رایتہ فی طول ما صحبتہ اخطا سھمہ الھدف الامرتین بل کان یصیب فی کل ذالک ولا یسبق" (ھدی الساری، ص۴۸۰)

''یعنی میں نے مدت تک امام صاحب کے ساتھ رہ کر اس بات

کا مشاہدہ کیا ہے، آپ کا تیر کبھی خطا نہیں گیا مگر دو مرتبہ"

گویا کہ آپ کو تیر اندازی میں اس قدر تمرین اور ممارست حاصل تھی کہ تیر وہیں گرتا جہاں نشانہ لگاتے اور کبھی بھی تیر ضائع نہ جاتا۔

صفائی

صفائی کو چونکہ حضور علیہ السلام ''نصف الایمان'' سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا امام صاحب صفائی کا بھی خاطر خواہ خیال رکھتے تھے، اور یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ آپ اپنی صفائی پہ مساجد وغیرہ کی صفائی کو ترجیح دیتے تھے جو کہ ایک ولی اللہ کے عین شایان شان ہے۔ امام صاحب کوئی دنیادار آدمی تو نہ تھے، ان کی زندگی سیدھی سادھی اور خالص علمی تھی اور صفائی کا اس حد تک خیال رکھتے تھے کہ فرش پر ایک تنکے کا پڑا رہنا بھی برداشت نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اثنائے درس ایک شخص نے آپ کی داڑھی سے تنکا نکال کر وہیں مسجد میں پھینک دیا۔ امام صاحب نے اس تنکا کو آنکھ چُرا کر اُٹھایا اور مسجد کے باہر پھینک دیا۔ اور راوی کے الفاظ ہیں۔

"فکانه صان المسجد عما تصان عنه لحیته".

(تاریخ بغداد ص ۱۳، ج ۲)

یعنی جس چیز سے اپنی داڑھی کو محفوظ رکھا اس کو مسجد میں بھی برداشت نہ کیا۔

رحم دلی

عبادت کے ساتھ جن صفات عالیہ کا ہونا ضروری اور لازم ہوتا ہے، ان میں چونکہ ایک رحمدلی کا ہونا بھی ہے، لہٰذا امام صاحب اس دولت سے بھی نہایت مالا مال تھے، چنانچہ گھر میں ایک مرتبہ لونڈی کے پاؤں پھسل جانے پر آپ نے اسے صرف اتنا ہی کہا کہ ''کیف تمشین'' کیسے چل رہی ہو، ان تنبیہی کلمات کا اثر امام صاحب کے دل پر اس قدر ہوا کہ فوراً لونڈی کو آزاد کر دیا۔ یعنی آپ رقت قلبی کی وجہ سے ان الفاظ کو

اپنی شان میں سے نہ سمجھتے تھے۔

ادب

یہ صفت بھی ایسی ہے جس سے مزین ہوئے بغیر آدمی اس بلند و بالا مقام پر نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا امام صاحب میں یہ خوبی بھی کمال درجہ تک پائی جاتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ امام صاحب نے ابومعشر ضریر رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن مجید پڑھتے سنا چونکہ وہ اندھے تھے لہٰذا انہوں نے قرآن کی تلاوت کے وقت اندھوں کی سی حرکات کیں تو امام صاحب مسکرائے۔ اس مسکرانے کو بھی امام صاحب نے خلافِ ادب اور غیر مناسب سمجھتے ہوئے ابومعشر ضریر سے معذرت چاہی۔ (تاریخ بغداد)

بے تکلفی

امام صاحب کی زندگی بالکل پرتکلف نہ تھی بلکہ آپ سیدھی سادھی اور سادہ زندگی گزارنے کے عادی تھے اور حکم رسول ﷺ کے مطابق ہر کام اپنے ہاتھوں سر انجام دیتے اور کبھی کسی دوسرے کو تکلیف دینا گوارہ نہ فرماتے۔

چنانچہ محمد بن ابی حاتم وراق بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ امام صاحب کے ساتھ رات گزارنے کا موقع ملا تو میں نے دیکھا کہ امام صاحب پندرہ (١٥)، بیس (٢٠) بار اٹھتے چراغ جلاتے اور کتب احادیث نکال کر ضروری احادیث کی نشاندہی فرمالیتے۔ بالآخر میں نے کہا حضور! چراغ جلانے اور احادیث کا ذخیرہ اٹھا لانے کا موقعہ مجھے کیوں نہیں دیتے تو برجستہ طور پر فرمایا۔

"انت شاب فلا احب ان افسدک علیک نومک"

(البدایہ، ص ٢٥، ج ١١)

یعنی آپ نوجوان ہیں اور میں آپ کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا۔

وراق امام بخاری کے کاتب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں آدم ابن ابی ایاس کے پاس جانے میں زادراہ ختم ہوگیا تو کئی روز گھاس کی پتیاں کھا

کر گزارا کرتے رہے اور حسب مروت کسی کو خبر تک نہ دی حتی کہ ایک اللہ والے نے خود ہی آکر کچھ دینار پیش کئے جن کو امام صاحب نے قبول فرمایا اور معلوم نہیں وہ صاحب کون تھے۔ (ہدیۃ الساری، ص ۴۸۰)

حقیقت امر یہ ہے کہ جو شخص احادیث رسول اللہ ﷺ کی دھن میں۔

"یوما بخزوی و یوما بالعقیق"

کی چلتی پھرتی تصویر ہو اس کو کھانے پینے کے تکلفات زندگی سے کیا نسبت، کبھی جبال خراسان میں دکھائی دے رہا ہے تو کبھی کوہ لبنان پر مقیم ہے کبھی بصرہ کا سفر درپیش ہے۔ تو کبھی کوفہ میں درس دیتا ہوا نظر آرہا ہے کبھی مسجد نبوی ﷺ میں بین المحراب والمنبر صحیح احادیث کا مجموعہ تیار کر رہا ہے۔ (تاریخ بغداد، ص ۱۱، ج ۲)

تو کبھی کسی شیخ کے پاس جانے میں خرچ ختم ہوا تو بھوک کو جنگل کی پتیوں سے دفع کرتا ہے اور تین روز متواتر گھاس پات پر گزارہ کر کے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے قدم بقدم چلنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ کبھی مجلس میں کئی روز تک حاضر نہیں ہوتے تو معلوم کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ تمام کپڑے فروخت ہو چکے اور حیا نے دامن پکڑ رکھا ہے اس لیے کمرہ سے باہر نکلنا گوارا نہیں۔ (تاریخ بغداد، ص ۱۳، ج ۲)

اور کبھی مسافر خانہ کی تیاری میں معمار کے آگے اینٹیں اور گارہ پہنچانے میں مشغول ہیں جب منع کیا جاتا ہے تو

"ھذ الذی ینفعنی"

کا قلندرانہ جواب دے کر پھر کام میں مشغول ہو جاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کو پورا کرنے کا شوق دل میں جوش زن ہے جو آپ نے مسجد نبوی کی تیاری غزوہ احزاب وغیرہ میں ادا فرمائی۔ (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۸۰)

غیبت سے اجتناب

امام صاحب کی طبیعت نہایت درجہ محتاط تھی چنانچہ آپ غیبت سے اس قدر

کنارہ کش رہتے کہ فرمایا:

"ما غيبت منذ علمت ان الغيبة حرام" (مقدمہ فتح الباری ص۴۸۰)

یعنی جب سے مجھے علم ہوا ہے کہ غیبت حرام ہے اس وقت سے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اُمید ہے کہ قیامت کے دن میرا کوئی خصم (مدعی) نہیں ہوگا۔ وراق کہتے ہیں کہ میں نے کہا آپ پر لوگ تاریخ کے بارے شک کرتے ہیں کہ اس میں لوگوں کی غیبت ہے اور غیبت حرام ہے تو آپ نے فرمایا تاریخ میں جو کچھ ہے متقدمین کے اقوال منقول ہیں اور "ولم نقله من عند انفسنا" یعنی ہم نے اپنی جانب سے کوئی بات نہیں کہی۔ (ھدی الساری ص۴۸۰)

احترامِ حدیث

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو رسول کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کا اتنا احترام تھا کہ حدیث کو لکھنے سے پہلے غسل کرتے اور پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

" ما وضعت فی کتاب الصحیح حدیث الااغتسلت قبل ذالک وصلیت رکعتین" (ہدیہ الساری ص۴۸۹)

ترجمہ: میں نے "کتاب صحیح" میں کوئی بھی حدیث نہیں رکھی (لکھی) مگر یہ کہ اُس (حدیث) کے لکھنے سے پہلے غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔

سادگی اور قناعت وانکساری

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے بہت سادہ اور جفاکش تھے اپنی ضرورت کے تمام کام خود کرلیا کرتے تھے۔ مال و دولت اور جاہ مرتبت کے باوجود کبھی خدام اور غلاموں کا حشم قائم نہیں رکھا۔ محمد بن حاتم وراق آپ

کے خصوصی شاگرد تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری بخارا کے قریب سرائے بنا رہے تھے اور اپنے ہاتھوں سے اٹھا اٹھا کر دیوار میں اینٹیں لگا رہے تھے میں نے آگے بڑھ کر کہا: آپ رہنے دیجیے، یہ اینٹیں میں لگا دیتا ہوں آپ نے فرمایا: قیامت کے دن یہ عمل مجھے نفع دے گا۔

وراق کہتے ہیں کہ جب ہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کسی سفر میں جاتے تو آپ سب کو ایک کمرہ میں جمع کر دیا کرتے اور خود علیحدہ رہتے۔ ایک بار میں نے دیکھا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ رات کو پندرہ بیس مرتبہ اٹھے اور ہر مرتبہ خود اپنے ہاتھ سے آگ جلا کر چراغ روشن کیا، کچھ احادیث نکالیں، ان پر نشانات لگائے پھر تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ میں نے عرض کی: آپ نے رات کو اٹھ کر تنہا مشقت برداشت کی مجھے اٹھا لیتے، فرمایا: تم جوان ہو اور گہری نیند سوتے ہو میں تمہاری نیند خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بھر کبھی اس امر کی کوشش نہیں کی کہ عام علماء کی طرح کسی امیر یا بادشاہ کی فیاضی سے فائدہ اٹھائیں۔ کئی مرتبہ اس قسم کے مواقع فراہم ہوئے مگر انہوں نے وظیفہ قبول نہ کیا۔ اپنے والد محترم کی وراثت میں جو کچھ پایا اس پر ہی آخر عمر تک قناعت کی۔ اور اسی مال کو مضاربت کے طور پر تجارت کے لیے بھیج دیتے اور اس کی قلیل آمدنی سے ضروریات زندگی کو پورا کرتے۔

ابوالحسن یوسف بن ابوذر بخاری اس بات کے راوی ہیں کہ ایک بار امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب کسی مرض میں مبتلا ہوئے تو اطباء نے آپ کے قارورہ کو ملاحظہ کرتے ہوئے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا کہ امام صاحب نے کبھی سالن استعمال نہیں کیا۔ علاج میں جب سالن تجویز کیا گیا تو امام صاحب نے انکار کر دیا اور بعد میں بوجہ اصرار کہیں سکر وغیرہ پر رضامندی کا اظہار کیا۔ (ھدی الساری، ص ۴۸۱)

یعنی سادگی اور قناعت کا یہ عالم تھا کہ سالن وغیرہ کھانا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

زہد

لذائذ دنیاویہ اور عیش وعشرت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کوسوں دور تھے علم میں بسا اوقات انہوں نے سوکھی ہوئی گھاس کھا کر بھی وقت گزارا ہے۔ ایک دن میں عام طور پر صرف دو یا تین بادام کھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار پڑ گئے اطباء نے بتلایا کہ سوکھی روٹی کھا کھا کر ان کی انتڑیاں سوکھ چکی ہیں۔ اس وقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا کہ وہ چالیس سال سے خشک روٹی کھا رہے ہیں اور اس طویل عرصہ میں سالن کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا۔

فیاضی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جس قدر مال سے غنی تھے اس سے زیادہ ان کا دل غنی تھا۔ بعض اوقات ایک دن میں تین تین سو درہم صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ وراق کہتے ہیں: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ماہانہ آمدنی پانچ سو دراہم تھی اور یہ تمام رقم وہ طلبہ پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

تنگدستی و فاقہ مستی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام یحیٰی بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس سنہری قول کو اپنا مطمح نظر بنالیا تھا:

لا يستطاع العلم براحة الجسم. (صحیح بخاری، ج۱ص۲۲۳، کتاب الصلوٰۃ، باب اوقات الصلوٰۃ الخمس)

''جسم کو ناز ونعمت اور راحت وآسائش میں ڈال کر علم میں کمال حاصل نہیں ہوسکتا''۔

چنانچہ طلبِ علم کے زمانہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو فاقے اور تنگدستی کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ درختوں کے پتے اور گھاس کھا کر وقت گزارا۔ بعض اوقات اپنا

لباس تک فروخت کر دینے کی نوبت بھی آئی۔

وراق بخاری محمد بن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''میں جب آدم بن ابی ایاس کی خدمت میں طلبِ حدیث کی غرض سے حاضر ہوا تو نان ونفقہ ختم ہو گیا اور میں گھاس اور پتے کھا کر وقت گزارتا رہا اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ اللہ تعالیٰ نے غیبی مدد فرمائی اور تیسرے دن ایک اجنبی شخص آیا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی ان کے سپرد کر دی''۔ (ھدی الساری جدید، ص۶۷۲، قدیم، ص۴۸۰، سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۴۸)

عمر بن حفص الاشقر کا بیان ہے کہ ہم چند آدمی جو کہ ہم سبق تھے اور بصرہ میں شیخ سے احادیث لکھتے تھے، ہمارے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ ایک مرتبہ بخاری کئی دِن تک سبق میں حاضر نہ ہوئے۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کے پاس خرچ ختم ہو گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ امام صاحب کو اپنی پوشاک، لباس جو بدن پر تھے فروخت کرنے پڑے۔ ہم رفقاء نے چندہ کر کے ان کے لئے کپڑے خریدے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۴۸، تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۱۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خوراک انتہائی قلیل تھی، بعض اوقات ایک وقت کا کھانا کھایا اور تین چار بادام کھا لئے اور بس۔ اور روٹی بھی بغیر سالن کے۔ یعنی پیٹ ہی بھرنا ہے۔ اور وہ بھی اسی قدر جس سے آدمی زندہ رہے اور یہ راز بھی اس وقت منکشف ہوا جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کسی شدید مرض میں مبتلا ہو گئے۔ معالج نے مرض کی تشخیص کے لئے پیشاب پاخانہ کا معائنہ کیا تو کہنے لگا:

''یہ قارورہ کسی ایسے پادری کا معلوم ہوتا ہے جو سالن استعمال نہیں کرتا''۔

اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں نے چالیس سال سے سالن استعمال نہیں کیا''

اطباء سے اس مرض کا علاج دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: ''اس کا علاج صرف سالن کا استعمال ہے''۔ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سالن کھانے سے صراحتاً انکار فرما دیا۔ جب علماء و مشائخ نے بہت اصرار کیا تو روٹی کے ساتھ شکر استعمال کرنے پر رضامند ہو گئے۔ (ھدی الساری، ص ۴۸۱، تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۶۸)

ایثار و مروّت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود تو کئی کئی دِن فاقہ مستی میں گزار دیا کرتے تھے، لیکن دوسروں کے ساتھ احسان و مروّت انتہائی قابلِ رشک تھا۔

علامہ علی بن سلطان القاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود تو کئی کئی دِن بغیر کھائے پئے گزار دیا کرتے تھے، اور کبھی صرف دو تین بادام کھا لینا بھی ان کے لئے کافی ہوتا تھا، لیکن دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک کے معاملہ میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ امام موصوف کو پانچ سو درہم ماہوار آمدنی تھی۔ یہ خطیر رقم فقراء و مساکین اور طلبہ و محدثین پر خرچ کر دیا کرتے تھے''۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۱۵)

ایثار اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ عبداللہ بن محمد الصیارفی بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی باندی ان کے پاس سے گزری تو دوات کو ٹھوکر لگ گئی اور روشنائی گر گئی۔ امام صاحب نے باندی سے کہا کہ تم کس طرح چلتی ہو؟، باندی نے جواب دیا: ''جب راستہ نہیں ہے تو کیا کیا جائے (یعنی ہر طرف کتابیں پھیلی ہوئی تھیں)''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب سُن کر فرمایا:

اذهبی فقد اعتقتک

''جا، میں نے تجھے آزاد کر دیا''

کسی نے کہا اے عبداللہ! اس باندی نے آپ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا ہے اور آپ کو ناراض کر دیا ہے۔ لیکن آپ نے اسے آزادی کا پروانہ عطا کر دیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

فقد أرضيت نفسي بما فعلت.

(ھدی الساری جدید، ص ۶۷۲، قدیم، ص ۴۸۰)

''میں نے اس کام سے اپنے آپ کو راضی کر لیا ہے''

عبادت وریاضت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بے حد عبادت گزار اور شب بیدار تھے، کثرت سے نوافل پڑھتے اور روزے رکھتے تھے، رمضان شریف میں ہر روز ایک ''قرآن شریف'' کا ختم کرتے اور روزانہ نصف شب کو اٹھ کر ''قرآن کریم'' کے دس پاروں کی تلاوت کرتے، تراویح میں ختم قرآن کرتے اور ہر رکعت میں بیس آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

ابو بکر بن منیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ محمد بن اسماعیل نماز پڑھ رہے تھے، نماز کے بعد انہوں نے قمیض کا دامن اٹھایا اور اپنے ایک شاگرد سے کہا: ذرا دیکھنا میری قمیض کے نیچے کیا ہے؟ شاگرد نے دیکھا قمیض کے نیچے زنبور تھی جس نے ان کے بدن پر پندرہ سولہ جگہ ڈنگ لگایا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ کا بدن جگہ جگہ سے سوجھ گیا تھا۔ ابن منیر نے پوچھا: جب آپ کو زنبور نے پہلی مرتبہ کاٹا تو اس وقت آپ نے نماز کیوں نہیں توڑی؟ آپ نے فرمایا: میں ''قرآن کریم'' کی جس آیت کی تلاوت کر رہا تھا اس میں اتنا ذوق وشوق پا رہا تھا کہ میں اس وقت اس تکلیف کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ (ہدیۃ الساری، ص ۴۲۔ تاریخ بغداد، ص ۱۲ ج ۲)

امام صاحب جب نماز پڑھتے تو ایسے خشوع وخضوع سے پڑھتے گویا کہ دنیا و

مافیہا سے غافل ہو جاتے۔

مقسم بن سعد بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب رمضان المبارک کی پہلی رات کو ساتھیوں کو اکٹھا کرتے اور نماز میں قرآن مجید بایں کیفیت پڑھتے کہ ہر رکعت میں بیس آیات پڑھتے اور اسی انداز سے نماز کو جاری رکھتے، حتی کہ قرآن مجید ختم ہو جاتا۔ سحری کے وقت پھر ثلث قرآن کی تلاوت کرتے اور اس طرح ہر تیسرے دن قرآن ختم کرتے اسی طرح ہر روز صبح کے وقت قرآن مجید شروع کرتے تو بوقت افطار ختم کر دیتے۔ تلاوت قرآن بھی چونکہ ایک بہترین عبادت ہے اس وجہ سے باکثر تلاوت کرتے اور فرماتے کہ ''ختم قرآن کے وقت جو دعا کی جائے وہ مقبول ہوا کرتی ہے''۔ (البدایہ، ص ۲۶، ج ۱۱)

شوق عبادت

یوں تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی عبادت گزاری کے لئے یہی وصف کیا کم ہے کہ آپ کا ہر کام حضور اکرم ﷺ کی اتباع و پیروی میں ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ آپ کا ہمیشہ سے معمول تھا کہ آخر شب میں تیرہ رکعتیں ادا فرماتے تھے، ماہِ رمضان المبارک میں اس کی رفتار فزوں تر ہو جاتی تھی، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ امام حاکم رحمہ اللہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

> کان محمد بن اسماعیل البخاری اذا کان اول لیلة من شهر رمضان یجتمع الیه اصحابه فیصلی بهم و یقرأ فی کل رکعة عشرین آیة و کذالک الی ان یختم القرآن و کان یقرأ فی السحر ما بین النصف الی الثلث من القرآن فیختم عند السحر فی کل ثلاث لیال و کان یختم بالنهار فی کل یوم ختمة و یکون ختمه عند الافطار کل لیلة و یقول عند کل ختمة دعوة مستجابة (ہدی الساری، ص ۴۸۱)

امام بخاری رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ جب رمضان کی پہلی شب آتی جو لوگ آپ کی خدمت میں جمع ہو جاتے، آپ انہیں اس شان سے نماز پڑھاتے کہ ہر رکعت میں بیس آیتوں کی تلاوت کرتے اس طرح رمضان شریف میں ایک قرآن کریم ختم فرماتے تھے پھر خود تنہا بوقت سحر قرآن کریم نصف اور تہائی کے درمیان درمیان پڑھتے تھے اور اس طرح بوقتِ سحر ہر تین راتوں میں ایک قرآن پاک ختم فرما دیتے، پھر رمضان المبارک میں دن بھر تلاوت فرماتے اور روزانہ ایک قرآن پاک ختم فرما دیتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر ختم قرآن پر ایک دعا قبول ہوتی ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ کے اس بیان سے دو چیزیں سامنے آئیں، ایک تو یہ کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ رمضان المبارک میں تراویح کے علاوہ تہجد بھی پڑھا کرتے تھے اس سے ثابت ہوتا کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک تراویح اور تہجد میں فرق ہے دونوں ایک نہیں ہیں، تراویح الگ نماز ہے اور تہجد الگ نماز ہے لیکن غیر مقلدین حضرات امام بخاری رحمہ اللہ کے اس عمل کے خلاف ہیں اُن کا اس پر شدت کے ساتھ اصرار ہے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں نہیں ہیں دونوں ایک ہیں چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رقمطراز ہیں:

بعض لوگ تراویح اور تہجد کو الگ الگ دو نمازیں سمجھتے ہیں یہ غلط ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں ملتی۔ (رسول اکرم ﷺ کی نماز، ص ۹۸)

علامہ وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ تراویح، تہجد، وتر، صلوٰۃ اللیل سب ایک ہی ہیں۔ (تیسیر الباری، ج ۲ ص ۷۷)

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب رقمطراز ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز تر واتح کی نماز مع وتر پڑھائی اور

اس کے بعد آپ نے تہجد ہرگز نہیں پڑھی اور نہ ہی وتر پڑھے، معلوم ہوا کہ آپ کا قیام لیل (تہجد) رمضان میں قیام رمضان (تراویح) سے بدل گیا یعنی حضور جو تہجد اور وتر غیر رمضان نیند سے اٹھ کر پڑھتے تھے رمضان میں وہی تہجد اور وتر تراویح کے نام سے نیند سے قبل بعد عشاء پڑھ لیتے تھے۔ (صلوٰۃ الرسول، ص ۳۸۰)

تقریباً تمام غیر مقلدین کا یہی مسلک وموقف ہے جو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے مسلک وموقف اور عمل کے بالکل خلاف ہے۔

دوسری چیز یہ سامنے آئی کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ رمضان المبارک میں دن میں روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک تین دن سے کم میں قرآن کریم ختم کرنا جائز ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں باقاعدہ ایک باب قائم کر کے یہ بات ثابت فرمائی ہے، ملاحظہ فرمایئے بخاری شریف ج ۲ ص ۷۵۵ جب کہ غیر مقلدین حضرات اس کے سخت خلاف ہیں ان کا کہنا ہے کہ تین سے کم میں قرآن ختم کرنا مکروہ اور خلاف ادب ہے۔

چنانچہ علامہ وحید الزماں تحریر فرماتے ہیں:

عمدہ یہ ہے کہ قرآن سمجھ کر آہستگی کے ساتھ چالیس دن میں ختم کیا جائے حد سات روز میں انتہا تین روز میں، اس سے کم میں ختم کرنا ہمارے شیخ اہل حدیث نے مکروہ جانا ہے اور ادب وتعظیم کے بھی خلاف ہے۔ (تیسیر الباری، ج ۳ ص ۱۳۱)

موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اور اہل حدیث نے تین دن سے جلد میں قرآن کا ختم کرنا مکروہ رکھا ہے۔ (تیسیر الباری، ج ۶ ص ۵۳۵)

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت امام حنیفہ رحمہ اللہ سارے سال تہجد میں

روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرتے تھے، اس پر غیر مقلدین حضرات زبان طعن دراز کرتے ہیں کہ یہ حدیث کے خلاف اور بدعت ہے، لیکن حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے خلاف کچھ نہیں کہتے جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ دونوں کا اس سلسلہ میں ایک ہی مؤقف ہے غیر مقلدین ہی بتلا سکتے ہیں کہ وجۂ فرق کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے

عین الرضا عن کل عیب کلیلة و عین السخط تبدی المساویا

عبادت میں انہماک واستغراق

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نہایت خشوع وخضوع اور انتہائی انہماک و استغراق کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے آپ کے انہماک واستغراق کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جو آپ کے ورّاق محمد بن ابی حاتم نے نقل کیا ہے، محمد بن ابی حاتم فرماتے ہیں:

> حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو اُن کے کسی شاگرد کے باغ میں آنے کی دعوت دی گئی جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر آپ نے نوافل کی نیت باندھ لی اور طویل قیام فرمایا، نوافل سے فارغ ہوئے تو اپنی قمیص کا دامن اٹھا کر حاضرین میں سے کسی سے فرمایا: دیکھنا میری قمیص کے اندر کوئی چیز تو نہیں ہے؟ اس نے دیکھا تو پتہ چلا کہ ایک بھڑ ہے جس نے سولہ یا سترہ جگہ ڈنک مارا ہے جس کی وجہ سے آپ کا بدن سوج گیا ہے، کسی نے امام سے عرض کیا کہ آپ نے پہلی ہی بار میں نماز کیوں نہ منقطع فرمادی؟ آپ نے فرمایا: میں نے ایک سورت شروع کر رکھی تھی جی چاہتا تھا کہ اُسے پورا کرلوں۔ (تہذیب الکمال، ج ۲۴ ص ۴۴۷)

یہ تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی نماز کا حال تھی اس کے برعکس ہمارے ہمارے غیر مقلد بھائی جو نماز پڑھتے ہیں اس نماز کا نقشہ انہی کے ایک عالم ومؤرخ مولانا محمد اسحاق بھٹی کی زبانی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

> گوناگوں مصروفیتوں کی بناء پر ان بچاروں کے لئے نماز پڑھنا مشکل ہے یہ تو ان کی بہت بڑی قربانی ہے کہ کسی نے کسی طرح اپنی بے پناہ مصروفیات سے تھوڑا سا وقت نکال کر دو چار رکعت نماز پڑھ لیتے ہیں اور نماز ہی میں ان کے کھُر کنے اور جسم کے مختلف حصوں پر ہاتھ پھیرنے کو وقت ملتا ہے اور یاد آتا ہے کہ ''کھُرک فی الصلوٰۃ'' بھی ایک مسئلہ ہے جس پر عمل ہونا چاہئے۔ (نقوشِ عظمت رفتہ ص۲۴)

اخلاق حسنہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بڑے خلیق، انتہائی بردبار اور حلیم تھے کسی شخص کی بدسلوکی پر وہ کبھی غیض وغضب میں نہ آتے اور برائی کا بدلہ ہمیشہ نیکی سے دیا کرتے تھے، کسی شخص کی اصلاح مقصود ہوتی تو اسے برسرِ مجلس کبھی ملامت نہ کرتے، ہر شخص کی عزت نفس کا خیال رکھتے اور کبھی کسی شخص کو شرمندہ نہ ہونے دیتے۔

عبداللہ محمد صیارفی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھ رہے تھے، ناگاہ کنیز آگے سے گزری اور اس نے پیر کی ٹھوکر سے دوات گرادی، آپ نے فرمایا: دیکھ کر چلا کرو، اس نے تنک کر بدتمیزی سے جواب دیا: جب راستہ نہ ہوتو کیسے چلوں؟ آپ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا: جاؤ تم آزاد ہو۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بے حد صابروشاکر تھے اور اپنی ذات کا انتقام بالکل نہیں لیتے تھے۔ ان کے شیوخ میں سے محمد بن یحییٰ ذہلی نے ''نیشاپور'' میں الفاظِ قرآن کو غیر مخلوق نہ کہنے پر امام بخاری کے خلاف محاذ قائم کر دیا اور امام بخاری رحمۃ

اللہ علیہ کے درس پر پابندی لگادی اور برسرِ عام کہہ دیا کہ بخاری اس شہر میں نہیں رہ سکتے جس کی وجہ سے امام بخاری ''نیشاپور'' چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ ذہلی کی اس بدسلوکی سے امام مسلم اس قدر برہم ہوئے کہ انہوں نے وہ تمام احادیث جو ذہلی سے املاء کی تھیں ایک بنڈل میں باندھ کر واپس ذہلی کو بھجوادیں۔ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذہلی کی روایت کو نہیں چھوڑا اور ''صحیح بخاری'' میں ذہلی کی روایات کو برقرار رکھا البتہ پورا نام ذکر کرنے کی بجائے یا فقط ''محمد'' لکھتے ہیں یا اس کے دادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد لکھتے۔ کسی نے اس اجمال کی وجہ پوچھی تو بتلایا اس کے دادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد لکھتے۔ کسی نے اس اجمال کی وجہ پوچھی تو بتلایا کہ ذہلی مجھ پر جرح کرتا ہے اگر میں اس کا نام صراحۃً ذکر کروں تو وہ متعین ہوجائے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ میں اپنے جارح کی تعدیل کر رہا ہوں اور اس سے میری صداقت اور عدالت پر حرف آئے گا، جس کا اثر میری روایت پر پڑے گا۔

امام المحدثین کی شہرت اور مسلمانوں کا اشتیاق

امام المحدثین زمین کے جس خطہ میں تشریف لے جاتے۔ مسلمانوں کا اس قدر ہجوم ہوتا کہ ہمارے الفاظ اس کے بیان کے لیے کافی نہیں ہوسکتے۔

لوگ ان کے فضل و کمال، بے نظیر فقاہت، خداداد حافظہ، تبحر فی العلم کے خلافِ قیاس حکایات سن سن کر دیکھنے کی تمنا کرتے۔ جہاں پہنچتے۔ اس قدر ہجوم ہوتا کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں ملتی۔

تکمیل کے بعد جب بخارا کا قصد کیا اور بخارا والوں کو آپ کی تشریف آوری کی خبر پہنچی تو سارا شہر استقبال کے لیے امنڈ آیا۔ شہر سے باہر تین میل تک خیمے استادہ ہوگئے۔ کوئی آدمی قابل تذکرہ شہر میں باقی نہ رہا۔ شہر میں بڑی شان و شوکت سے لائے گئے اور ان پر اشرفیاں روپے مٹھائیاں تک نثار کی گئیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نیشاپور والوں نے آپ کے

نیشاپور تشریف لانے کی خبر پائی تو اہل شہر نے دور دو منزل تین تین منزل سے جا کر ان کا استقبال کیا۔ اور شہر میں اس شان وشوکت سے لائے گئے کہ امام مسلم کہتے ہیں میں نے وہ شان وتزک آج تک نہ کسی حاکم کا دیکھا نہ کسی اہل علم کا۔ محمد بن منصور کہتے ہیں کہ ''صرف گھوڑے سوا چار ہزار تھے۔ پیادہ پا چلنے والوں، گدھے سواروں خچر سواروں کا اندازہ نہ تھا۔ (الفوائد الدراری)

ایک بار بغداد تشریف لے گئے۔ جو بنی عباس کا دار الخلافت تھا۔ عباسیوں کی قدردانی نے بغداد کو علوم اسلامیہ کا مرکز بنا رکھا تھا۔ بصرہ والوں کو ان کے بصرہ پہنچنے کی خبر معلوم ہوئی تو عجیب ایک ہنگامہ مچ گیا۔

یوسف بن موسیٰ مروزی کہتے ہیں۔ میں بصرہ کی جامع مسجد میں ایک بار موجود تھا۔ ایک نقیب کو پکارتے سنا۔ علم والو! محمد بن اسماعیل بخاری پہنچ گئے۔ لوگ ان کی تعظیم کو ٹوٹ پڑے۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ ساتھ تھا۔ میں نے امام بخاری کو ایک نوجوان آدمی دیکھا۔ ان کے داڑھی کے بال بالکل سیاہ تھے۔ وہ ایک ستون کے پیچھے نفل پڑھ رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے گھیر لیا اور تمام لوگوں کی ٹکٹکی بندھ گئی۔ اہل بصرہ نے درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے مجلس املا قائم کریں۔ آپ نے منظور فرمایا۔ نقیب نے دوبارہ جامع بصرہ میں پکارا۔ علم والو! امام بخاری سے مجلس املا کی درخواست کی گئی تھی۔ انہوں نے منظور کر لی ہے۔ کل فلاں مقام پر مجلس املا قائم ہو گی۔ صبح ہوتے ہی فقہاء۔ متکلمین۔ محدثین۔ حفاظ کی بڑی بڑی جماعتیں جوق کی جوق آنا شروع ہوئیں۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں ہزاروں ہزار کا مجمع ہو گیا۔ امام بخاری املا کے لیے منبر پر رونق افروز ہوئے۔ قبل اس کے کہ حدیثوں کا لکھانا شروع کریں آپ نے فرمایا۔

اہل بصرہ! آپ لوگوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں آپ لوگوں کے لیے مجلس املا قائم کروں۔ میں نے منظور بھی کر لیا۔ میں ابھی کمسن جوان ہوں میں چاہتا ہوں کہ تمہارے شہر بصرہ کی حدیثوں کو جو تمہارے پاس نہیں ہیں، بیان کروں۔

اس پر بصرہ والے متعجب ہوئے۔ اور ان کا اشتیاق دوبالا ہو گیا۔ نگاہیں اشتیاق میں اٹھنے لگیں کہ آواز آئی اور پہلی حدیث کا املا یوں شروع ہوا۔

" حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ جَبَلَةَ ابْنِ رَوَّادِ الْعَتَكِيُّ بِبَلَدِ كُمْ ، قَالَ ثَنَا اَبِيْ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ وَغَيْرِهٖ عَنْ سَالِمِ ابْنِ اَبِي الْجَعْدِ ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ اَعْرَابِيًّا جَآءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ (الحدیث)

(اس حدیث کو لکھا کر آپ نے فرمایا) بصرہ والو۔ یہ حدیث تمہارے پاس منصور کے واسطے سے نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے واسطے سے ہے۔ (معجم البلدان یاقوت حموی)

یوسف بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "ایک مجلس کامل آپ نے اسی طریقہ پر لکھائی۔ ہر حدیث کے بعد فرماتے تھے۔ بصرہ والو! تمہارے پاس یہ حدیث اس سند سے نہیں پہنچی ہے۔ تمہارے پاس یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہے۔ یہ بصرہ وہ شہر ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں آباد کرایا تھا۔ وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے نہایت ممتاز تھا۔ بصرہ اور کوفہ یہ دونوں شہر اسلامی علوم کے دارالعلم خیال کیے جاتے تھے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے ہم پایہ کہنا تو نہایت جسارت ہے۔ اور نہ ایسا ہونا کبھی ممکن ہے۔ تاہم اسلامی علوم کے اعتبار سے یہ دونوں شہر ایک زمانہ میں بہت بلند پایہ تسلیم کیے گئے ہیں۔ علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملین حدیث کا لقب دیا ہے اور ان کے مستقل ترجمے لکھے ہیں۔ ان میں مسروق بن الاجدع، امام حسن بصری، قتادہ، شعبہ بن حجاج، محمد بن سیرین فن حدیث اور تعبیر کے امام اسی بصرہ کے رہنے والے یا نزیل تھے۔ (مقدمہ الفتح)

رائے و تدبیر۔ عقل۔ فراست۔ ذہانت۔ طباعی۔ امام بخاری کے وہ مشہور اوصاف ہیں جن کو موافق و مخالف سب نے تسلیم کیا ہے۔

علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں لکھا ہے

"وَكَانَ رَأسًا فِي الذَّكَاءِ رَأسًا فِي الْعِلْمِ"
آپ ذکاوت اور علم سب سے فائق تھے۔

ائمہ کی امام بخاری سے تصحیح کی درخواست

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ محمد بن سلام بیکندی رحمۃ اللہ علیہ نے امام سے فرمایا:

"انظر في كتبي ، فما وجدت فيها من خطا فاضرب عليه كي لا ارويه"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حدیثوں پر نظر ثانی کی، چنانچہ جن احادیث کے بارے میں امام نے اطمینان ظاہر کیا ان پر ان کے استاذ نے لکھ دیا "رضي الفتى" اور جو احادیث ضعیف تھیں ان پر لکھا "لم يرض الفتى"۔

اسی طرح ان کے ایک دوسرے استاذ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے فرمایا "انظر في كتبي و أخبر ني بما فيها من السقط"۔

آپ کے استاذ اسماعیل بن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس لطیف طریقے سے امام بخاری نے میری حدیثوں کی اصلاح کی اس طرح کسی نے نہیں کی۔ انہوں نے کہا کہ "أتاذن لي أن أجددها؟" یعنی میں ان کو دوبارہ لکھ دوں؟ انہوں نے اجازت دے دی، فرماتے ہیں "فاستخرج عامة حديثي بهذه العلة" نیز خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اسماعیل بن ابی اویس کی جن احادیث کا انتخاب کرتا تھا ان پر وہ لکھ لیتے تھے۔ "هذه الأحاديث انتخبها محمد بن اسماعيل من حديثي اسماعيل بن ابی اويس " ہی کا قول ہے انہوں نے اپنے شاگرد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا "انظر في كتبي ، وما ملكه لك، وانا شاكر لك مادمت حيا"۔ (تاریخ بغداد ج ۲، ص ۲۴۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۱۹)

شیوخ ومعاصرین کا اعتراف

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی مدح میں اگر متاخرین کے اقوال نقل کیے جائیں تو کاغذ اور روشنائی ختم ہو جائے۔

فذلک بحر لا ساحل له

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے۔

ان کے شیوخ ومعاصرین سب ان کے کمالات کے معترف تھے، ایک مرتبہ عمرو بن زرارہ اور محمد بن رافع امام بخاری سے علل حدیث کے متعلق مختلف سوالات کے جواب حاصل کرنے کے بعد جب رخصت ہونے لگے، تو حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''ابو عبدالله افقه منا و اعلم و ابصر'' امام اسحٰق بن راہویہ نے فرمایا ''هو ابصر منی''۔ حالانکہ اس وقت امام صاحب سبزہ آغاز تھے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسانید وعلل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں پایا، امام مسلم نے امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ شہادت دی ''اشهد انه ليس فی الدنیا مثلک'' (مقدمہ فتح الباری، ص ۴۸۵)۔ ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اس آسمان کے نیچے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر میں نے کسی کو عالم حدیث نہیں دیکھا۔ (تہذیب، ج ۱، ص ۷۰، الاسماء واللغات از نووی)

محدثانہ جلالتِ قدر

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق فارس سے ہے اور حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

لو كان الدين عند الثريا، ليذهب به رجل من فارس، اوقال من ابناء فارس حتى يناوله. (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۱۲، کتاب الفضائل، باب فضل فارس)

''اگر دین ثریا پر بھی ہوتا تو پھر بھی فارس کا ایک آدمی اُسے لے

جاتا، یا آپ ﷺ نے فرمایا فارس کی اولاد میں سے کوئی آدمی
اُسے لے جاتا''۔

حضور انور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر اپنا دستِ مبارک رکھ کر فرمایا:

لو كان الايمان عند الثريا، لنا لهٗ رجال، اور رجل، من هولاء. (صحیح بخاری، سورہ جمعہ، کتاب التفسیر)

''اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ، یا فرمایا ایک شخص، اُسے پالے گا''

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں فرمایا:

''اس سے مراد عجم میں دین کی خدمت کرنے والے بڑے بڑے علماء مراد ہیں، جن میں حضرات فقہاء، محدثین اور خصوصاً اربابِ صحاح داخل ہیں''

لیکن یہ اس صورت میں ہے جب روایت میں جمع کا صیغہ ''رِجَالٌ'' ہو۔ جب کہ بعض روایات میں ''رَجُلٌ'' مفرد کا صیغہ وارد ہوا ہے۔ مفرد صیغہ کی رو سے علماء کرام نے اس سے امام الائمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مراد لی ہے۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان فيه منقبة عظيمة للامام ابى حنيفة.

(فیض الباری، ج ۴، ص ۲۴۵)

''اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے عظیم بشارت اور منقبت ہے''۔

مفتی تقی عثمانی زید مجدہ لکھتے ہیں، بعض علماء کے نزدیک اس حدیث کا مصداق

الاما م ابوحنيفة، وذكر بعضهم ان مصداقه الامام البخارى. (تکملہ فتح الملہم، ج ۵، ص ۳۲۳)

''امام ابوحنیفہ ہیں، اور بعض علماء اس کا مصداق امام بخاری کو گردانتے ہیں''۔

حضرت قتیبہ بن سعد فرماتے ہیں: میں نے نامور فقہاء، بڑے بڑے زہاد اور معروف عبادت گزار حضرات کی مجلس میں حاضری دی، لیکن محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کسی کو عقل وشعور میں نہیں پایا۔ اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہوتے:

كعمر في الصحابة. (ھدی الساری جدید،ص ۶۷۴)

''تو ان کا رتبہ اور مقام وہی ہوتا جو صحابہ میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب بصرہ تشریف لے گئے تو وہاں کے جلیل القدر محدث محمد بن بشار نے فرمایا:

قدم اليوم سيّد الفقهاء. (ھدی الساری جدید،ص ۶۷۵،تھذیب التھذیب، ج ۷، ص ۴۳)

''آج فقہاء کرام کے سردار تشریف لائے ہیں''۔

اسحاق بن راہو کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

لو كان في زمن الحسن بن ابي الحسن البصري، لاحتاج اليه لمعرفة بالحديث و فقهه. (ھدی الساری جدید،ص ۶۷۶)

''اگر امام بخاری حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہوتے تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سے حدیث اور فقہ کے اسرار ورموز حاصل کرنے کے محتاج ہوتے''۔

حافظ رجاء بن رجاء کا قول ہے:

هو آية من آيات الله، تمشي على ظهر الارض

(ھدی الساری جدید،ص ۶۷۶)

''امام بخاری اللہ کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی ہیں جو
زمین کی پشت پر چلتے پھرتے ہیں''۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے ابوطبیب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے ابوخزیمہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، وہ فرماتے تھے:

ما رایت تحت ادیم السماء اعلم بحدیث رسول الله ﷺ ولاحفظ له من البخاری. (تھذیب التھذیب، ج ۷، ص ۴۵، تذکرۃ الحفاظ اُردو، ج ۲، ص ۱۰۷)

''میں نے دنیا میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا احادیث کا
عالم اور حافظ کوئی نہیں دیکھا''۔

ابوحامد اعمشی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، میں نے امام مسلم بن الحجاج سے سنا ہے کہ وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کرتے تھے:

''آپ میں عیب جوئی صرف حاسد ہی کرے گا، اور میں گواہی
دیتا ہوں کہ دُنیا میں آپ جیسا کوئی محدث اور عالم نہیں ہے''۔

(شذرات الذھب، ج ۲، ص ۱۳۴)

کہتے ہیں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بکثرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے تبحر علمی اور زہد و تقویٰ سے متاثر ہو کر بے ساختہ ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور بے اختیار کہا:

دعنی اقبل رجلیک یا سیّد المحدثین، وطبیب الحدیث فی علله. (المصنفات فی الحدیث، ص ۱۲۵)

''مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے قدم چوم لوں۔ اے
محدثین کے سردار اور احادیث کے علل کے معالج اور طبیب''۔

وراق محمد بن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے جا رہے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آپ ﷺ کے پیچھے ہیں:

فکلما رفع النبی ﷺ قدمه وضع ابوعبدالله قدمه فی ذالک الموضع. (ھدی الساری قدیم، ص۴۸۹، جدید، ص۶۸۲، تاریخ بغداد، ج۲، ص۱۰)

''جہاں رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک پڑتے ہیں، وہیں امام بخاری کے قدم پڑ رہے ہیں''۔

یہ واقع اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سنّتِ نبوی ﷺ کے کامل متبع ہیں۔ محمود بن النضر الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں بصرہ، شام، حجاز مقدس اور کوفہ وغیرہ کے جلیل القدر علماء مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ہر ایک محدث امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر کرتا ہے اور ان کو اپنے آپ سے بلند و برتر سمجھتے ہیں''۔

(تھذیب التھذیب، ج۷، ص۴۵)

فربری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں:

اَیْنَ تُرِیْدُ؟ ''کہاں کا ارادہ ہے؟''

میں نے عرض کیا:

اُرید محمد بن اسماعیل

''میں محمد بن اسماعیل بخاری کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اقرأه منی السلام. (ھدی الساری جدید، ص۶۸۳، قدیم، ص۴۸۹، تاریخ بغداد، ج۲، ص۱۰، سیر اعلام النبلاء، ج۱۲، ص۴۴۳)

''میری طرف سے انہیں سلام پیش کر دینا''

اللہ ربُّ العزت نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کس قدر قابلِ رشک مرتبہ عطا

فرمایا کہ رحمتِ دوعالم ﷺ کی جانب سے ہدیہ سلام پیش کیا جارہا ہے۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

محمد بن ابی حاتم الوراق کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن جعفر البیکندی سے سنا، وہ کہتے تھے اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اپنی عمر محمد بن اسماعیل کو ہبہ کردیتا۔ کیونکہ میری موت سے تو صرف ایک آدمی کی موت ہوگی۔ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی موت سے "علم" جاتا رہے گا۔ (ھدی الساری قدیم،ص ۴۸۴، جدید ص ۶۸۳)

امام ابوبکر بن ابی شیبہ جیسے جلیل المرتبت محدث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو "البازل" کا خطاب دیتے تھے۔ یعنی جملہ اسلامی علوم میں کامل تھے۔ (ایضاً)

عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قد رأیت العلماء بالحرمین، والحجاز، والشام، والعراق، فما رأیت فیھم اجمع من محمد بن اسماعیل.

"میں نے حرمین شریفین، حجاز مقدس، شام اور عراق وغیرہ کے علماء کرام دیکھے ہیں۔ لیکن امام احمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسی جامع صفات شخصیت کہیں بھی نہیں دیکھی"۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ھو اعلمنا، وافقھنا واکثر ناطلباً. (ھدی الساری قدیم،ص ۴۸۴، جدید،ص ۶۷۷)

"وہ ہم میں سب سے زیادہ علم والے، فقاہت میں بلند و بالا علوم نبوت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ حریص ہیں"۔

عمرو بن زرارہ اور محمد بن رافع رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے علل حدیث کے متعلق مختلف سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''ابو عبداللہ یعنی امام بخاری ہم سب سے بڑے عالم اور صاحبِ بصیرت ہیں''۔ (ھدی الساری، سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۳۲)

علامہ قتیبہ بن سعید سے نشہ کی حالت میں طلاق کے متعلق سوال کیا گیا، کچھ دیر بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کی مجلس میں تشریف لائے تو قتیبہ نے سائل سے مخاطب ہو کر فرمایا:

هذا احمد بن حنبل، واسحق بن راهويه، و علی بن المدینی، قد ساقهم الله الیک، واشار الی البخاری.

(ھدی الساری قدیم، ص ۴۸۲، جدید، ص ۶۷۴)

''یہ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور علی بن المدینی اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس بھیج دیئے ہیں۔ ان سے یہ مسئلہ دریافت کر لیں اور امام بخاری کی طرف اشارہ کیا''۔

امام قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''میرے پاس مشرق و مغرب سے لوگ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے سفر کر کے آتے ہیں، لیکن میں نے اُن میں محمد بن اسماعیل بخاری جیسا کوئی بھی نہیں دیکھا''۔ (ھدی الساری، ص ۴۸۲ قدیم)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مدح اور توصیف میں اگر متاخرین علماء و مشائخ کے اقوال تفصیل سے بیان کئے جائیں تو کاغذ اور روشنائی تو ختم ہو جائے گی، مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مدح اور ستائش ختم نہیں ہوگی''۔

فذلک بحرٌ لا ساحل له.

''یہ تو ایسا سمندر ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے''

گویا سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے، اس لئے ہم صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ان شیوخ اور معاصرین کے چند اقوال پر اکتفاء کرتے ہیں۔

عمل بالحدیث

محدثین عظام کے یہاں اس کا بہت اہتمام ہوتا ہے کہ جو حدیث پڑھیں اس پر عمل کریں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ماکتبت حدیثا الا وقد عملتُ به، حتّی مرّبی ان النبی ﷺ احتجم ، واعطی اباطیبة دینارًا ، فاعطیت الحجام دیناراً حین احتجمت. (سیر اعلام النبلاء، ج۱،ص۲۱۳)

''میں نے جو حدیث بھی لکھی، اس پر عمل بھی کیا حتیٰ کہ میں نے یہ حدیث پڑھی کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سینگی لگوائی تو اس کو ایک دینار عنایت فرمایا۔ چنانچہ میں نے بھی حجام کو ایک دینار دیا، تاکہ آپ کے عمل کے ساتھ مشابہت ہو جائے''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس معاملہ میں بہت مستعد تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تقلید میں اینٹیں اور پتھر اٹھائے، گھاس اور پتے کھائے اور نشانہ بازی کی مشق بھی کی۔

تقویٰ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ میں اجتناب عن المعاصی، تقویٰ، تورع اور احتیاط کہ کوئی معصیت سرزد نہ ہو، بلکہ معصیت کے قریب بھی نہ بھٹکتے تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی قدر نے ترکہ میں حلال مال چھوڑا تھا۔ جب حلال وطیب مال سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت ہوئی تھی تو ان کے زہد وتقویٰ کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ چونکہ موصوف کا تعلق اور وابستگی بچپن ہی سے احادیث کے ساتھ رہی ہے۔ جس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کچھ سامان فروخت کرنا چاہتے تھے، کچھ لوگوں نے اس مال پر پانچ ہزار نفع کی پیشکش کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے

مہلت دیں میں سوچ کر کل صبح جواب دوں گا۔ اگلے دن کچھ اور لوگ وہ مال خریدنے آگئے اور انہوں نے دس ہزار نفع کی پیش کش کر دی۔ امام صاحب نے فرمایا: میں رات کو پہلی جماعت کو فروخت کرنے کی نیت اور ارادہ کر چکا ہوں۔ اب پانچ ہزار کے لئے اپنی نیت کو نہیں بدل سکتا۔ (ھدی الساری قدیم، ص ۴۸۰، جدید، ص ۶۷۲)

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا غایت درجہ تقوی تھا کہ اگر چہ ابھی ابتدائی طور پر بات ہوئی تھی۔ سودا طے نہیں ہوا تھا اور بات کل تم ملتوی کر دی گئی تھی۔ لیکن اپنے دل کے نہاں خانوں میں مخفی نیت کے مطابق کسی دوسری پارٹی سے سودا کرنا گوارا نہیں کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو نشانہ بازی میں بڑی مہارت تھی۔ چونکہ تیراندازی کی مشق کرنا مسنون اور جہاد کا معاون عمل ہے۔ اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس میں کمال حاصل تھا۔ وراق بخاری بیان کرتے ہیں کہ آپ کا نشانہ بڑا پختہ تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں صرف دو مرتبہ دیکھا کہ آپ کا نشانہ خطا گیا۔ ورنہ ٹھیک ہدف پر تیر پھینکتے تھے۔

ایک مرتبہ فربر شہر سے باہر نکل کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تیراندازی کر رہے تھے کہ نہر پر واقع ایک پُل کے کیل پر تیر لگ گیا جس سے اس پل کو معمولی سا نقصان پہنچا۔ آپ نے سواری سے اُتر کر میخ سے تیر نکالا اور لوٹ آئے۔ اور ابو جعفر نامی اپنے شاگرد سے کہا کہ پُل کے مالک کے پاس جا کر کہو یا تو نقصان کا معاوضہ ہم سے لے لیں یا خود ہمیں پُل کی مرمت کی اجازت دیں۔

حسن اتفاق سے پُل کا مالک حمید بن الاخضر امام صاحب کا معتقد تھا۔ اُس نے بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ نقصان معاف کر دیا اور اس پر مستزاد یہ کہ میرا سارا مال و متاع آپ پر فدا اور قربان ہے۔

ابو جعفر جو یہ پیغام لے کر گئے تھے، وہ کہتے ہیں جب میں واپس آ کر یہ اطلاع دی:

فتهلل وجهه واظهر سروراً كثيراً ، وقرأ ذلک اليوم

للغرباء خمسمائة حديث و تصدق بثلث مائة درهم.

(ھدی الساری قدیم،ص۴۸۰،جدید،ص۶۷۲)

''تو آپ بہت خوش ہوئے اور بطورِ شکریہ طلباء کو پانچ سو احادیث املاء کرائیں اور تین سو درہم صدقہ کئے''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے شاگرد ابومعشر الضریر سے معافی کے طلبگار ہوئے، وہ گھبرا کر پوچھنے لگے: ''استاذ محترم! کس بات پر مجھ سے معافی طلب کر رہے ہیں؟''۔ امام صاحب نے فرمایا: ''میں نے ایک دن ایک حدیث بیان کی جس سے تم خوشی سے جھومنے لگ گئے۔ اور خوشی میں تم ہاتھ اور سر ہلا رہے تھے۔ تمہاری یہ حالت دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی''۔

ابومعشر الضریر نے عرض کیا: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے، میں معاف کر چکا ہوں''۔ (ھدی الساری،قدیم،ص۴۸۰،جدیدص۶۷۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا خوفِ خداوندی اور تقویٰ کس قدر بلند و اعلیٰ تھا کہ اتنی سی بات پر بھی اپنے شاگرد رشید سے معافی کے طلب گار ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے معاصی و منکرات سے بچنے کا بڑا اہتمام فرمایا ہے، کیونکہ گناہوں سے حافظہ خراب ہو جاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شكوتُ الى وكيع سوء حفظى
فاوصانى الى ترک المعاصى
فان العلم نور من اله
و نور الله لا يعطى لعاص

(کشف الباری مقدمہ،ص۱۳۱)

''میں نے وکیع سے عرض کیا میرا حافظہ کمزور ہے، تو انہوں نے مجھے گناہ ترک کرنے کی وصیت فرمائی۔ کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا نور گنہگار کو نہیں ملتا''۔

غیبت سے اجتناب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ غیبت سے پوری طرح اجتناب کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا:

ماا غتبت احداً قط منذ علمت ان الغیبۃ حرامٌ.

(ھدی الساری قدیم،ص ۴۸۰، جدید،ص ۶۷۲)

''جب سے مجھے معلوم ہوا کہ غیبت کرنا حرام ہے تو اس وقت سے ساری عمر الحمدللہ میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی''۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ جب آپ راویوں پر جرح کرتے ہیں تو ان کے صدق اور کذب کا ذکر بھی کرتے ہیں، تو کیا یہ غیبت کے زمرے میں نہیں آتا؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، جو کچھ ہے وہ کسی امام جرح وتعدیل کی حکایت ہے''۔ (ھدی الساری،ص ۶۷۲)

اسی بناء پر علماء کرام کا کہنا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ''التعلیق الکبیر'' اور دوسرے حضرات کی جرح وتعدیل کی کتابوں میں ایک خاص فرق ہے۔ امام صاحب کے الفاظ دوسروں کے مقابلہ میں بہت محتاط ہیں۔ (ایضاً)

علمی وقار کی حفاظت

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دریائی سفر کر رہے تھے کہ ایک ہزار اشرفیاں ان کے ساتھ تھیں۔ ایک شخص نے کمال نیازمندی کا طریقہ اختیار کیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر اعتماد ہو گیا۔ اپنے احوال سے اس کو مطلع کیا۔ یہ بھی بتا دیا کہ میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں ہیں۔ ایک صبح کو جب وہ شخص اٹھا تو اس نے چیخنا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ میری ایک ہزار اشرفی کی تھیلی غائب ہے۔ چنانچہ جہاز والوں کی تلاشی شروع ہوئی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موقع پا کر چپکے سے وہ

ہتھیلی دریا میں ڈال دی۔ تلاشی کے باوجود وہ تھیلی دستیاب نہ ہوسکی تو لوگوں نے اس کی ملامت کی۔

سفر کے اختتام پر وہ شخص امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتا ہے کہ آپ کی وہ اشرفیاں کہاں گئیں؟ امام صاحب نے فرمایا میں نے ان کو دریا میں ڈال دیا۔ کہنے لگا اتنی بڑی رقم کو آپ نے ضائع کردیا؟ فرمایا کہ میری زندگی کی اصل کمائی تو ثقاہت کی دولت ہے، چند اشرفیوں کے عوض میں اس کو کیسے تباہ کرسکتا تھا؟۔ (مقدمہ کشف الباری، ص۱۳۲۔ مذکورہ واقعہ امداد الباری، ج۱، ص۴۶۱، فضل الباری، ج۱، ص۵۵ میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الباری کے حوالہ سے منقول ہے۔ لیکن (کشف الباری کے جامع فرماتے ہیں) باوجود تلاش نہ مل سکا۔ نیز تاریخ بغداد، تہذیب الکمال، سیر اعلام النبلاء، تہذیب التہذیب، تہذیب الاسماء واللغات، مقدمہ فتح الباری، مقدمہ قسطلانی اور مقدمہ لامع میں امام کے ترجمہ کے تحت اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے)

علاوہ ازیں نماز تہجد میں نصف یا تہائی قرآن مجید پڑھنے کا معمول تھا اور ہر تین راتوں میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نماز کے علاوہ دِن بھر بھی تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتے تھے اور روزانہ افطار کے وقت ایک قرآن کریم ختم فرماتے تھے۔ امام صاحب فرماتے تھے: ''ہر ختم قرآن پر ایک دعا قبول ہوا کرتی ہے''۔

(ھدی الساری قدیم ص۴۸۱، جدید، ص۶۷۳)

گویا قبولیتِ دعا کی خاطر زیادہ سے زیادہ ختم قرآن کرتے تھے۔ تاکہ زیادہ تعداد میں دعائیں بھی شرفِ قبولیت حاصل کرلیں۔

عبادت میں استغراق اور توجہ الی اللہ کا یہ عالم تھا، ایک مرتبہ کسی باغ میں نوافل ادا کررہے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد کسی سے کہا ذرا قمیص اُٹھا کر دیکھیں کوئی موذی جانور تو نہیں؟ دیکھا گیا تو ایک بھڑ نکلی جس کے ڈسنے کے سترہ نشانات تھے۔ اور جسم کا وہ حصہ متورم ہوگیا تھا۔ ایک صاحب کہنے لگے، آپ نے نماز کیوں نہیں توڑ دی؟ فرمایا کہ میں ایک ایسی سورت کی تلاوت کررہا تھا، اس کو درمیان میں قطع کرنا

گوارا نہ ہوا۔ (ھدی الساری قدیم، ص ۴۸۰، جدید، ص ۶۷۳، تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۴۳، سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۴۲)

امام محمد بن ابی حاتم وراق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات دورانِ سفر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک ہی کمرہ میں رات گزرتی تھی۔ میں دیکھتا ہوں کہ رات کو پندرہ بیس مرتبہ اُٹھتے ہیں۔ ہر دفعہ چراغ جلا کر حدیث پر نشان لگاتے ہیں۔ پھر سحر کے وقت نمازِ تہجد ادا کرتے اور مجھے کبھی نہیں اٹھاتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ آپ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں، مجھے اٹھالیا کریں؟۔ امام صاحب نے فرمایا:

انت شاب، فلاأحب ان افسد عليک نومک. (ھدی الساری قدیم، ص ۴۸۱، جدید، ص ۶۷۳، سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۰۴)

''تم جوان آدمی ہو، میں تمہاری نیند خراب کرنا نہیں چاہتا''

مفتی تقی عثمانی مدفیوضہم اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایک طرف اشتغال بالعلم جاری ہے، رات کو لیٹتے وقت بھی ذہن پر علم ہی کی باتوں کا خیال مسلط ہے، جو بات یاد آرہی ہے اُس کو اُٹھ کر لکھ رہے ہیں۔ کوئی مجھ جیسا مولوی ہوتا تو یہ تاویل کرتا:

تدارُس في العلم ساعة من الليل خيرٌ من احياء ها.

''کہ رات میں علم کے کام میں مشغول رہا ہوں، تو حدیث کی رو سے یہ تہجد پڑھنے سے بھی افضل کام ہے''

لہٰذا تہجد پڑھنے کی کیا ضرورت، رات میری اس کام میں گزری ہے۔ اور اس کی وجہ سے نیند پوری نہیں ہوئی۔ لہٰذا سو جاؤ۔ نہیں! وہ تو چل ہی رہا ہے۔ اور رات کے آخری حصے میں تہجد کا معمول برقرار ہے۔ ہم لوگوں کو وہ حدیث بہت یاد آتی ہے:

تدارس في العلم ساعة من الليل خير من احياء ها، فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد.

اور یہ حدیث اس لئے یاد آتی ہے کہ چھٹی مل رہی ہے کہ فقیہ بن جاؤ اور پڑھنے لکھنے میں لگ جاؤ، تو عبادت سے چھٹی۔ ایک ہزار عابد سے ایک فقیہ بہتر ہے۔ شیطان کے لئے زیادہ سخت ہے۔

یہ سب درحقیقت شیطان کا دھوکہ ہے۔ جس کے اوپر ''اشد'' کہا گیا ہے۔ یاد رکھیں! اس حدیث کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عبادت بالکل ترک کر دے اور فقیہ بن کر بیٹھ جائے۔

فقیہ ہی اس وقت تک نہیں بنتا جب تک کچھ نہ کچھ ذوق عبادت نہ ہو۔ یہاں جس فقیہ اور جس عابد کا مقابلہ ہو رہا ہے وہ اس عابد کا ہے جس نے اپنا سارا مشغلہ صبح سے شام تک عبادت کو بنا رکھا ہے۔ نفلیں بھی پڑھ رہا ہے، نمازیں بھی پڑھ رہا ہے، روزے بھی رکھ رہا ہے۔

اور ایک وہ شخص ہے جس نے اپنا اصل مشغلہ فقہ کو بنایا ہوا ہے اور اس کے ساتھ سنتوں اور نوافل کا اہتمام بھی کرتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو متفرغ للعبادۃ نہیں کیا۔ اس سے ایسا شخص مراد ہے۔ یہ نہیں کہ اب فقہ پڑھ لیا تو نہ تہجد کی ضرورت، نہ اشراق، نہ چاشت، نہ اوابین۔ ہمارے جتنے بزرگ اور فقہاء ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو عبادت کے ذوق سے خالی ہو۔ تو باوجود اس علمی اشتغال کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو عبادت کا ذوق بھی تھا۔ (درس بخاری، ص ۶۴)

﴿تیسرا باب﴾

ابتلاء وآزمائش اور واقعہ وصال

***

ابتلاء وآزمائش

رحمتِ کائنات ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اشدُّ الناس بلاءً الانبیاء، ثم الامثل فالا مثل. (سنن ترمذی، ج ۲، ابواب الزھد، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، ص ۶۷، دارمی، کتاب الرقاق، مسند احمد، ج ا ص ۱۷۲، ۱۸۰، ۱۸۵)

''ابتلاء وآزمائش، تکالیف اور امتحانات سب سے زیادہ انبیاء علیہم السّلام کو پیش آتے ہیں، پھر جو شخص ان کے جتنا قریب ہو، اس کو بھی ابتلاء وآزمائش میں ڈالا جاتا ہے''۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے امتحانات میں ڈالا۔

پہلی جلاوطنی

صاحب جواہر مضیۂ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے واپس آئے تو فتویٰ دینا شروع کیا۔ بخارا کے مشہور امام اور عالم ابوحفص کبیر جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انہوں نے فتویٰ دینے سے منع کیا، لیکن وہ نہ مانے۔ چنانچہ ان سے کسی نے رضاعت کا مسئلہ پوچھا کہ اگر دو بچے ایک بکری یا گائے کا دودھ پی لیں تو حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟ انہوں نے حرمت کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے وطن کو خیرباد کہنا پڑا۔

اگرچہ واقعہ بڑے بڑے علماء نے نقل کیا ہے۔ (چنانچہ یہ واقعہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں نقل کیا ہے۔ صاحب جواہر مضیۂ نے ''جواہر مضیۂ'' (ج ا ص ۶۷، ترجمہ احمد بن حفص) میں شمس الائمہ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح یہ واقعہ عنایہ شرح ہدایہ، کفایہ شرح ہدایہ اور فتح القدیر میں بھی منقول ہے (دیکھئے ج ۲، ص ۳۱۹، ۳۲۰) اسی طرح علامہ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری نے بھی اپنی تاریخ خمیس (ج ۲، ص ۳۴۲) میں کشف الاسرار شرح المنار کے حوالہ سے یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ نیز دیکھئے فوائد بہیہ (ص ۱۸) تعلیقات دراسات اللبیب (ص ۳۰۴) ماخوذ مقدمہ کشف الباری، ص ۱۴۶)

لیکن اس کے باوجود اس کی صداقت مشکوک ہے۔ یقیناً اس کی روایت میں وہم کا دخل ہے۔ ایک معمولی دین کی سمجھ رکھنے والا انسان بھی ایسی حماقت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اتنا بڑا امام، فقیہ، محدث ومفسر جس نے سولہ سال کی عمر میں وکیع بن جراح اور ابن المبارک کی کتابیں حفظ کر لی ہوں، وہ ایسا غلط فتویٰ کیسے دے سکتا ہے؟۔ اس لیے یہ معلول ہے۔ (چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فوائد بہیہ (ص ۱۸) میں لکھتے ہیں: لکنی استبعد و قوعها بالنسبة الیٰ جلالة قدر البخاری ودقة فهمه وسعة نظره و غور فكره ممالا يخفى على من انتفع بصحيحه، و على تقدير صحتها فالبشر يخطي۔ ماخوذ مقدمہ کشف الباری، ص ۱۴۶)

دوسری دفعہ اخراج

دوسری مرتبہ اس وقت نکالے گئے جب انہوں نے فتویٰ دیا کہ ایمان مخلوق ہے۔ ابوبکر بن حامد، ابوحفص الزاہد اور شیخ ابوبکر الاسماعیلی حنفیہ کے اکابر میں سے تھے۔ انہوں نے ایک محضر پر دستخط کیے کہ ایمان مخلوق نہیں اور جو اس کے مخلوق ہونے کا قائل ہو وہ کافر ہے۔ چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے مخلوق ہونے کے قائل تھے، اس لیے ان کو بخاریٰ سے نکالا گیا۔ صاحب ''فصول عمادیہ'' نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (تعلیقات ''دراسات اللبیب'' ص ۳۰۴، ۳۰۵)

لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ احناف کے یہ اکابر غیر مخلوق ہونے کے قائل ہیں لیکن دوسری جماعت مخلوق ہونے کی قائل ہے۔ امام بخاری اور محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اسی طرف ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں پر نکیر کی ہے، وہ فرماتے ہیں جو ایمان کو مخلوق کہتا ہے وہ کافر ہے اس لیے کہ اس میں کلام اللہ کی طرف تعریض ہے اور جو ایمان کو غیر مخلوق کہتا ہے وہ متبدع ہے۔ (مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (ج ۷، ص ۶۵۵/۶۶۱) فصل: وأما الایمان هل هو مخلوق أو غير مخلوق)

حقیت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے اگر کوئی ایمان بول کر کلمۂ شہادت

مراد لیتا ہے اور اس کو مخلوق کہتا ہے تو غلط ہے۔ کیونکہ ''لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' قرآن کا دستور ہے اور اگر کوئی آدمی ایمان سے اقرارِ لسانی، تصدیق بالقلب اور عمل بالارکان مراد لیتا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے۔ اس لیے کہ انسان اپنی ذات وصفات کے ساتھ مخلوق ہے۔ مسئلہ کی تصحیح نہیں کی گئی، اجمال سے کام لیا گیا، اس لیے اختلاف و تشدد کی نوبت آئی۔ (مقدمہ کشف الباری، ص ۱۴۷)

تیسری مرتبہ جلاوطنی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب ۲۵۰ھ میں نیشاپور تشریف لے گئے تو امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کل محمد بن اسمٰعیل کے استقبال کے لیے چلنا ہے، جو چلنا چاہے چلے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا استقبال ہوا کہ کسی والی یا حاکم و عالم کا ایسا کبھی استقبال نہیں ہوا تھا۔ دو تین منزل آگے بڑھ کر لوگوں نے امام سے ملاقات کی۔ آپ نیشاپور تشریف لائے اور اہل بخاریٰ کے محلّہ میں قیام ہوا۔ امام ذہلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو ان کے پاس جانے اور احادیث کے سماع کی ہدایت کی اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ علم کلام کا کوئی مسئلہ دریافت نہ کرنا۔ کیونکہ اگر انہوں نے ہمارے خلاف کوئی بات کہہ دی تو نیشاپور اور خراسان کے ناصبی، رافضی، جہمی، مرجئہ سب خوش ہوں گے اور انتشار بڑھے گا۔

لیکن قاعدہ ہے ''الانسان حریص فیما منع'' چنانچہ ایک شخص نے برسرِ مجلس سوال کرلیا کہ آپ قرآن کریم کے الفاظ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ امام صاحب جواب سے برابر اعراض کرتے رہے، پھر اس کے اصرار پر فرمایا:

القرآن كلام الله غير مخلوق، و أفعال العباد مخلوقة، والامتحان بدعة''. (ھدی الساری، ص ۴۹۰، وسیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۵۴)

بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ پہلے تو محمد بن یحییٰ ذہلی نے لوگوں کو امام بخاری

رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کی ترغیب دی تھی مگر جب ان کی طرف رجوع بڑھا تو ذہلی کو سخت نا گوار ہوا اور انہوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر تنقید کی تدابیر اختیار کیں۔

(ھدی الساری، ص ۴۹۰، تاریخ بغداد، ج ۲،ص ۳۰ و سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲،ص ۴۵۳ و طبقات السبکی، ج ۲،ص ۱۱)

بہرحال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب پر شور مچ گیا، لوگوں میں اختلاف ہوگیا کہ انہوں نے ''لفظی بالقرآن مخلوق'' کہا ہے جبکہ کچھ لوگ انکار کرنے لگے۔ میزبانوں نے مفسدین کو نکال باہر کیا۔

یہ بات شدہ شدہ امام ذہلی تک پہنچی، انہوں نے اعلان کیا:

القرآن كلام الله غير مخلوق من جميع جهاته، وحيث تصرّف فمن لزم هذا استغنىٰ على اللفظ وعما سواه من الكلام فى القرآن، ومن زعم أن القرآن مخلوق فقد كفر و خرج عن الايمان، وبانت منه امرأته، يستتاب، فان تاب والّا ضربت عنقه، وجعل ماله فيئا بين المسلمين، ولم يدفن فى مقابرهم ،ومن وقف فقال: لاأقول: مخلوق ولا غير مخلوق، فقد ضا هى الكفر، ومن زعم أن لفظى بالقرآن مخلوق، فهذا مبتدع، لايجالس ولا يكلّم، ومن ذهب بعد هذا الى محمد بن اسماعيل البخارى فاتهموه فانه لا يحضر مجلسه الامن كان على مثل مذهبه. (تاریخ بغداد، ج ۲،ص ۳۱-۳۲ و سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲،ص ۴۵۵،۴۵۶)

نیز یہ بھی اعلان فرمایا:

ألا من قال باللفظ فلا يحل له أن يحضر مجلسنا.

(اعلام النبلاء، ج ۱۲،ص ۴۶۰ و ھدی الساری، ص ۴۹۱)

اس اعلان کے بعد امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت اپنی چادر اپنے سر پر ڈالی اور اُٹھ کر چل دیئے۔ ان کے پیچھے پیچھے امام احمد بن سلمہ بھی مجلس سے اُٹھ گئے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جتنی حدیثیں لی تھیں ساری واپس کر دیں۔ (ایضاً)

ادھر احمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت! خراسان میں ایک شخص بہت مقبول ہے اور اس مسئلہ میں وہ اڑ گیا ہے، اب کیا کیا جائے؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

وأفوّض أمری الی الله ان الله بصیر بالعباد، اللهم انک تعلم أنی لم أرد المُقام بنیسا بور أشراً، ولا بطراً، ولا طلباً للرئاسة، وانما أبت علی نفسی فی الرجوع الی وطنی لغلبة المخالفین، وقد قصدنی هذا الرجل حسداً لما آتانی الله لا غیر.

پھر فرمایا کہ اے احمد! میں کل ہی یہاں سے نکل جاؤں گا تاکہ میری وجہ سے آپ لوگ ان کی باتوں سے خلاصی پالیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۵۹ وھدی الساری، ص ۴۹۱)

جب امام مسلم اور امام احمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ امام ذہلی کی مجلس سے اُٹھ گئے تو ذہلی نے کہہ دیا:

لا یساکننی هذا الرجل فی البلد.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے روانہ ہو کر بخاریٰ تشریف لے گئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۲، ص ۴۶۰ وھدی الساری، ص ۴۹۱)

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ زید مجدہ فرماتے ہیں، یہاں دو باتوں کی تحقیق ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''لفظی بالقرآن مخلوق'' کہا بھی ہے یا نہیں۔ امام سے ''لفظی بالقرآن...'' کہنا کہیں منقول نہیں ہے۔ تاریخ بغداد وغیرہ میں مذکور ہے کہ امام نے اس قول کی نسبت اپنی طرف غلط قرار دی ہے۔ چنانچہ غنجار نے تاریخ بخارا میں اپنی سند سے ابوعمرو احمد بن نصر خفاف سے نقل کیا ہے کہ ہم

ابواسحاق قیسی کی مجلس میں تھے۔ ہمارے ساتھ محمد بن نصر مروزی بھی موجود تھے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چل نکلا تو محمد بن نصر نے کہا کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

من زعم أني قلت: لفظي بالقرآن مخلوق، فهو كذاب، فاني لم أقله.

خفاف نے کہا کہ لوگوں میں تو اس بات کی بڑی شہرت ہے۔ محمد بن نصر نے جواب دیا کہ بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔

ابوعمرو خفاف کہتے ہیں کہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا، ان سے پہلے کچھ حدیثوں کے بارے میں بحث کی یہاں تک کہ وہ کھل گئے۔ پھر میں نے ان سے عرض کیا کہ یہاں کچھ لوگ آپ سے ایسی ایسی بات نقل کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يا أبا عمرو! حفظ ماأقول لک: من زعم من أهل نيسابور، و قومس، والری، وهمدان، وحلوان، وبغداد، والكوفة، والبصرة، و مكة، و المدينة: أني قلت: لفظي بالقرآن مخلوق، فهو كذاب، فاني لم أقله ألا اني قلت: أفعال العباد مخلوقة. (تاریخ بغداد، ج۲،ص۳۲، وطبقات السبکی، ج۲،ص۱۲، وسیر اعلام النبلاء، ج۲،ص۴۵۷، ۴۵۸، وھدی الساری،ص۴۹۱)

دوسری بات ہے مسئلہ اور اس کی تحقیق: سو اہل حق کا سلفاً وخلفاً اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، قدیم ہے اور غیر مخلوق ہے۔

مسئلہ کی تحقیق سے پہلے ایک بات سمجھ لیجئے کہ حسین بن علی کرابیسی، عبداللہ بن کلاب، ابوثور، داؤد بن علی ظاہری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ''لفظی بالقرآن مخلوق'' کے قائل ہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث، ص۲۲۶)

حسین بن علی کرابیسی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے گہرے دوستوں میں سے تھے

لیکن اس قول کے سامنے آنے کے بعد ان کی دوستی دشمنی میں تبدیل ہوگئی۔ چنانچہ اسی مسئلہ کو بنیاد بنا کر ایک نے دوسرے کے خلاف کام کیا۔ (قواعد فی علوم الحدیث، ص ۲۲۶)

چنانچہ کرابیسی رحمۃ اللہ علیہ کو جب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی نکیر کا علم ہوا تو کہا:

ماندری أیش نعمل بهذا الفتی؟ ان قلنا: مخلوق، قال: بدعة، و ان قلنا: غیر مخلوق، قال: بدعة. (تھذیب التھذیب، ج ۲، ص ۳۶۱، ترجمۃ حسین ابن علی ابن یزید الکرابیسی)

اسی طرح داؤد ظاہری پر امام اسحاق بن راھویہ نے نکیر کی، پھر جب یہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ان کو روک دیا گیا اور فرمایا کہ مجھے محمد بن یحییٰ ذہلی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ''لفظی بالقرآن مخلوق'' کے قائل ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ تو انکار کرتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

محمد بن یحییٰ اصدق منه. (لسان المیزان، ج ۲، ص ۴۲۲، ترجمۃ داؤد بن علی الأصبھانی الظاہری)

اب مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اس پر تو اجماع ہے کہ قرآن اللہ کا کلام، قدیم اور غیر مخلوق ہے، البتہ قائل کے الفاظ اور تلاوت کے بارے میں اختلاف ہے۔ تلاوت و متلو ایک ہیں یا دونوں میں فرق ہے۔ بعض نے فرق کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ متلو اللہ کا کلام ہے اور تلاوت قاری کا فعل ہے۔ بعض نے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ دونوں کو ایک مانتے تھے۔ (شرح أصول اعتقاد أھل السنۃ والجماعۃ، ج ۲، ص ۳۵۵ لأبی القاسم الالکائی رحمۃ اللہ علیہ)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ صرف اس واسطے کہتے تھے تاکہ کوئی یہ تفریق کرکے کہ تلاوت قاری کا فعل ہے اور متلو اللہ کا کلام ہے، چونکہ متلو کا وجود قاری کی تلاوت پر مبنی ہے اس لیے قرآن کے مخلوق ہونے کا قول اختیار نہ کرے۔ ورنہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے ''لفظی بالقرآن مخلوق'' پر نکیر کرتے تھے اسی طرح ''لفظی بالقرآن غیر مخلوق'' پر بھی نکیر کرتے تھے۔ (شرح أصول اعتقاد أھل السنۃ والجماعۃ، ج ۲، ص ۳۵۵)

اب جبکہ امام احمد اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ایک ہوا، کیونکہ اگر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لفظ وملفوظ اور تلاوت ومتلو میں فرق نہ ہوتا تو ''لفظی بالقرآن غیر مخلوق'' پر وہ نکیر نہ کرتے۔ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا زبردست اختلاف کیوں کیا؟ اور اس اختلاف کی تشہیر کیوں ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ قدریہ، جہمیہ اور معتزلہ سے تھا جو قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل تھے اور مختلف تعبیروں سے اس کو پیش کرتے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''لفظی بالقرآن مخلوق'' کہنے پر اس لیے نکیر کی کہ جہمیہ اس سے اپنے مسلک کا پرچار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ''لفظی بالقرآن مخلوق'' اور ''القرآن بلفظی مخلوق'' میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حالانکہ پہلے جملہ میں ''مخلوق'' کا حمل ''لفظی'' پر ہے اور دوسرے جملے میں ''مخلوق'' کا حمل ''قرآن'' پر ہے۔ جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ ان حنابلہ سے ہوا جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے علوم سے پوری طرح واقف نہیں تھے اور خلق قرآن کے مسئلہ میں اس قدر مبالغہ کرتے تھے کہ جس روشنائی سے قرآن لکھا جاتا ہے اور جس کاغذ پر وہ لکھا جاتا ہے، قرآن کریم لکھے جانے کے بعد وہ روشنائی اور کاغذ کو بھی قدیم کہتے تھے اور وہ آواز جو قاری کی زبان و حلق سے نکلتی ہے اس کو بھی قدیم کہتے تھے۔ حالانکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب اولوا العلم والفضل میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں تھا۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ اور صوت ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ لفظ اور چیز ہے، صوت اور چیز ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے کہ وہ قرآن نہیں ہے، انسان کا فعل ہے اور مخلوق ہے۔ حدیث میں ہے:

"زينوا القرآن باصواتكم". (سنن نسائی، ج۱، ص۱۵۷، کتاب الافتاء، باب تزئين القرآن، بالصوت، وسنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب استحباب الترتیل فی القراءۃ، رقم (۱۳۶۸)، وسنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب فی حسن الصوت بالقرآن، رقم ۱۳۴۲)

اور کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی سے روایت نقل کرتا ہے تو

''هذالفظه'' کہتا ہے یا ''هذا معناه'' لیکن ''هذا صوته'' کوئی نہیں کہتا۔ لفظ و صوت کا فرق اسی سے ظاہر ہے۔ لفظ کی نسبت متکلم اوّل کی طرف کی جاتی ہے، صوت کی نسبت متکلم اوّل کی طرف کوئی نہیں کرتا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ کے بارے میں وہ انداز اختیار نہیں کیا جو صوت کے بارے میں انہوں نے اختیار کیا ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ تاکہ کوئی ''لفظی مخلوق'' کہہ کر یا اس جیسا دوسرا لفظ بول کر خلق قرآن کا پرچار شروع نہ کردے۔ بہر حال یہ ضمنی طور پر مسئلہ کی تحقیق تھی۔

(مقدمہ کشف الباری، ص۱۴۹ تا ۱۵۱)

اپنے وطن میں آزمائش

جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور سے بخارا آئے تو اہلِ بخارا نے ان کی آمد پر زبردست استقبال کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں درس شروع کیا، لوگ جوق در جوق حدیثیں سُننے کے لیے آنے لگے۔

ادھر خالق بن احمد ذہلی حاکم بخارا نے امام سے درخواست کی کہ آپ دربارِ شاہی میں تشریف لاکر مجھے بخاری شریف اور تاریخ الکبیر کا درس دیں۔ امام صاحب نے کہلا بھیجا:

أنا لا أذِلّ العلم ولا أحمله الى ابواب الناس.

اور فرمایا اگر تمہیں ضرورت ہو تو میری مسجد یا گھر میں حاضر ہو کر درس میں شرکت کرو۔ اگر تمہیں یہ بات پسند نہ ہو تو آپ حاکم ہیں، مجھے درسِ حدیث سے روک دو تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنا عذر پیش کرسکوں۔ کیونکہ میں علم کو چھپا نہیں سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ سُئل عن علم فكتمه، الجم بلجام من نار. (سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب کراھیۃ منع العلم، نمبر ۳۶۵۸)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حاکم بخارا نے امام صاحب سے کہا کہ میرے

پاس آ کر میرے بیٹوں کو جامع صحیح اور تاریخ کا درس دو۔ امام صاحب نے انکار فرمایا۔ اس نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میرے بیٹوں کو خصوصی طور پر درس دو کہ کوئی اور اس میں شریک نہ ہو۔ امام صاحب نے اس سے بھی انکار فرمادیا۔ اس پر اس نے چندلوگوں کی مدد لی، امام صاحب کے مذہب پر تنقیدیں ہونے لگیں، آپ کو مبتدع قرار دیا، پھر حاکم نے شہر بدر ہوجانے کا حکم دے دیا۔ آپ جب بخارا چھوڑنے لگے تو بددُعا دی:

اللهم أرهِمْ قصدوني به في أنفسهم و اولادهم و أهاليهم.

چنانچہ ایک مہینہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ خلیفۃ المسلمین کسی وجہ سے اس امیر پر ناراض ہوا اور اس کو معزول کردیا۔ پھر حکم دیا کہ گدھے پر سوار کرا کر پورے شہر میں اس کی تذلیل کی جائے۔ آخر میں اسے قید کردیا گیا۔ اسی طرح دوسرے نام نہاد علماء جنہوں نے امام صاحب کو تنگ کیا تھا، وہ بھی اپنے انجام کو پہنچے اور خوب ذلیل ہوئے۔ (ھدی الساری قدیم، ص ۴۹۳، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲، ص ۴۶۳، تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۳۳، تھذیب الکمال، ج ۲۴، ص ۴۶۴)

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی آپ کے واقعہ پر صادق آتا ہے:

من عادى لي وليًّا فقد آذنة بالحرب. (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۶۵۰)

بہرحال امام صاحب کو سمرقند والوں نے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ لیکن وہاں کے لوگ بھی اختلاف کا شکار ہوگئے۔ آپ کو مجبوراً اپنے ننھیال ''خرتنگ'' جانا پڑا، جو بخاریٰ سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ پھر رمضان المبارک وہاں ہی گزارا۔ رمضان کے آخر میں اہلِ سمرقند نے متفقہ طور پر آپ کو سمرقند آنے کی دعوت دی۔ آپ نے ان کی دعوت قبول فرمائی۔

غالب بن جبریل جو امام صاحب کے میزبان تھے، وہ کہتے ہیں میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو رات کے وقت نمازِ تہجد کے بعد دُعا کرتے سُنا:

اللهم قد ضاقت علي الارض بما رحبت فاقبضني اليک.

''اے اللہ! مجھ پر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی

ہے۔اے اللہ! مجھے اپنے پاس بُلا لیجئے''۔

(ھدی الساری، ص۴۹۴، سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۶۶، تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۳۴)

وفات

بہر حال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا سے بیکنہ پہنچے، لیکن وہاں یہ خبر پہلے ہی مشہور ہو چکی تھی۔ وہاں دو جماعتیں ہوگئیں، ایک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اور ایک حق میں۔ بیکنہ پہنچنے کے بعد اہلِ سمرقند کی طرف سے درخواستیں آنے لگیں کہ وہ سمرقند آجائیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو سمرقند کے بارے میں علم ہوگیا کہ وہاں بھی دو جماعتیں ہیں، اس لیے انہوں نے وہاں جانے سے انکار کردیا۔ انہیں اس بات کا سخت افسوس ہوا اور اللہ سے دُعا مانگی، جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

يقول في دعائه اللهم قد ضاقت على الارض بما رحبت

فاقبضني اليك. (شذرات الذهب، ابن العماد، ج ۲، ص ۱۳۵)

اے اللہ! زمین اپنی وسعت کے باوجود میرے لیے تنگ ہوگئی۔

اب تو مجھے اپنی طرف بُلا لے۔

کہا جاتا ہے اس سے چند روز بعد شوال ۲۵۶ھ کو انہوں نے وفات پائی۔

(تہذیب التہذیب: ج ۹، ص ۵۲)

منقول ہے کہ اس الزام کے بعد اہلِ سمرقند اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ ان پر الزام ہے۔ انہوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو سمرقند لے جانے کے لیے اصرار کیا۔ وہ تیار ہوگئے اور لوگ ان کو سواری پر بٹھانے لگے تو آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو۔ مجھ میں ضعف بڑھتا جاتا ہے۔ پھر اس قدر پسینہ آیا کہ آپ شرابور ہوگئے، آپ لیٹ گئے۔ جسم مبارک سے بے انداز پسینہ جاری ہوگیا، یہاں تک کہ آپ نے ہفتہ کی رات نماز عشاء کے بعد لیلۃ الفطر شوال ۲۵۶ھ (۳۱/اگست ۸۷۰ء) کو تیرہ دن کم ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. (طبقات حنابلہ، ج ۱، ص ۲۷۸)

روح پرواز کر جانے کے بعد بھی پسینہ جاری رہا، یہاں تک کہ کفن میں لپیٹ دیے گئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی نصیحت کے مطابق عمامے اور کُرتے کے بغیر کپڑوں میں کفنایا گیا۔ تدفین کی جگہ میں اختلاف ہوا۔ کچھ لوگ سمرقند لے جانا چاہتے تھے اور کچھ اسی جگہ دفن کرنا چاہتے تھے۔ آخر عیدالفطر کے دن نمازِ ظہر کے بعد خرتنک میں جو سمرقند کا ایک قریہ تھا، دفن کر دیئے گئے۔

اس طرح وہ آفتاب عالمتاب، احادیث رسول کریم ﷺ کا خادم، دنیا بھر کے مسلمانوں کا محسن، حامل علوم نبویہ ﷺ خاک میں چھپ گیا اور دُنیائے علم میں تاریکی چھا گئی۔

ایک شاعر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کرتا ہے:

کان البخاری حافظاً و محدثاً جمع الصحیح مکمل التحریر

میلاده صدق و مدة عمره فیها حمید وانقفی فی نور

مولانا محمد سالم قاسمی کی منظرکشی

مولانا محمد سالم قاسمی ابن علامہ انور شاہ کاشمیری ان واقعات کی منظرکشی اس طرح کرتے ہیں:

اس زمانہ میں بخارا کا حاکم ''خالد بن احمد ذہلی'' تھا۔ اس نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو پیغام بھیجا کہ آپ میرے گھر تشریف لا کر میرے لڑکوں کو اپنی کتاب بخاری اور دیگر تصانیف مثلاً کتاب التاریخ وغیرہ پڑھایا کریں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ علم حدیث ہے۔ میں یہ چیز حدیث کی عظمت کے خلاف سمجھتا ہوں کہ تمہارے گھر حدیث پڑھانے آؤں۔ اگر تمہیں ایسا ہی شوق ہے تو اپنے لڑکوں کو میری مجلس میں بھیجا کرو، تا کہ وہ دوسروں کی طرح وہاں بیٹھ کر حدیث کا درس حاصل کریں۔

حاکم بخارا کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب تازیانہ سے کم نہیں تھا۔ تاہم اس نے کہلا بھیجا کہ میں اس پر تیار ہوں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ جس وقت

میرے لڑکے آپ کے پاس حاضر ہوں، اس وقت کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ آسکے بلکہ دروازہ پر باقاعدہ سنتری کا پہرہ ہو کہ وہ دوسروں کو اس وقت درس میں آنے سے روکے۔ یہ بات میرے لئے بالکل ناقابل برداشت ہے کہ جس مجلس میں میرے لڑکے ہوں، اسی مجلس میں عوام اور دوسرے کم حیثیت لوگ آ کر اُن کے برابر بیٹھیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم مذکور کی یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ علم پیغمبر ﷺ کی میراث ہے۔ اس میں پوری امت برابر کی شریک ہے۔ اس کو حاصل کرنے میں کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں ہے۔

حاکم بخارا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب پا کر سخت مشتعل ہوا اور اس نے طے کیا کہ جس طرح بھی ہو اس ''خودسر'' عالم کو مزہ چکھا کر چھوڑنا ہے۔

ایسے علماء کی کسی زمانہ میں کمی نہیں رہی ہے جو دولت و جاہ اور شہرت حاصل کرنے کے لئے اپنے ضمیر کو حکومتِ وقت کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور محض اپنے ذاتی فائدہ اور نفسانی اغراض کی خاطر نہ صرف یہ کہ اپنی جبین علم کو حکومت کی ذلیل چوکھٹ پر ٹیک دیتے ہیں بلکہ اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے دوسرے علماء حق کی پگڑیاں اچھالنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

یہی حال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی ہوا۔ ایسے علماء جو بظاہر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق کار اور ہمدرد تھے، لیکن سردارِ بخارا کی دولت کی جھنکار پر سب کچھ کرنے کے لئے تیار تھے۔ ان کو سردار نے اپنے ساتھ لے کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل پر طعن و تشنیع شروع کی۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک اور اجتہاد پر تنقید کرنے لگا۔ آخر کار ان ہی علماء کی مدد سے ایک فہرستِ الزام تیار کی گئی۔ جس کی بناء پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بخارا سے شہر بدر کر دیا گیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جس وقت شہر سے رخصت ہو رہے تھے، آپ کی زبان پر یہ جملہ تھا: ''خداوندا! میں یہ معاملہ تیرے سپرد کرتا ہوں''۔

چنانچہ ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہی سردار خالد بن احمد خلیفہ وقت

کے حکم سے معزول کر دیا گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ خلیفہ کے حکم سے اس کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں پھرایا گیا۔ چنانچہ یہ اس کا انجام بد ہوا۔

اسی طرح ایک عالم حریث بن ورقہ جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف سازش میں حاکم کا ساتھی تھا۔ وہ بھی بہت بُری طرح ذلیل وخوار ہوا۔ ایک اور عالم بھی اس سازش میں شریک تھا، اس کا انجام یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے قہر نے بشکل آفت و بلا اس کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اس کے تمام بچے مر گئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا سے نکل کر نیشا پور پہنچے۔ آپ کی خودداری اور استغناء نے نیشا پور کے حاکم کو بھی ناراض کر دیا۔ اس لئے نیشا پور بھی چھوڑا اور آخر کار آپ نے سمرقند سے چھ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں ''خرتنگ'' میں اقامت اختیار کی۔ اسی جگہ آپ کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہو گیا اور رمضان کی آخری عید کی رات ۲۵۶ھ میں بعمر ۶۲ سال آپ واصل بحق ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

(مقدمہ مظاہر حق، ۵۳)

بشارتِ عظمیٰ

عبدالواحد بن آدم اویسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں۔ میں نے سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا، میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم محمد بن اسمٰعیل بخاری کا انتظار کر رہے ہیں۔ چند دنوں کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع پہنچی تو یہ بعینہٖ وہی وقت تھا جس وقت نبی کریم ﷺ کو میں نے دیکھا تھا۔

(ھدی الساری قدیم، ص ۴۹۳، سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۶۸)

کرامت کا ظہور

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ ادا کر کے دفن کر دیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ

علیہ کی قبر سے کستوری کی خوشبو آنے لگی۔ لوگ آتے، تعجب کرتے اور قبر کی مٹی اٹھا کر لے جاتے۔ پھر قبر کی حفاظت کے لئے چوکیدار رکھا گیا لیکن لوگوں کی آمد اور مٹی اٹھانے کا سلسلہ نہ رُکا۔ مجبوراً لکڑی کی جالی بنا کر لگا دی گئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مخالفین یہ کرامت دیکھ کر تائب ہو گئے تھے۔

(ھدی الساری قدیم، ص ۴۹۳، سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۶۷)

تدفین کے بعد قبر سے اس نہایت تیز خوشبو کو جسے مؤرّخین عنبر اور مشک سے بڑھی ہوئی قرار دیتے ہیں۔ اس خوشبو کی شہرت سُن کر لوگ دُور دُور سے آ کر اس مٹی کو لے جاتے تھے۔ بعد میں لوگوں نے اس خطرے سے کہ کہیں قبر کی مٹی ہی ختم نہ ہو جائے، قبر کو محصور کر دیا۔ (ترجمہ جامع صحیح البخاری، ص ۴۷)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر کی مٹی سے مشک کی خوشبو کی وجہ سے لوگ آپ کی قبر کی زیارت کے لیے آتے تو تبرکاً آپ کی قبر کی خوشبودار مٹی ساتھ لے جاتے چنانچہ قبر پر گڑھا پڑ جانے کی وجہ سے رکاوٹ قائم کی گئی لوگ اِرد گرد کی مٹی لے جاتے اور اس میں بھی مشک کی خوشبو پاتے اور یہ خوشبو عرصہ دراز تک باقی رہی۔

امام بخاری کی قبر روضة من ریاض الجنة ہے

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ یہ جو قبر ہے یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوتی ہے۔ شیخ التفسیر، سلطان العارفین حضرت لاہوری رحمہ اللہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر دل کی آنکھیں کھل جائیں تو قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ (واقعی) یہ جنت کا باغ ہے یا دوزخ کا گڑھا؟

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو جب قبر میں اتارا گیا تو آپ نے پڑھا کہ جنت روح الریحان ہے، خوشبوئیں ہی خوشبوئیں ہیں اور یہی قبر جس کا دنیا آج انکار کر رہی ہے جنت کا باغ ہے تو بعض اوقات جنت کی یہ خوشبو اتنی مہکتی ہے کہ وہ برزخ

کا پردہ پھاڑ کر باہر بھی آجاتی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کو جب قبر میں رکھا گیا تو اتنی خوشبو پھیلی کہ وہ برزخ کے پردہ سے باہر آئی اور لوگ سونگھ رہے تھے کہ واقعی یہی قبر ہے کہ جسے روضۃ من ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے اور سارے ہی کہہ رہے تھے کہ یہ خوشبو ان خوشبوؤں میں سے نہیں ہے جو دنیا میں موجود ہے۔ (خطبات صفدر، ج۱ص ۳۹)

مزارِ بخاری کی برکات

امام بخاری کی نمازِ جنازہ کے بعد جب ان کی قبر پر مٹی ڈالی گئی تو مدتِ مدید تک اس مٹی سے مشک کی مہک آتی رہی۔ اور عرصہ دراز تک لوگ دور دور سے آکر امام بخاری کی قبر کی مٹی کو بطور تبرک لے جاتے رہے۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، ہدی الساری ج ۲، ص ۲۶۶)

ابوالفتح سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری کے وصال کے دو سو سال بعد ''سمرقند'' میں خشک سالی کی وجہ سے قحط نمودار ہوگیا۔ لوگوں نے بارہا نماز استسقاء پڑھی، دعائیں مانگیں مگر بارش نہ ہوئی پھر ایک مردِ صالح، قاضی شہر کے پاس گیا اور اس کو مشورہ دیا کہ تم شہر کے لوگوں کو لے کر امام بخاری کی قبر پر جاؤ اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگو شاید اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرلے، قاضی شہر نے یہ مشورہ قبول کرلیا اور اللہ تعالیٰ سے نہایت خضوع وخشوع سے دعا مانگی اور امام بخاری کے مزار پر دُعا کی درخواست کی اسی وقت آسمان پر بادل اُمڈ آئے اور سات دن تک لگاتار اس قدر بارش ہوتی رہی کہ لوگوں کے لیے ''خرتنگ'' سے ''سمرقند'' پہنچنا مشکل ہوگیا۔ (شہاب الدین احمد قسطلانی، متوفی ۹۲۳ھ، ارشاد الساری ج۱، ص ۳۹)

اللہ تعالیٰ نے امام بخاری رحمہ اللہ کو جس سعادت سے نوازا تھا کہ آپ کی قبر مبارک سے خوشبوئیں اٹھیں، یہ سعادت ہماری معلومات کے مطابق چودہ صدیوں میں کسی غیر مقلد بزرگ کو تو نصیب نہ ہوسکی، ہاں اکابر دیوبند میں سے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی تو غیر مقلدین اسے برداشت نہ کر

سکے اور اس خبر کے گپ ہونے کا شاہی فتویٰ صادر فرما دیا، مولانا اسماعیل سلفی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

مرحوم کی قبر سے خوشبو پھیلنے کی بڑی شہرت تھی وہ بھی گپ ہی ثابت ہوئی، جب تک عرقِ گلاب اور عطر کا اثر قائم رہا جو اُن کے عقیدت مندوں نے قبر پر گرایا تھا خوشبو آتی رہی، وعشاق اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے تو خوشبو جاتی رہی۔ (فتاویٰ سلفیہ، ص ۲۳)

۱۹۶۲ء میں جب حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی قبر سے اٹھنے والی خوشبو کی خبر مشہور ہوئی تھی تو دور دور سے لوگ مشاہدے کے لئے آئے تھے حتی کہ لیبارٹری والوں نے لیبارٹری میں مٹی لے کر جا کر تجزیہ کیا تھا اور یہ رپورٹ دی تھی کہ یہ خوشبو دنیاوی نہیں ہے، آج بھی بہت سے لوگ حیات ہیں کہ ہم نے خود وہ خوشبو سونگھی تھی وہ دنیاوی خوشبو نہیں تھی، خیر غیر مقلد حضرات نہیں مانتے تو نہ مانیں ہمیں بہر حال اس پر فخر کہ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے اکابر دیوبند کے نصیب میں لکھی ہے جو انہیں ملی اور ملتی رہے گی، حال ہی میں دنیا نے پھر دیکھ لیا کہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے پہلو میں جب حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کی تدفین ہوئی تو اُن کی قبر سے بھی دِنوں تک خوشبو مہکتی رہی۔ ذلک فضل یؤتیه من یشاء

آپ کے قبر کے پاس استسقاء اور استشفاع

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ابوعلی غسانی کہتے ہیں کہ ۴۶۴ھ کی بات ہے کہ ہمارے پاس بلنسیہ میں شیخ ابو الفتح نصر بن حسن سکتی سمرقندی تشریف لائے انہوں نے بتلایا کہ ہمارے یہاں سمرقند میں ایک سال ایسے ہوا کہ بارشیں ہونی بند ہو گئیں اور قحط پڑ گیا لوگوں نے کئی بار بارش کے لئے دعا کی مگر بارش نہ ہوئی، ایک نیک وصالح شخص جو نیکی میں معروف تھا وہ سمرقند کے قاضی کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میری ایک رائے ہے کہیں تو عرض کروں؟

قاضی نے کہا بتلاؤ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ اور آپ کے ساتھ عوام الناس حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر پر جائیں جو کہ خرتنگ میں ہے اور آپ کی قبر کے نزدیک بارش کی دعا کریں، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیراب فرما دیں، قاضی صاحب نے کہا کہ بہت اچھا خیال ہے چنانچہ قاضی صاحب اور عوام الناس امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر پر گئے قاضی صاحب نے عوام کے ساتھ مل کر بارش کی دعا کی اور لوگ امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر کے نزدیک خوب روئے اور صاحبِ قبر (امام بخاری رحمہ اللہ) سے استشفاع کیا (یعنی ان سے عرض کیا کہ آپ بھی ہمارے لئے اللہ کے حضور میں بارانِ رحمت کی دعا کریں) اللہ تعالیٰ نے اس دعا و گریہ وزاری اور استشفاع کے طفیل ایسی بارانِ رحمت نازل فرمائی کہ اس کی وجہ سے لوگوں کو سات دن تک خرتنگ میں ٹھہرنا پڑا، بارش کی کثرت کی وجہ سے کوئی بھی سمرقند نہیں پہنچ سکتا تھا حالانکہ خرتنگ اور سمرقند کے درمیان صرف تین میل کا فاصلہ تھا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲ص ۴۶۹)

اس واقعہ سے جہاں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی کرامت بعد الموت ثابت ہو رہی ہے وہیں یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ بزرگوں کی قبور سے برکت حاصل کرنے اور بزرگوں سے استشفاع کے قائل تھے اور عملاً کیا بھی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ بزرگوں کے طفیل ان کی دعائیں قبول بھی کیا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے قبر سے برکت حاصل کی گئی اور ان سے استشفاع کیا گیا، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی مقربین بارگاہِ الٰہی کی قبور سے حصول برکت کے قائل تھے چنانچہ آگے چل کر امام بخاری رحمہ اللہ کی تصانیف کے ذیل میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر اور الجامع الصحیح کے ابواب حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ کر مرتب فرمائے تھے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کی محبت کے دعویدار غیر مقلدین حضرات اس کو شرک و بدعت قرار دیتے ہیں۔ ببین تفاوتِ رہ از کجا تا بکجا است

﴿چوتھا باب﴾

شیوخ اور اساتذہ وتلامذۃ

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

***

☆

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ اور اساتذہ جن سے صحیح بخاری کی احادیث حاصل کیں اور تاریخ کبیر، تاریخ صغیر، تاریخ اوسط، جزء القرائۃ خلف الامام، جزء رفع الیدین، الادب المفرد، کتاب خلق افعال العباد اور کتاب الضعفاء الصغیر وغیرہ کی روایات سنی ہیں۔ ان سب کی تفصیل پیش ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ واساتذہ

امام بخاری کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کا خود بیان ہے:

"کتبت عن الف و ثمانین نفساً لیس فیهم الاصاحب حدیث" (تذکرۃ الحفاظ ج ۲)

میں نے ایک ہزار اسّی آدمیوں سے حدیثیں لکھیں، ان میں سب کے سب محدث تھے۔

لیکن یہ مسلم ہے کہ ان کو اسحٰق بن راہویہ اور علی بن المدینی سے زیادہ فیض پہنچا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے شیوخ کے پانچ طبقات قائم کیے ہیں۔

(۱) تبع تابعین، مثلاً محمد عبداللہ الانصاری، ابو عاصم النبیل

(۲) تبع تابعین کے وہ معاصر جنہوں نے کسی ثقہ تابعی سے حدیث کی روایت نہیں کی جیسے آدم بن ایاس

(۳) امام صاحب کے اساتذہ کا یہ درمیانی طبقہ ہے، اس میں ان لوگوں کا شمار ہے جن کو کبار تبع تابعین سے اخذ حدیث کا موقع ملا، جیسے قیتبہ بن سعید، احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ

(۴) معاصرین اور ہم عصر رفقاء، جیسے محمد بن یحییٰ ذہلی، ابو حاتم رازی

(۵) وہ معاصرین جو امام صاحب کے تلامذہ کے صف کے تھے، لیکن ان سے بھی بعض مرتبہ انہوں نے روایت کی ہے، جیسے عبداللہ بن حماد آملی وغیرہ

ان محدثین سے استفادہ میں امام صاحب نے امام وکیع کے اس مقولہ پر عمل فرمایا ہے کہ آدمی اس وقت تک محدث نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بڑوں، معاصرین اور چھوٹوں سے استفادہ نہ کرے۔ (مقدمہ فتح الباری، ص ۴۸۰، تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۱۵۰)

اسی لیے امام موصوف نے اپنے معاصرین وتلامذہ سے بھی روایت کی ہے۔

تلامذہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام صاحب کے تلامذہ اور مستفیدین کا حلقہ بھی نہایت وسیع تھا، فربری لکھتے ہیں کہ امام صاحب سے براہ راست نوّے ہزار آدمیوں نے جامع صحیح کو سنا تھا۔

(ارشاد الساری، ص۳۳)

امام صاحب کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، دنیائے اسلام مختلف گوشوں کے آدمی اس میں شریک ہوتے تھے، ان کی مجلس درس کبھی مسجد میں اور کبھی ان کے مکان میں منعقد ہوتی تھی، ان کے شاگردوں میں بڑے پایہ کے علماء و محدثین تھے، مثلاً حافظ ابوعیسیٰ ترمذی، ابوعبدالرحمٰن نسائی مسلم بن حجاج وغیرہ جو حدیث کے ارکان ستہ کے جلیل القدر رکن ہیں۔ (تہذیب الاسماء واللغات از نووی، ص۷۳)

ابوزرعہ، ابوحاتم، ابن خزیمہ محمد بن نصر مروزی، ابوعبداللہ الفربری وغیرہم بھی امام صاحب کے تلامذہ میں ہیں جو آگے چل کر خود بڑے پایہ کے محدث ہوئے اور ہزاروں لاکھوں کو نفع پہنچا۔ (تذکرہ الحفاظ)

امام فربری امام صاحب کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام المحدثین سے نوے ہزار شاگردوں نے صحیح بخاری روایت کی۔ ممکن ہے کہ یہ تعداد صحیح ہو لیکن حق یہ ہے کہ صحیح تعداد کا پتہ لگانا ایک دشوار امر ہے۔ امام المحدثین کا حلقہ درس فقہ، حدیث، تاریخ، تفسیر، نکات اسانید وعلل غامضہ، کی ایک جامع درس گاہ ہے۔ امام المحدثین کی درس گاہ کو ایک مکان فرض کرو جس کے متعدد دروازے ہیں اور ہر دروازے پر ایک صاحب کمال موجود ہے جو طالبین کی ضرورتوں کو پوری کرتا ہے۔ بعض طالبین نکات فقیہہ کے دلدادہ ہیں، تو دوسرے صحیح حدیثوں کے شیفتہ، کسی کو تفسیر سے شغف ہے تو کسی کو تاریخ سے دلچسپی، کچھ لوگ علل غامضہ اور تدقیقات اسانید و رجال کے شیدا نظر آرہے ہیں۔ ان کے علاوہ ایسے لوگ بھی شامل درس ہیں جن کو فرق باطلہ کی تردید کا شوق دامن گیر ہے۔ اور علم کلام سے شغف، ایک امام المحدثین

کی جامعیت نے سب کو گرویدہ کر رکھا ہے۔ ان میں کچھ تلامذہ ایسے باکمال نظر آرہے ہیں جن کو امام المحدثین کی ذات سے خاص قسم کا تعلق ہے جن کے تذکرے کے بغیر امام المحدثین کی علمی تاریخ نا تمام رہتی ہے، اور آپ کی علمی مجلسوں کی گرم جوشی کا صحیح اندازہ بغیر ان کے مشکل ہے۔

امام بخاری کے ان تلامذہ کا مختصر تذکرہ جو فنونِ اسلامیہ، حدیث، تفسیر، فقہ، لغت و فنونِ ادب کے امام تسلیم کیے گئے ہیں۔ ان کے مختصر حالات کی ایمان افروز جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

امام مسلم بن حجاج

امام مسلم کی شہرت، تبحر علمی، قوت حافظہ، جودت فقاہت، محتاج بیان نہیں ہے۔ یہ امام بخاری کے ان تلامذہ میں ہیں جو امام بخاری کو یا سید المحدثین کہا کرتے، امام دار قطنی کہتے ہیں:

لَوْ لَا الْبُخَارِيُّ لَمَّا جَآءَ مُسْلِمٌ وَلَا رَاحَ وَمَا ذُكِرَ

امام مسلم امام صاحب کا اس قدر ادب کرتے کہ نکات حدیثیہ کے پوچھنے اور حل کرنے میں رونے لگتے۔

کبھی امام بخاری کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور کہتے مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کے قدموں کا بوسہ لوں، دَعْنِيْ اُقَبِّلُ رِجْلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْحَدِيْثِ

محمد بن یحییٰ ذہلی سے جب امام بخاری کا ناگزیر قصہ پیش آیا تو باوجودیکہ تمام شہر امام صاحب سے الگ ہو گیا تھا لیکن امام مسلم اس مسئلہ کی تہہ تک پہنچ چکے تھے، امام صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا۔ (مقدمہ الفتح)

بلکہ امام ذہلی سے جس قدر تقریرات لکھ چکے تھے سب کو اونٹوں پر لدوا کر واپس کر دیا۔

نام مسلم، ابو الحسین کنیت، عساکر الدین لقب، ۲۰۲ میں ولادت ہے۔ سلسلہ

نسب یہ ہے۔ مسلم بن حجاج بن ورد بن کوشاذ۔ چونکہ امام مسلم کا سلسلہ نسب قبیلہ قشیر سے ملتا ہے اس وجہ سے قشیری کہے جاتے، از روئے وطن نیسابوری الاصل ہیں، سفر کی وسعت میں عراق حجاز، شام، مصر، یہ سب داخل ہیں، ان مقامات میں برابر آپ کا دورہ رہتا، بغداد کئی بار جانے کا اتفاق ہوا، بغداد میں آپ نے درس بھی دیا ہے، آخر سفر بغداد کا ۲۵۹ ہجری ہے۔

اساتذہ اور شیوخ کی تعداد گنانی مشکل اور تطویل لا طائل ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، امام محمد بن اسماعیل البخاری وہ اساتذہ ہیں جن پر امام مسلم کو فخر اور ناز تھا۔

تلامذہ کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے، ابو حاتم رازی، ابو عیسیٰ الترمذی، ابوبکر بن خزیمہ، یحییٰ بن صاعد۔ ابو عوانہ بڑے پایہ کے لوگ ہیں، مزاج میں استغنا اس قدر تھا کہ کبھی کسی شخص کی فیاضیوں کے دست نگر نہ ہوئے۔ ۲۵/ رجب ۲۶۱ھ علاقہ نیشا پور کے شہر نصیر آباد میں ۵۵ برس کے سن میں وفات پائی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی

امام ترمذی امام صاحب کے ان تلامذہ میں ہیں جن کی عمر کا اکثر حصہ امام صاحب کے فیض تعلیم کا ممنون رہا۔ اسی لیے امام ترمذی امام بخاری کے ساختہ پرداختہ کہے جاتے ہیں۔ بعض محدثین نے امام بخاری کا ان کو خلیفہ بھی لکھا ہے۔

امام ترمذی کی وسعت نظر، کثرت اطلاع، دقت فہم، سیلان ذہن، محتاج بیان نہیں۔

امام ترمذی کا سن ولادت ۲۰۹ھ ہے۔ محمد نام، ابوعیسیٰ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن الضحاک السلمی الضریر البوغی الترمذی۔ امام ترمذی کے دادا مروزی الاصل ہیں۔ کسی وجہ سے ترمذ میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ سورہ آپ کے دادا کا نام ہے۔ امام ترمذی کا سلسلۂ نسب بنی سلیم سے ملتا ہے جو بنی غیلان

کی ایک شاخ ہے، عیسیٰ امام ترمذی کے والد کا نام بھی ہے اور امام ترمذی کی کنیت بھی ابوعیسیٰ ہے، امام ترمذی کا سلسلۂ شیوخ نہایت وسیع ہے، امام بخاری، امام مسلمؒ، ابوداؤد، قتیبہ بن سعید، علی بن حجر، محمد بن بشار۔ یہ لوگ امام ترمذی کے شیوخ میں بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ امام ترمذی کی فقاہت اور تبحر کا اندازہ جامع ترمذی کے تراجم ابواب سے کیا جا سکتا ہے، سفر طالب علمی اور نشر علوم کا میدان نہایت وسیع ہے۔ بصرہ، کوفہ، واسط، رے، خراسان، حجاز یہ سب امام ترمذی کے سفر کا جولان گاہ ہیں۔ تلامذہ کا سلسلہ بھی بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ غلبہ خوف خدا سے بہت روتے کثرت بکا کی وجہ سے آنکھیں جاتی رہیں، دوسرے مورخین اس بیان سے اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مادرزاد اندھے تھے۔ ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔

امام ترمذی کی تصنیفات میں جامع ترمذی۔ کتاب العلل۔ شمائل ترمذی مشہور ہیں اور ہر جگہ شائع ہیں۔ جامع ترمذی کی شہرت اور گیارہ سو برس سے درس میں داخل ہونا اس کے حسن قبول کی کافی دلیل ہے۔

متقدمین نے جامع ترمذی کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور ان قصائد میں ان خصوصیات کا (جو اس کتاب کو حاصل ہیں) مفصل تذکرہ کیا ہے، علامہ قسطلانی اور ایک دوسرے محدث کے قصیدوں کو علامہ علی بن سلیمان بجمعوی نے اپنی تعلیقات کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔

علامہ قسطلانی کے قصیدہ کا ایک شعر یہ ہے۔

فَاِنَّ التِرْمِذِیَّ لَقَدْ تَصَدّٰی لِعِلْمِ الشَّرْعِ مُغْنٍ عَنْ عُلُومِ

امام ترمذی نے علم شرع کے لیے کمر باندھی جو تمام علوم سے مستغنی کر دیتا ہے۔

امام نسائی

صحاح ستہ کے معزز ایوان میں جن لوگوں نے جگہ پائی، ان میں امام نسائی بھی

ہیں۔ اہل اسلام نے صحاح کے صدر نشینوں میں ان کو بھی تسلیم کیا ہے۔ امام نسائی کی مشہور کتاب سنن نسائی درس میں داخل ہے اور شرقاً وغرباً محدثین اس کا درس دیتے ہیں۔ امام نسائی کی ولادت ۲۱۵ھ میں ہے۔ نام احمد۔ کنیت ابوعبدالرحمٰن۔ مشہور لقب امام نسائی ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار۔ شہر نسا میں (جو بلادِ خراسان کا ایک مشہور شہر ہے اور قریب مرو کے واقع ہے) پیدا ہوئے۔ امام نسائی کی ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی۔ ۲۳۰ھ میں اپنی عمر کے پندرہویں سال وطن چھوڑ کر طالب علمی کا سفر اختیار کیا۔ پہلے امام قتیبہ کی خدمت میں بلخ پہنچے۔ وہاں سے فارغ ہو کر حجاز۔ شام۔ مصر۔ جزیرہ کا سفر کیا۔ مصر مدت تک امام نسائی کا قیام گاہ رہا۔ بلکہ جس قدر ان کی یا ان کی تصانیف اور درس کی شہرت ہوئی مصر ہی سے ہوئی۔ تنقید رجال میں امام نسائی نہایت بلند پایہ تسلیم کئے گئے ہیں۔ حاکم فرماتے ہیں۔ میں نے امام دارقطنی کو مکرر فرماتے سنا کہ امام نسائی جرح رواۃ، فن حدیث، فن تنقید واحتیاط میں اپنے اقران سے کہیں فائق ہیں۔ علامہ ابوسعید اپنی بے بہا کتاب تاریخ مصر میں لکھتے ہیں کہ امام نسائی مصر میں مدتوں رہے۔ فن حدیث میں امام تھے۔ وَكَانَ ثِقَةً حَافِظًا

امام نسائی نہایت قوی الجثہ تھے۔ چہرہ ہمیشہ گلاب کے پھول کی طرح سرخ رہتا، رگوں میں خون کا سیلان بڑی کثرت سے تھا۔ اس وجہ سے بعض کوتاہ بیں کہتے تھے کہ وہ نبیذ پیتے ہیں۔ ایک دن ناغہ کر کے ہمیشہ روزہ رکھتے اس پر بھی ہمیشہ چار بیبیاں نکاح میں علاوہ لونڈیوں کے رہتیں۔

فربری

فربر بفتح الفاء والراء سکون الباء دریائے جیحون کے کنارہ پر ایک آباد شہر ہے اور بخارا سے قریب ہے۔ ابن اخلکان۔

یہ سب سے پچھلے وہ شخص ہیں جنہوں نے امام المحدثین سے صحیح بخاری روایت

کی۔ (مقدمۃ الفتح)

ولادت ۲۳۱ھ میں ہوئی۔ صاحب فضل و کمال ہیں۔ لوگ صحیح بخاری پڑھنے کے لیے اطراف عالم سے ان کے پاس آتے۔ ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ نام محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر ہے۔ صحیح بخاری کے متعدد مقامات میں قال الفربری موجود ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں فربری امام المحدثین کی روایت یا سند کے متعلق کچھ فوائد بتانا چاہتے ہیں یا اس قدر حصہ ان کو بواسطہ پہنچا خود امام صاحب سے نہیں سنا۔ (انساب سمعانی)

امام دارمی

دارم بکسر راء، دارم بن مالک کی طرف منسوب ہے جو بنی تمیم کی شاخ ہے۔

امام دارمی، امام المحدثین کے تلامذہ میں وہ صاحب فضل و کمال ہیں کہ خود امام المحدثین کو ان کی وفات سے بہت بڑا صدمہ ہوا۔ وفات کی خبر سن کر اناللہ پڑھا آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ دیر تک سر نیچے جھکائے رہے اور یہ شعر پڑھا ؎

اِنْ عِشْتَ تَفْجَعُ بِالْاَحِبَّةِ كُلِّهِمُ وَبَقَآءُ نَفْسِكَ اَبًا لَكَ اَفْجَعُ

اس واقعہ سے امام المحدثین کی ان کے ساتھ کمال محبت کا ثبوت ملتا ہے۔

امام دارمی ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ نام عبداللہ۔ کنیت ابو محمد ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام بن عبدالصمد التمیمی الدارمی۔ علوم اسلامیہ کی دھن میں بڑے بڑے سفر کئے۔ بالخصوص حجاز، بلاد خراسان، عراق، مصر وغیرہ، اساتذہ میں امام المحدثین کے علاوہ یزید بن ہارون، نضر بن شمیل اور ان کے اقران بڑے پایہ کے لوگ ہیں۔ سلسلہ درس بہت وسیع ہے اور تلامذہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی۔ ابوداؤد صاحب السنن، عبداللہ بن امام احمد، مشاہیر سے ہیں۔ صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں بھی امام دارمی سے روایتیں موجود ہیں۔ وَكَفٰى بِهٖ فَخْرًا

جزرۃ الحافظ

نام صالح بن محمد جزرہ ہے۔ ۲۰۵ھ میں ولادت ہوئی۔ بڑے قوی الحافظہ تھے۔ بلاد ماوراء النہر میں مدتوں زبانی درس دیتے رہے۔ کتاب پاس بھی نہیں رکھتے۔ اس غضب کا حافظہ تھا کہ کسی نے کبھی حرف گیری یا وہم وغیرہ کا موقع نہ پایا۔ یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، سعید بن سلیمان، ابونصر تمار جیسے لوگوں کے فیض صحبت و تعلیم سے ممتاز ہوئے۔ ۲۶۶ھ میں شہر بخارا میں متوطن ہوئے۔ وہاں کے حاکم نے ان کی بڑی توقیر و تعظیم کی۔ دارقطنی کہتے ہیں۔ کان ثقۃ حافظا عارفا۔ ابن عدی جیسے باکمال شخص حافظ جزرہ کی شان بڑی بتاتے اور بڑی تکریم کرتے۔

ابوسعید کہتے ہیں 'رایت ابن عدی یفخما مرہ و یعظمہ' مزاج میں مزاح اور خوش طبعی تھی۔ علامہ ذہبی نے ان کا مستقل تذکرہ لکھا ہے۔ امام المحدثین کے ہمعصر ہیں۔ لیکن اس فضل وکمال و معاصرت کے ساتھ بھی امام المحدثین کی تحقیقات اور نکات حدیثیہ سے مستغنی نہ رہ سکے اور حلقہ درس میں آکر زانوے تلمذ تہہ کیا اور برابر استفادہ کیا۔ ۲۹۳ھ میں وفات پائی۔ (تذکرہ الحفاظ)

فقیہ امام محمد بن نصر مروزی

۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ امام المحدثین کے علاوہ امام اسحٰق بن راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ، یزید بن صالح، ہشام بن عمار، صدقہ بن الفضل سے شرف تلمذ ہے۔ فقاہت کے ساتھ آثار صحابہ، مذاہب صحابہ و تابعین کے جامع تھے۔ عثمان بن جعفر کے واسطہ سے خطیب راوی ہیں کہ امام ابونصر کا خود بیان ہے کہ میں اپنی ایک لونڈی کے ساتھ مصر سے حج کے لیے بحری سفر سے چلا۔ جہاز غرقاب ہوا اتفاقات سے میں اور میری لونڈی ایک تختہ پر بہہ نکلے۔ اور ایک جزیرہ میں پہنچ گئے اس جزیرہ میں کسی آدمی کا پتہ نہیں تھا۔ پیاس سے جاں بلب ہوا۔ اور تن بتقدیر موت کے خیال میں سوگیا۔ خدا کی قدرت ایک شخص پانی لے کر پہنچ گیا اور ہماری جانیں بچ گئیں لیکن ایک ہزار اجزاء جو

ہمارے ساتھ تھے وہ ضائع ہوگئے۔ فقاہت اور آثار صحابہ کی جامعیت کی وجہ سے جب محمد بن یحییٰ ذہلی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا اور محمد بن نصر وہاں موجود رہتے، تو ان کی طرف اشارہ کرتے حالانکہ وہ بڑے پایہ کے شیخ ہیں

حافظ ذہبی نے محمد بن نصر اور ابن خزیمہ کے سفر طالب علمی کا ایک واقعہ باسند نقل کیا ہے کہ محمد بن جریر طبری، محمد بن نصر، محمد بن اسحاق بن خزیمہ، محمد بن ہارون الرومانی مصر میں کتابت حدیث کے لیے ایک مکان میں جمع تھے۔ خرچ چک گیا۔ فاقہ کی نوبت پہنچی۔ جب فاقہ سے پریشان ہوگئے۔ اور سوال کرنا حلال ہوگیا تو باہم مشورہ کیا گیا کہ سوال کرنا چاہیے۔ سوال کی ممانعت حدیثوں میں سخت آئی ہے۔ ہر ایک نے دوسرے پر ٹالا۔ یہاں تک کہ قرعہ کی نوبت آئی۔ تو قرعہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے نام نکلا۔ مجبور ہوئے تو کہا کہ مجھے اس قدر مہلت دو کہ میں وضو کر کے استخارہ کی نماز پڑھ لوں۔ نماز ہی میں تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ والی مصر کے خواجہ سرا لالٹینیں لئے ہوئے موجود ہیں۔ سواری سے اتر کر پوچھا کہ محمد بن نصر کون ہے۔ لوگوں نے بتایا تو اس نے پچاس اشرفیوں کی ایک تھیلی حوالہ کی۔ اسی طرح ہر ایک کو پکارتا گیا اور دیتا گیا۔ پھر کہا کہ کل والی مصر سویا ہوا تھا۔ بیدار ہوا تو کہتا ہے کہ میں نے ابھی خواب دیکھا ہے کہ محمد یون سخت بھوکے ہیں۔ اس لیے اس نے سردست اس قدر بھیجے ہیں اور قسم دیا ہے کہ جب خرچ چک جائے کسی کو بھیج دو۔ ۲۹۴ھ میں بمقام سمرقند وفات پائی۔ (تذکرہ الحفاظ)

امام ابوحاتم رازی

فن جرح اور تعدیل کے بہت بڑے امام مانے جاتے ہیں۔ ۱۹۰ھ میں ولادت ہوئی۔ ان کی خصوصیات زندگی میں سے یہ ایک مشہور امر ہے کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں ہمیشہ پیادہ پا سفر کرتے۔ ابوحاتم کا بیان ہے کہ ایک ہزار فرسخ تک میں نے پیادہ پا چلنے کا شمار کیا، اس کے بعد شمار چھوڑ دیا، بحرین سے مصر

مصر سے رملہ، رملہ سے طرطوس، ان سب مقامات میں پیادہ پا چل کر گیا ہوں۔ بصرہ میں ایک بار خرچ چک گیا تو کپڑے فروخت کر ڈالے۔ اس پر بھی کئی روز فاقے ہوئے۔ آخر ایک رفیق کو خبر ہوئی تو اس نے آپ کی خدمت و اعانت کی۔ یہ امام المحدثین کے معاصرین میں بڑے صاحب فضل و کمال تھے۔ لیکن امام المحدثین کی تحقیقات اور تدقیقات کے گرویدہ ہو کر امام صاحب سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ ماہ شعبان ۲۷۷ھ میں وفات پائی۔ (مقدمۃ الفتح)

ابراہیم الحربی الامام

فنِ لغت، ادب، نحو، فقہ کے امام مانے جاتے ہیں۔ خطیب لکھتے ہیں:

"کان اماما فی العلم راسا فی الزهد، عارفا بالفقه، بصیرا بالاحکام، حافظا للحدیث، ممیزا للعلة، قیما بالادب، جماعة للغة، صنف غریب الحدیث و کتبا کثیرة".

علامہ ثعلب ایک بہت بڑی لغوی اور نحوی مانے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام حربی کو لغت اور نحو کی درس گاہ سے پچاس برس ہو گئے کبھی ناغہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مزاج میں اس قدر استغنا تھا کہ سلاطین کے وظائف اور تحائف کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے اور یہ استغنا ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو کبھی اس کے کمال کی تحقیق اور اشاعت اور حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ایسا شخص بے رعب اور آزاد ہوتا ہے۔ معتضد باللہ نے جو خلفائے عباسیہ سے ہے، ایک بار دس ہزار درہم نذرانہ بھیجے۔ حربی نے واپس کر دیا۔ پھر دوبارہ بھیجے لیکن پھر بھی نامنظور کیا۔ ماہ ذی الحجہ ۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ امام المحدثین کی درس گاہ میں حاضر ہوتے اور استفادہ کرتے۔ امام المحدثین کی تحقیقات علمیہ سے اسے جامعیت پر بھی مستغنی نہ تھے۔ نہ معاصرت کی عار استفادہ سے مانع آتی۔ (تذکرۃ الحفاظ و مقدمۃ الفتح)

حافظ ذہبی کہتے ہیں: ابراہیم حربی کی چند نادر تالیفات مجھے ہاتھ لگی تھیں۔

ابو بکر بن ابی عاصم الحافظ الکبیر

آپ پچاس ہزار حدیثیں زبانی روایت کرتے۔ اصبہان میں عرصہ تک قضا کے عہدہ پر مامور تھے۔ ۲۸۷ھ میں وفات ہوئی۔ ولادت ۲۰۷ھ بتایا جاتا ہے۔ ابوموسیٰ مدینی نے ان کی مستقل سوانح عمری لکھی ہے۔ امام المحدثین کی درس گاہ میں بایں ہمہ فضل وکمال حاضری دیتے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

ابن خزیمہ صاحب الفقہ والحدیث

حافظ ذہبی نے ان کو امام الائمہ اور شیخ الاسلام کا لقب دیا ہے اور لکھتے ہیں:
انتهت اليه الامامة و الحفظ فى عصره بخراسان فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے۔ تصنیفات کی تعداد حافظ ذہبی نے ایک سو چوالیس بتائی ہے، حافظ ذہبی روایت کرتے ہیں کہ صرف بریرہ کی ایک حدیث کی فقاہت تین جز میں لکھی۔ اسی سے ان کی فقاہت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں:

> ما رايت مثله على وجه الارض من يحسن صناعة السنن و يحفظ الفاظها الصحاح و زياداتها كان السنن بين عينيه. (یعنی ابن خزیمہ جیسا میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو فن حدیث اعلیٰ درجہ کا جانتا ہو اور اس کے صحیح الفاظ اور زوائد کا حافظ ہو گویا حدیث ان کے سامنے موجود رہتی ہے)

حافظہ اس غضب کا تھا کہ علاوہ حدیثوں کے مسائل فقہیہ، حدیثیہ اس طرح از بر تھے جیسے قرآن کی سورتیں۔

ابن خزیمہ نے امام بخاری کے طرز پر صحیح حدیثوں کو انتخاب کر کے ایک کتاب لکھی جو آج صحیح ابن خزیمہ کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن صحیح ابن خزیمہ اور جامع صحیح بخاری میں وہی فرق ہے جو آفتاب و ماہتاب میں ہے۔ اور آپ نہایت مہمان نواز تھے۔ امام ابن خزیمہ باوجود اس فضل وکمال کے امام المحدثین کی درس گاہ میں حاضری دیتے اور استفادہ کرتے اور فرمایا کرتے:

ما رایت تحت ادیم السماء اعلم بالحدیث من محمد بن اسماعیل البخاری.

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں امام المحدثین کے ان تلامذہ کی فہرست دی ہے۔ جن کو امام المحدثین کے ساتھ خصوصیت خاص حاصل ہے وہاں ان کا نام بھی پانچویں طبقہ میں لکھا ہے۔

۲۲۹ھ میں ولادت ہوئی اور ۳۱۱ھ میں وفات پائی۔ سلسلہ نسب یہ ہے ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ بن المغیرہ بن بکر السلمی النیسا پوری۔

ابوجعفر محمد بن ابی حاتم وراق (کاتب البخاری)

امام بخاری کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ صحیح بخاری کے متعدد مقامات میں ان کا ذکر فربری نے کیا ہے۔ یہ امام بخاری کے کاتب اور محافظ دفتر ہیں۔ حدیث کے جن ٹکڑوں کو محمد بن یوسف فربری نے امام بخاری سے بلاواسطہ نہیں سنا ان کو وہ وراق سے لیا کرتے ہیں۔ اس لیے صحیح بخاری کے متعدد مقامات میں قال الفربری حدثنا الوراق عن البخاری مذکور ہے۔ (عینی شرح صحیح بخاری وفتح الباری)

ابوعبداللہ حسین بن اسماعیل المحاملی

ان کے اوصاف میں صاحب انساب سمعانی لکھتے ہیں۔ کان فاضلا صادقا دینا ثقة صدوقا۔ ۲۳۶ھ میں ولادت ہوئی۔ دس برس کے سن سے حدیث کی سماعت شروع کی۔ اساتذہ میں امام بخاری، احمد بن مقدام عجلی اور ان کے معاصرین خاص امتیاز رکھتے ہیں، تلامذہ میں دارقطنی، طبرانی، ابوبکر بن المقری جیسے لوگ خاص قابل ذکر ہیں۔ ان کی مجلس املا میں دس ہزار طالبین جمع ہو جاتے، ۳۳۰ھ میں ایک طویل عمر کے بعد وفات پائی۔ یہ بھی صحیح بخاری کو امام بخاری سے روایت کرتے ہیں۔ (مقدمہ الفتح الامام لابن دقیق العید)

ابواسحاق ابراہیم بن معقل النسفی

ملک مغرب میں ان کی سند سے صحیح بخاری روایت کی جاتی ہے۔ صاحب الامام ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

"و للمغاربه رواية اخرى من جهة ابراهيم بن معقل النسفي عن البخاري موجودة في فهارسهم و غيرها لا اعلمها اليوم في جهة الشرق"

یعنی ملک مغارب میں ان کے واسطہ سے صحیح بخاری روایت کی جاتی ہے۔ اور یہ سند ان کی فہرستوں وغیرہ میں موجود ہے لیکن ملک مشرق اس سند سے خالی ہے۔

صاحب انساب سمعانی لکھتے ہیں:

" وكان من اجلة اصحاب الحديث ومن ثقاتهم ومن افاضلهم"

یہ بھی امام بخاری کے ان تلامذہ میں ہیں۔ جنہوں نے صحیح بخاری روایت کی اور ان سے سلسلہ روایت جاری رہا۔

ان کے علاوہ ابوبکر ابی الدنیا صاحب تصانیف۔ ابوبکر بزار صاحب تصانیف موسیٰ بن ہارون الحمال۔ محمد بن عبداللہ بن المطین۔ ابوبشر دولابی۔ اسحاق بن احمد بن زیرک الفارسی۔ محمد بن قتیبہ البخاری۔ ابوبکر الاعین۔ ابوالفضل احمد بن سلمہ۔ عمر بن محمد البجیر ی۔ حسین بن محمد القبانی۔ یعقوب بن یوسف بن زکریا المطر ز۔ ابوقریش محمد بن جمعہ۔ محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی۔ ابراہیم بن موسیٰ الجوبری۔ علی بن عیاش التابعی۔ ابوحامد الاعمش الاعمشی۔ ابوبکر احمد بن محمد بن صدقہ البغدادی۔ اسحاق بن داؤد الصواف۔ حاشد بن اسماعیل البخاری۔ محمد بن عبداللہ بن الجنید۔ محمد بن موسیٰ النہر تیری۔ جعفر بن محمد النیسا پوری۔ ابوبکر بن داؤد۔ ابوالقاسم البغوی۔ ابومحمد بن صاعد۔

محمد بن ہارون الحضرمی۔ وہ حفاظ حدیث ہیں جن کے مستقل تراجم لکھے گئے ہیں اور ان کی تصانیف آج بھی عالم کو فائدہ پہنچا رہی ہیں یہ لوگ امام بخاری کے تلامذہ میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

شیوخ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جن مقدس ہستیوں سے صحیح بخاری کی احادیث حاصل کی ہیں، ان کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔ محدثین کرام کا فیصلہ ہے کہ صحیح بخاری کے رواۃ جرح وتعدیل کی بھٹی سے گزر چکے ہیں۔ اس لئے ان کا مرتبہ ومقام محدثین کے ہاں بہت بلند اور رفیع ہے۔ بخاری کا راوی ہونا ہی ثقہ اور عادل ہونے کی بین دلیل ہے۔

(۱) احمد بن ابی بکر القاسم بن الحارث (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے)

(۲) احمد بن اسحاق بن الحصین

(۳) احمد بن الحجاج البکری الزھلی المروزی

(۴) احمد بن الحسن بن الجندب ابوالحسن الترمذی (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے)

(۵) احمد بن حفص بن عبداللہ

(۶) ابوعبداللہ احمد بن سعید الرباطی

(۷) احمد بن سعید بن صخر

(۸) احمد بن سنان بن اسدین

(۹) احمد بن شبیب الحبطی

(۱۰) احمد بن صالح

(۱۱) احمد بن الصباح النہشلی

(۱۲) احمد بن ابوالطیب المروزی

(۱۳) احمد بن عبداللہ بن ایوب الحنفی

(۱۴) احمد بن عبداللہ

(۱۵) احمد بن عبدالملک

(۱۶) احمد بن عبیداللہ

(۱۷) احمد بن عاصم

(۱۸) احمد بن عبیداللہ بن یزید

(۱۹) احمد بن عثمان

(۲۰) احمد بن عمر الحمیری

(۲۱) احمد بن عیسیٰ بن حسان

(۲۲) احمد بن محمد شبویہ

(۲۳) احمد بن محمد البزی

(۲۴) احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی

(۲۵) احمد بن محمد بن موسیٰ المروزی

(۲۶) احمد بن محمد المکی

(۲۷) احمد بن المقدام

(۲۸) احمد بن النصر

(۲۹) احمد بن یعقوب المسعودی
(۳۰) احمد بن یونس
(۳۱) ابراہیم بن الحارث
(۳۲) ابراہیم بن حمزہ
(۳۳) ابراہیم بن المنذر
(۳۴) ابراہیم بن موسیٰ
(۳۵) ابراہیم بن یوسف
(۳۶) آدم بن ابوایاس
(۳۷) ازہر بن جمیل
(۳۸) اسحاق بن ابراہیم
(۳۹) اسحاق بن ابراہیم
(۴۰) اسحاق بن راھویہ (یہ عبیداللہ بن مبارک کے شاگرد ہیں)
(۴۱) اسحاق بن ابراہیم
(۴۲) اسحاق بن شاھین
(۴۳) اسحاق بن محمد بن اسماعیل
(۴۴) اسحاق بن منصور
(۴۵) اسماعیل بن ابان
(۴۶) اسماعیل بن ابراہیم
(۴۷) اسماعیل بن الخلیل
(۴۸) اسماعیل بن عبداللہ
(۴۹) اصبغ بن الفرج
(۵۰) امیہ بن بسطام
(۵۱) ایوب بن سلیمان
(۵۲) بدل بن المحبر
(۵۳) بشر بن آدم الضریر
(۵۴) بشر بن الحکم
(۵۵) بشر بن عبیس
(۵۶) بشر بن خالد
(۵۷) بشر بن محمد
(۵۸) بور بن الاصرم
(۵۹) بیان بن عمرو البخاری
(۶۰) ثابت بن محمد (سفیان ثوری کے شاگرد ہیں)
(۶۱) جمعہ بن عبداللہ
(۶۲) حامد بن عمر
(۶۳) حبان بن موسیٰ
(۶۴) حجاج بن منہال
(۶۵) حرمی بن حفص
(۶۶) حسان بن حسان
(۶۷) حسان بن عبداللہ
(۶۸) الحسن بن بشر
(۶۹) حسن بن خلف
(۷۰) الحسن بن ربیع
(۷۱) الحسن بن شجاع
(۷۲) الحسن بن الصباح
(۷۳) الحسن بن عبدالعزیز
(۷۴) حسن بن علی
(۷۵) الحسن بن عمر
(۷۶) الحسن بن عیسیٰ
(۷۷) الحسن بن محمد
(۷۸) حسن بن مدرک
(۷۹) حسین بن حریث
(۸۰) حسین بن عیسیٰ

(۸۱) الحسین بن محمد
(۸۲) الحسین بن منصور
(۸۳) الحکم بن موسیٰ
(۸۴) حفص بن عمیر
(۸۵) ابوالیمان بن نافع
(۸۶) حمید بن زنجویہ
(۸۷) حیوۃ بن شریح
(۸۸) خالد بن خلی
(۸۹) خالد بن مخلد (مالک بن انس کے شاگرد ہیں)
(۹۰) خالد بن یزید
(۹۱) خالد بن یحییٰ
(۹۲) خلف بن خالد
(۹۳) خلیفہ بن خیاط
(۹۴) داؤد بن شبیب
(۹۵) ربیع بن یحییٰ
(۹۶) روح بن عبدالمومن
(۹۷) زکریا بن یحییٰ
(۹۸) زکریا بن یحییٰ بن سلیمان
(۹۹) زکریا بن یحییٰ بن عمر
(۱۰۰) زہیر بن حرب
(۱۰۱) زیاد بن ایوب
(۱۰۲) زیاد بن یحییٰ زیاد
(۱۰۳) زید بن اخزم
(۱۰۴) سُریج بن النعمان
(۱۰۵) سعد بن حفص
(۱۰۶) سعید بن ابی مریم
(۱۰۷) سعید بن الربیع
(۱۰۸) سعید بن سلیمان
(۱۰۹) سعید بن شرحبیل
(۱۱۰) سعید بن عیسیٰ
(۱۱۱) سعید بن کثیر
(۱۱۲) سعید بن محمد
(۱۱۳) سعید بن النضر
(۱۱۴) سعید بن یحییٰ
(۱۱۵) سلیمان بن حرب
(۱۱۶) سلیمان بن داؤد (مالک بن انس کے شاگرد ہیں)
(۱۱۷) سلیمان بن عبدالرحمٰن
(۱۱۸) سیّدان بن مضارب
(۱۱۹) سہل بن بکار
(۱۲۰) شجاع بن الولید
(۱۲۱) شہاب بن عباد
(۱۲۲) صدقہ بن الفضل
(۱۲۳) الصلت بن محمد
(۱۲۴) ضحاک بن مخلد
(۱۲۵) طلق بن غنام
(۱۲۶) ابوالنعمان عارم
(۱۲۷) عاصم بن علی
(۱۲۸) عبدۃ بن عبداللہ
(۱۲۹) عبدالاعلیٰ بن حماد
(۱۳۰) عباس بن الحسین
(۱۳۱) عباس بن عبدالقطم
(۱۳۲) العباس بن الولید

(۱۳۳)عبداللہ بن ابی شیبہ
(۱۳۴)عبداللہ بن ابی القاضی
(۱۳۵)عبداللہ بن حماد
(۱۳۶)عبداللہ بن رجاء
(۱۳۷)عبداللہ بن زبیر
(۱۳۸)عبداللہ بن سعید
(۱۳۹)عبداللہ بن الصباح
(۱۴۰)عبداللہ بن الوہاب
(۱۴۱)عبداللہ بن عثمان
(۱۴۲)عبداللہ بن عمرو
(۱۴۳)عبداللہ بن محمد
(۱۴۴)عبداللہ بن محمد بن اسماء
(۱۴۵)عبداللہ بن محمد بن عبداللہ
(۱۴۶)عبداللہ بن مسلمہ
(۱۴۷)عبداللہ بن یزید (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد)
(۱۴۸)عبداللہ بن منیر
(۱۴۹)عبداللہ بن یوسف
(۱۵۰)عبدالرحمٰن بن ابراہیم
(۱۵۱)عبدالرحمٰن بن بشر
(۱۵۲)عبدالسلام بن مطہر
(۱۵۳)عبدالرحمٰن بن عبدالملک
(۱۵۴)عبدالرحمٰن بن المبارک
(۱۵۵)عبدالرحمٰن بن یونس
(۱۵۶)عبدالرحیم بن عبدالرحمٰن
(۱۵۷)عبدالعزیز بن عبداللہ
(۱۵۸)عبدالغفار بن داؤد
(۱۵۹)عبدالقدوس بن محمد
(۱۶۰)عبدالقدوس بن الحجاج
(۱۶۱)عبدالمتعال بن طالب
(۱۶۲)عبیدابن اسماعیل
(۱۶۳)عبیداللہ سعید بن یحییٰ
(۱۶۴)عبیداللہ بن سعد
(۱۶۵)عبیداللہ بن موسیٰ
(۱۶۶)عثمان بن ابی شیبہ
(۱۶۷)عثمان بن صالح
(۱۶۸)عثمان بن الہیثم
(۱۶۹)عصام بن خالد
(۱۷۰)عفان بن مسلم
(۱۷۱)علی بن ابراہیم
(۱۷۲)علی بن ابی ہاشم
(۱۷۳)علی بن الجعد
(۱۷۴)علی بن الحسن
(۱۷۵)علی بن حسن
(۱۷۶)علی بن الحکم
(۱۷۷)علی بن حفص
(۱۷۸)علی بن عبداللہ
(۱۷۹)علی بن المدینی
(۱۸۰)علی بن نصیر
(۱۸۱)علی بن عیاش
(۱۸۲)علی بن الہیثم
(۱۸۳)عمر بن حفص
(۱۸۴)عمر بن محمد

(۱۸۵) عمران بن میسرہ
(۱۸۶) عمرو بن خالد
(۱۸۷) عمرو بن الربیع
(۱۸۸) عمرو بن زرارہ
(۱۸۹) عمرو بن عاصم
(۱۹۰) عمرو بن عباس
(۱۹۱) عمرو بن علی
(۱۹۲) عمرو بن عیسیٰ
(۱۹۳) عمرو بن عون
(۱۹۴) عمرو بن محمد
(۱۹۵) عمرو بن مزروق
(۱۹۶) عیاش بن الولید
(۱۹۷) عبیداللہ بن عمر
(۱۹۸) علی بن حجر
(۱۹۹) علی بن مسلم
(۲۰۰) عباد بن یعقوب
(۲۰۱) فروۃ بن ابی المغزاء
(۲۰۲) فضل بن سہل
(۲۰۳) ابونعیم
(۲۰۴) الفضل بن یعقوب
(۲۰۵) الفضیل بن حسین
(۲۰۶) قبیصہ بن عقبہ
(۲۰۷) قتیبہ بن سعید
(۲۰۸) قیس بن حفص
(۲۰۹) محمد بن ابان
(۲۱۰) محمد بن ابی غالب
(۲۱۱) محمد بن ابان بن وزیر
(۲۱۲) محمد بن ابی بکر
(۲۱۳) محمد بن ادریس
(۲۱۴) محمد بن اسحاق
(۲۱۵) محمد بن اسحاق بن منصور
(۲۱۶) محمد بن بشار
(۲۱۷) محمد بن جعفر
(۲۱۸) محمد بن جعفر بن ابی مواشہ
(۲۱۹) محمد بن حاتم
(۲۲۰) محمد بن حرب النسائی
(۲۲۱) محمد بن حسین
(۲۲۲) محمد بن الحکم
(۲۲۳) محمد بن خالد
(۲۲۴) محمد بن رافع
(۲۲۵) محمد بن زیاد
(۲۲۶) محمد بن سابق
(۲۲۷) محمد بن سعید
(۲۲۸) محمد بن سلام
(۲۲۹) محمد بن سنان
(۲۳۰) محمد بن الصباح
(۲۳۱) محمد بن الصلت
(۲۳۲) محمد بن الصلت بن الحجاج
(۲۳۳) محمد بن عبادہ
(۲۳۴) محمد بن عبداللہ
(۲۳۵) محمد بن عبداللہ المثنیٰ
(۲۳۶) محمد بن عبداللہ بن المبارک

(۲۳۷) محمد بن عبداللہ بن محمد
(۲۳۸) محمد بن عبداللہ بن نمیر
(۲۳۹) محمد بن عبدالرحیم
(۲۴۰) محمد بن عبدالعزیز
(۲۴۱) محمد بن عبید
(۲۴۲) محمد بن عبید القرشی
(۲۴۳) محمد بن عثمان
(۲۴۴) محمد بن عرعرہ
(۲۴۵) محمد بن العلاء
(۲۴٦) محمد بن عمرو
(۲۴۷) محمد بن عمرو بن جبلہ
(۲۴۸) محمد بن عمرو بن بکر
(۲۴۹) محمد بن عقبہ
(۲۵۰) محمد بن عیسیٰ
(۲۵۱) محمد بن عزیز
(۲۵۲) محمود بن غیلان
(۲۵۳) محمد بن کثیر
(۲۵۴) محمد بن المثنیٰ
(۲۵۵) محمد بن محبوب
(۲۵٦) محمد بن مسکین
(۲۵۷) محمد بن معمر
(۲۵۸) محمد بن مقاتل
(۲۵۹) محمد بن موسیٰ
(۲٦۰) محمد بن مہران
(۲٦۱) محمد بن النضر
(۲٦۲) محمد بن یحییٰ
(۲٦۳) محمد بن یزید
(۲٦۴) محمد بن یحییٰ بن عبدالعزیز
(۲٦۵) محمد بن یوسف
(۲٦٦) محمد بن یوسف بن واقد
(۲٦۷) مالک بن اسماعیل
(۲٦۸) المراء بن حمویہ
(۲٦۹) مسدد بن مسرھد
(۲۷۰) مسلم بن ابراہیم
(۲۷۱) مطر بن الفضل
(۲۷۲) مطر بن عبداللہ
(۲۷۳) معاذ بن اسد
(۲۷۴) معاذ بن فضالہ
(۲۷۵) معاویہ بن عمرو
(۲۷٦) معلّی بن اسد
(۲۷۷) مقدم بن یحییٰ
(۲۷۸) مکی بن ابراہیم
(۲۷۹) منذر بن الولید
(۲۸۰) موسیٰ بن اسماعیل
(۲۸۱) موسیٰ بن حزام
(۲۸۲) مئومل بن ہشام
(۲۸۳) نصر بن علی
(۲۸۴) نعیم بن حماد
(۲۸۵) ابوالولید
(۲۸٦) الہیثم بن خارجہ
(۲۸۷) ہشام بن عماز
(۲۸۸) ہدبہ بن خالد

(۲۸۹) یحییٰ بن بشر
(۲۹۰) یحییٰ بن حماد
(۲۹۱) یحییٰ بن جعفر
(۲۹۲) یحییٰ بن سلیمان
(۲۹۳) یحییٰ بن صالح
(۲۹۴) یحییٰ بن عبداللہ
(۲۹۵) یحییٰ بن عبداللہ بن زیاد
(۲۹۶) یحییٰ بن قزعہ
(۲۹۷) یحییٰ بن محمد السکن
(۲۹۸) یحییٰ بن معین
(۲۹۹) یحییٰ بن موسیٰ
(۳۰۰) یحییٰ بن یعلی
(۳۰۱) یحییٰ بن یحییٰ
(۳۰۲) یحییٰ بن یوسف
(۳۰۳) یسرۃ بن صفوان
(۳۰۴) یعقوب بن ابراہیم
(۳۰۵) یوسف بن بہلول
(۳۰۶) یوسف بن عدی
(۳۰۷) یوسف بن عیسیٰ
(۳۰۸) یوسف بن محمد
(۳۰۹) یوسف بن موسیٰ
(۳۱۰) یوسف بن یعقوب

تلامذہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے جن خوش نصیب حضرات نے صحیح بخاری پڑھی تھی، ان تلامذہ کی تعداد ۹۰ ہزار ہے۔ یعنی نوّے ہزار افراد نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: صحیح بخاری کے ناقلین تقریباً نوّے ہزار سے زائد ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص ''فربری'' نے اپنے وقت میں فرمایا تھا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے نوّے ہزار افراد نے بخاری شریف سُنی تھی۔ لیکن اب اس وقت میرے علاوہ (یعنی فربری) کوئی اور راوی موجود نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فربری نے اپنے علم اور معلومات کی بنا پر یہ دعویٰ کیا تھا۔ ورنہ اُس وقت ابوطلحہ منصور بن محمد بن علی بن قریبۃ البز دودی المتوفی ۳۲۹ھ اور ابراہیم بن معقل النسفی اور حماد بن شاکر النسوی بھی بخاری کے ناقلین میں

سے ہیں جو "فربری" کے بعد تک زندہ رہے ہیں۔ (ھدی الساری قدیم، ص۴۹۲)

مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہٗ فرماتے ہیں: "جن لوگوں نے خاص طور سے اس نسخہ بخاری کو ہم تک پہنچایا ہے، وہ پانچ حضرات ہیں اور پانچ حضرات ہی کے نسخے مشہور اور معروف ہیں"۔

آج جو نسخہ ہمارے سامنے موجود ہے اور ساری دُنیا میں پھیلا ہوا ہے، یہ علامہ فربری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نوّے ہزار شاگردوں میں سے ان ہی کے نسخہ کو شرف قبولیت عام نصیب ہوا۔

امام فربری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والے متعدد ہیں۔ چنانچہ ان کے نسخوں میں بھی تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ مثلاً ایک نسخہ بن السکن رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، ایک مستملی رحمۃ اللہ علیہ کا، ایک کشمیہنی رحمۃ اللہ علیہ کا، ایک اصیلی رحمۃ اللہ علیہ کا اور ایک ابوذر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ یہ تمام نسخے فربری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ (درس بخاری، ص ۱۲۶)

☆☆☆☆☆

کیف القاری فی درس البخاری

مولانا منظور احمد

آؤ یار مل کے سب اس یار کی باتیں کریں
شافعِ روزِ جزا سرکار ﷺ کی باتیں کریں

رات دن جاری زباں پہ ہو حدیثِ مصطفیٰ ﷺ
میٹھی میٹھی سچی سچی پیار کی باتیں کریں

گلشنِ محبوب ﷺ ہو ہر دم نگاہ کے سامنے
خوشنما گل دیکھ کے اسرار کی باتیں کریں

مصطفیٰ ﷺ کے نور سے دل ہو منور تا ابد
اس پیارے نور سے انوار کی باتیں کریں

آپ ﷺ کے اقوال، احوال وصفاتِ جملہ ہم
حسنِ صورت سیرت و کردار کی باتیں کریں

آپ ﷺ کے جُود و سخا علم و حلم و تربیت
عفو و احسان شفقت و ایثار کی باتیں کریں

عزت و عظمت شرافت ہم قیات انبیاء
رفعت و معراج کی دیدار کی باتیں کریں

غزوهٔ بدر و حنین و فتحِ مکہ ہم تبوک
خیبر و خندق، احد انمار کی باتیں کریں

آپ ﷺ کے اصحاب انصار و مہاجر اہلِ بیت
جاں نثار احباب وہم اخیار کی باتیں کریں

عاشقوں کے عشق کی اور صابروں کے صبر کی
زاہدوں کے زہد کی ابرار کی باتیں کریں

عشق کا جرعہ ملا ہے تجھ کو اے منظور اب
تا ابد تا ابد دِلدار کی باتیں کریں

☆☆☆☆☆

﴾پانچواں باب﴿

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات اور شروح وحواشی کا تذکرہ

***

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات

امام بخاری نے تقریباً چوبیس کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

☆ قضايا الصحابة و التابعين (یہ امام صاحب کی سب سے پہلی تصنیف ہے جس میں صحابہ وتابعین کے فتاویٰ اور فیصلے ذکر کیے ہیں)

☆ التاريخ الكبير (یہ دونوں کتابیں مدینہ منورہ میں تصنیف فرمائی ہیں۔ تاریخ کبیر تو روضۂ اطہر کے قریب بیٹھ کر چاند کی روشنی میں لکھی ہے اور امام صاحب نے فرمایا کہ اس تاریخ میں جس قدر نام آئے ان سب کے تفصیلی حالات مجھے پتہ ہیں۔ لیکن خوفاً للطول چھوڑ دیا۔ امام بخاری کے استاد اسحاق بن راہویہ نے جب تاریخ کبیر کو دیکھا تو امیر عبداللہ بن طاہر خراسانی کے پاس تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا ''ايها الامير الا اريک سحرا'' یعنی اے امیر کیا میں آپ کو ایک جادو نہ دکھاؤں اس پر عبداللہ نے بہت ہی حیرت کا اظہار کیا۔ امام بخاری نے اس تالیف میں صحابہ و تابعین اور تبع تابعین اور رواۃ حدیث کا بہ ترتیب حروف تہجی استیعاب کیا ہے)

☆ الادب المفرد (آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے موضوع پر یہ کتاب فقید المثال ہے)

☆ التفسير الكبير

☆ الجامع الكبير

☆ اسامي الصحابة (اس موضوع پر سب سے پہلی تالیف امام بخاری کی ہے)

☆ كتاب المبسوط

☆ الجامع الصغير فى الحديث

☆ بر الوالدين

☆ کتاب الکنی (علامہ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں کہ اس موضوع پر سب سے مفصل تالیف امام نسائی کی ہے)

☆ التاریخ الصغیر (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی ترتیب سنین کے ساتھ رکھی ہے۔ایک سن میں جن مشاہیر علماء امت کا انتقال ہوا، اسے مکمل طور پر لکھنے کے بعد پھر دوسرے سن کے علماء کا تذکرہ کیا ہے)

☆ کتاب الوحدان (اس میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر فرمایا ہے جن سے صرف ایک ہی حدیث روایت ہوئی ہے)

☆ کتاب الھبة (اس میں تقریباً پانچ سو احادیث ہیں)

☆ کتاب الضعفاء الصغیر (اس کتاب میں امام بخاری نے بترتیب حروف تہجی ضعیف ومتروک رواۃ کے نام گنوائے ہیں)

☆ المسند الکبیر

☆ کتاب الاشربة

☆ کتاب الفوائد

☆ کتاب الرقاق

☆ جزء القرأة خلف الامام

☆ رفع الیدین

☆ خلق افعال عباد

☆ کتاب العلل۔(ہدی الساری)

الجامع الصحیح

ان میں سب سے مہتم بالشان ''الجامع الصحیح'' ہے،جس پر ہمیں آئندہ صفحات میں گفتگو کرنی ہے۔متعین طور سے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ امام موصوف نے اس کتاب کی تصنیف کا آغاز کس سنہ سے کیا، اور کب اس سے فارغ ہوئے، لیکن اتنا

معلوم ہے کہ تصنیف کرنے کے بعد اس کو اپنے شیوخ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ ابن المدینی ۲۳۴ھ اور ابن معین ۲۳۳ھ کے سامنے پیش کیا تھا۔

ابن معین کا سنہ وفات ۲۳۳ھ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سنہ میں امام بخاری تصنیف سے فارغ ہو چکے تھے، البتہ اس میں کچھ بعد میں اضافے بھی کرتے رہے۔ (اللامع ص ۳۷)

یہ کتاب امام صاحب نے سولہ سال میں مکمل کی، خود فرماتے ہیں: ''صنفت كتابى الصحيح فى ست عشرة سنة''۔ (وفیات الاعیان ج ۲، ص ۳۳۵)

اس لیے اس کا آغاز ۲۱۷ھ میں ہوگا، جب کہ آپ کی عمر شریف ۲۳ سال کی تھی۔ (اللامع ص ۲۶)

وجہ تسمیہ

اس کتاب کا پورا نام ہے۔ ''الجامع الصحيح المسند من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه''۔

الجامع: جس میں فن حدیث کے آٹھوں ابواب ہوں، اس کو جامع کہتے ہیں، اور اس میں سب ابواب موجود ہیں۔ الصحیح اس کی تمام حدیثیں صحیح ہوں، اگر کوئی معلل یا شاذ روایت آگئی تو اس کا ضمناً ذکر ہے۔ المسند بطور تاکید کے ہے، سنة یعنی آپ کے اقوال وافعال واحوال پر مشتمل ہے۔ أیامہ: امام بخاری نے دور جاہلیت کے بعض ایسے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جس سے آپ ﷺ کی زندگی کا تعلق ہے۔ (افادات شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی)

تالیف اور سبب تالیف مع قیل وقال

بخاری شریف کے سبب تالیف میں متعدد اقوال ہیں:

☆ امام بخاری کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ احادیث صحیحہ کو ایک کتاب کی صورت جمع کر کے ترتیب دیا جائے جس میں ہر قسم کی صحیح احادیث موجود ہوں۔

☆ ایک دفعہ اسحاق بن راہویہ (جو امام بخاری کے استاد ہیں) نے یہ تمنا ظاہر کی کہ کوئی شخص صحیح احادیث کا مختصر مجموعہ مرتب کردے۔ امام بخاری بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ خدا نے ان کے دل میں اس کا داعیہ پیدا کر دیا۔

☆ آپ نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر پنکھا جھل رہے ہیں اور مکھیاں اڑا رہے ہیں۔ فن تعبیر کے ماہرین نے یوں تعبیر دی کہ یہ حضور ﷺ کے کلام سے کذب و افتراء کو دور کریں گے۔ چنانچہ بخاری شریف کی تالیف کی۔ (کذا فی التاریخ للبغدادی)

واضح ہو کہ بخاری شریف کی تالیف کی ابتدا سن ۲۱۷ھ میں ہوئی۔ اس وقت امام بخاری کی عمر ۲۳ سال تھی۔ سولہ سال کے بعد ۲۳۳ھ میں اس عظیم تالیف سے فارغ ہوئے۔ بخاری شریف کے بارے میں دو قسم کی روایتیں ملتی ہیں۔ ایک امام نے اس کو روضۃ من ریاض الجنۃ میں غسل کر کے لکھا۔

دوم حطیم میں لکھی۔ لیکن اس پر ایک اشکال یہ ہوگا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی مدت قیام سولہ سال نہیں تھی بلکہ زیادہ سے زیادہ چار سال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تراجم سارے کے سارے ایک ہی مرتبہ روضہ مطہرہ میں بیٹھ کر لکھے اس کے بعد جتنی جتنی احادیث ملتی رہیں ان کو چھانٹ چھانٹ کر لکھتے رہے۔

اس پر اعتراض ہوگا کہ حطیم اور روضہ مطہرہ میں کافی فاصلہ ہے۔ جمع کیسے ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خود امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے بخاری تین مرتبہ تصنیف کی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تسوید حطیم میں کی ہو اور تبیض روضہ اطہر میں۔

(مقدمہ اردو تقریر بخاری، از شیخ الحدیث)

امام فربری فرماتے ہیں کہ مجھ سے خود امام بخاری نے فرمایا کہ اس کتاب میں ہر روایت سے پہلے میں نے غسل کر کے دو رکعت نفل پڑھی اور پھر استخارہ کیا۔ جب دل کو اطمینان ہوا تو میں نے اس کو اپنی کتاب میں لکھا اور میں نے چھ لاکھ احادیث میں سے منتخب کر کے صحیح بخاری تالیف کی۔ حضرت شیخ الہند نقل کرتے ہیں کہ زمانہ

تصنیف کی پورے سولہ سال روزہ دار رہے اور اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ کسی کو علم نہ ہوتا تھا۔ (فضل الباری ج ۱، ص ۹۱، علامہ شبیر احمد عثمانی)

روایات بخاری کی تعداد

حسب تصریح امام ممدوح یہ کتاب چھ لاکھ احادیث کے ذخیرہ سے انتخاب ہے۔ کل حدیثیں جو درج کتاب ہیں ان سب کی مجموعی تعداد بشمول مکررات و معلقات و متابعات نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) ہے اور بحذف مکررات کل تعداد دو ہزار سات سو اکسٹھ ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بخاری کی روایات کی تعداد ۷۲۷۵ ہے اور عدم تکرار کے ساتھ چار ہزار ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تین جگہوں پر اس میں بحث کی ہے۔ ایک مقدمہ فتح الباری میں، جس میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

لیکن پوری طرح یہ واضح نہیں ہوتا کہ عدد کیا ہے؟ دوم فتح الباری مصری، ج ۱، ص ۸۲ میں، سوم فتح الباری کے خاتمہ میں، آخری دونوں جگہوں کی تصریح کے مطابق بخاری کی احادیث کی تعداد بحذف معلقات و مکررات ۲۵۱۳ ہے اور مقدمہ قسطلانی میں (جو واقعہ میں مقدمہ فتح الباری کی تلخیص ہے) تصریح ہے کہ بخاری میں ۱۲۶۰۰ احادیث ہیں۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ (فضل الباری ج ۱، ص ۷۱)

یہ بھی ممکن ہے کہ روایات میں اختلاف نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے ہو، علماء کے مطابق نسخہ حماد بن شاکر میں نسخہ، فربری کے مقابلہ میں دوسو احادیث کم ہیں اور نسخہ ابراہیم میں تو تین سو احادیث کم ہیں۔ (مقدمۃ لامع الداری)

بعض حضرات نے یہ تفصیل بیان کی ہے۔

(الف) روایات مرفوعہ موصولہ مع مکررات ۷۳۹۷

(ب) روایات معلقہ مخرجہ المتون فی الصحیح ۱۳۴۱

(ج) متابعات ۳۴۴

(د) روایات مرفوعہ موصولہ بدون تکرار ۲۶۰۲

(ہ) روایات معلقہ غیر مخرجہ المتون فی الصحیح ۱۵۹ بقول حافظ یہ عدد آثار صحابہ ومقطوعات تابعین کے علاوہ ہے۔ جن کی کل تعداد ایک ہزار چھ سو آٹھ ہے۔

عادات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وخصوصیات بخاری

جاننا چاہیے کہ صحیح بخاری کی خصوصیات تقریباً ۱۷ ہیں۔ جن کا اجمالی تعارف یہ ہے:

☆ تراجم الابواب کے بارے میں امام بخاری کے اطوار وعادات بہت عمیق ہیں۔ جس کی تفصیل آرہی ہے۔

☆ تسمیہ، حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ جب امام بخاری کو اثنا تالیف میں انقطاع واقع ہوتو دوبارہ لکھتے وقت دوران کتابت بسم اللہ لکھ دیتے ہیں۔

☆ بعض مقام میں امام بخاری نے صیغہ مجہول ذکر کیا ہے جیسے روی، یذکر، یقال، یحکی۔ جس سے ضعف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

☆ بعض مقامات میں قال فلان کہہ دیتے ہیں۔ یہ اس جگہ ہوتا ہے جہاں واسطہ کا احتمال ہو، سماع پر یقین نہ ہو۔

ثلاثیات بخاری مشہور ہے۔ جس کی تفصیل آرہی ہے۔

☆ بعض مقامات میں "نحن الا خرون السابقون" کا جملہ ذکر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخین نے نسخہ شعیب عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرہ اور نسخہ ھمام بن منبہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں نسخوں کی اکثر احادیث کی تخریج کی ہے اور ان دونوں نسخوں کی ابتداء میں یہی حدیث ہے۔ لہٰذا اشارہ کے لیے ان نسخوں کی حدیث کی ابتدا میں یہ جملہ لاتے ہیں۔

صحیفہ ہمام بن منبہ کی روایات کو اس طرح ذکر کرنا کہ قاری کو یہ معلوم ہو جائے

کہ جو حدیث یہاں ذکر کی جارہی ہے وہ استاد نے مصنف کو مجموعہ احادیث کے ضمن میں سنائی تھی۔ صرف وہی حدیث نہیں سنائی تھی اوراس طرح ذکر کرنا کہ سند کے شروع کے الفاظ بھی تبدیل نہ ہوں اور متن بھی جوں کا توں رہے۔ اس مقصد کے لیے امام بخاری نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جب اس صحیفہ کی کوئی حدیث ذکر کرنا چاہتے ہیں تو اس صحیفہ کی سند ذکر کر کے اولاً اس صحیفہ کی سب سے پہلی حدیث ذکر کرتے ہیں۔ بعد ازاں حدیث مطلوب ذکر کرتے ہیں لیکن اس صورت میں قاری کا ذہن مشوش ہو جاتا ہے۔ وہ پہلی حدیث کا تعلق ترجمۃ الباب سے تلاش کرتا ہے حالانکہ ترجمۃ الاباب سے اس پہلی حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ دراصل تعلق صرف دوسری حدیث کا ہوتا ہے اور پہلی حدیث محض کیفیت روایت بیان کرنے کے لیے ہے۔

☆ کبھی ''باسنادہ'' کا لفظ ذکر کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''باب البول فی الماء الدائم'' ص ۳۷ میں فرمایا کہ اسناد مذکور ذکر کئے بغیر و باسنادہ کہنا مبنی بر احتیاط ہے۔ کہ شاید مذکورہ سند کے علاوہ اور کوئی سند بھی ہو۔

☆ اور کبھی ''اختیارہ'' فرماتے ہیں۔ محل اختلاف میں جس اثر صحابی و تابعی سے ابتداء کریں وہ ان کا اپنا اختیاری ہوتا ہے۔

☆ عدم تکرار بخاری ج ا، ۲۲۶ میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں تکرار حدیث نہیں ہے اور جہاں کہیں بظاہر تکرار نظر آتا ہے وہاں اختلاف اغراض کی بناء پر ہے اور وہ اغراض یہ ہیں:

ایک اختلاف فی السند او فی المتن ہو۔

دوم اختصار متن۔

سوم سند کے اتصال و تعلیق کا اختلاف ہو۔

چہارم کسی حدیث کے متعلق وصل و ارسال یا وقف و رفع کے اختلاف کی صورت میں اپنے ذاتی رجحان کی بناء پر ایک احتمال کو راجح قرار دینا اور دوسرے

احتمال کو دوسرے موقع پر ذکر کرنا حتی کہ قصہ بریرہ کے بارے میں حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیس مرتبہ سے زائد لائے ہیں۔

☆ خصوصیت زبان نزول حکم، امام بخاری ہر کتاب کی ابتداء میں نزول حکم کا زمانہ اور اس کے وقت مشروعیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً بخاری ج۱،ص۴۳ میں باب کیف کان بدا الحیض، اسی طرح ج۱،ص۵۰ میں باب کیف کان فرضت الصلوٰۃ وغیرہ ہیں۔

☆ ہر حدیث کو بعد الغسل والا استخارہ لکھا ہے۔ (تاریخ بغداد، تہذیب الاسماء واللغات)

☆ اغراض ومقاصد بخاری بہت اہم اور دقیق ہیں۔

☆ فضائل ومناقب بخاری مشہور ہیں۔ ان دونوں کی تفصیل آ رہی ہے۔

☆ امام بخاری اختتام الکتاب کی طرف اشارہ فرماتے ہیں یعنی امام ممدوح ہر کتاب کے اختتام میں ایسا کوئی نہ کوئی لفظ لاتے ہیں جس سے ختم کتاب کی طرف اشارہ ہو مثلاً بدء الوحی کے آخر میں ''فکانَ ذلک آخر شان ھو قل'' کا جملہ ہے۔

☆ المناسبة بين بداية الكتاب و نهاية، یعنی صحیح بخاری کی ابتداء اور انتہا میں گہرا ربط ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد کا قول نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے بخاری کی ابتداء میں حدیث انما الاعمال بالنیات ذکر کی ہے۔ اور آخر میں کتاب التوحید میں بخاری کو ختم کیا ہے۔ اب دونوں میں ربط ہے کہ توحید اصل چیز ہے یعنی اعمال کی مقبولیت اخلاص نیت سے ہوتی ہے۔

☆ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک راوی کی احادیث ایک شیخ سے قوی اور صحیح ہوتی ہیں۔ لیکن دوسرے شیخ سے قوی نہیں ہوتیں۔ ایسے موقع پر امام بخاری ومسلم اس کی صرف وہ احادیث لیتے ہیں جو پہلے شیخ سے مروی ہیں۔ مثلاً امام بخاری ومسلم دونوں نے خالد بن مخلد القطوانی کی وہ احادیث روایت

کی ہیں جو سلیمان بن بلال سے مروی ہیں نہ کہ وہ جو عبداللہ بن المثنیٰ سے ہیں۔ (نصب الرایہ از حافظ جمال الدین زیلعی)

☆ بعض اوقات ایک راوی کی احادیث ایک مخصوص زمانہ تک صحیح و مقبول ہوتی ہیں اور اس کے بعد کی روایت ضعیف و مردود جیسے مروان بن الحکم کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے حاکم بننے سے پہلے کی روایات مقبول ہیں اور حاکم بننے کے بعد ان کی عدالت مشکوک ہوگئی ایسے موقع پر امام بخاری اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ ایسے راوی کے صرف پہلے دور کی احادیث لی جائیں۔

صحیح بخاری کا مقصد و مقصودِ اعظم

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مصنف نے پوری کتاب میں صحت کا التزام رکھا ہے اور اس میں صرف احادیث صحیحہ ہی لائے ہیں، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اس کے ساتھ انہوں نے فقہی مسائل اور حکیمانہ نکتوں کا بھی لحاظ رکھا ہے۔ چنانچہ متون احادیث سے بہت سے معانی استنباط فرماتے ہیں، جو مناسب طریقے سے پوری کتاب میں موجود ہیں، اسی طرح آیات احکام کی طرف بھی پوری توجہ رکھی ہے اور اس سے عجیب و غریب معانی کی طرف اشارہ کیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ: امام بخاری کی اصل عرض احادیث کے ذخیرہ میں سے صحیح و مستفیض و متصل کا انتخاب ہے اور فقہ و سیرت اور تفسیر کو بھی استنباط کیا ہے اور اخذ حدیث میں جو شرط انہوں نے مقرر کی تھی، وہ بدرجۂ کمال پوری کی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، ج ا، ص ۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ امام موصوف کا مقصودِ اعظم اپنی الجامع الصحیح میں طرق استنباط ہے، اسی لیے فقہ البخاری فی تراجمہ کہا گیا ہے، بخاری کا سارا کمال ان کے تراجم ابواب میں ہے۔ (لامع ص ۲۴)

تراجم البخاری کے بارے میں مستقل رسائل

بخاری کے تراجم بھی اس عظیم کتاب کی ایک اہم خصوصیت ہے جو اپنے

غامض اور دقیق مسائل کثیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے تمام کتب حدیث میں ممتاز ہیں۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ ادق و الطف بخاری شریف کے تراجم ہیں، دوسرے نمبر پر تراجم نسائی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام نسائی نے تراجم کے معاملہ میں امام بخاری کی اتباع کی ہوگی۔ تراجم بخاری کی حقیقت تک عام اذہان کی رسائی نہیں ہوتی۔ اس لیے محدثین نے ان پر خوب کلام کیا ہے حتی کہ مستقل رسالے تصنیف فرمائے۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

☆ المتوازی علی تراجم البخاری للشیخ ناصر الدین بن المنیر، اسی طرح ان کے بھائی زین الدین بن المنیر نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے جس سے حافظ اور علامہ عینی نے خوب استفادہ کیا ہے۔

☆ دوسرا رسالہ تراجم التراجم کے نام سے شیخ محمد بن عمرو بن رشید الفہری (المتوفی ۷۲۱ھ) نے لکھنا شروع کیا تھا۔ کتاب الصیام تک پہنچے تھے کہ وفات پاگئے۔

☆ حل اغراض المبهمه فی الجمع بین الاحادیث و الترجمة للشیخ محمد بن منصور.

☆ چوتھا رسالہ، اس موضوع پر شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بستان المحدثین میں **تعلیق المصابیح علی الابواب الجامع الصحیح** ذکر کیا ہے۔ جو شیخ بدر الدین محمد بن ابی بکر کی تصنیف ہے۔ لیکن ہمارے دیار میں ان میں سے کوئی رسالہ بھی دستیاب نہیں ہے۔ اس موضوع پر دو رسالے اور ہیں جو دستیاب ہیں۔

☆ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا جس کا مختصر نام شرح تراجم البخاری ہے اور بخاری شریف مطبوعہ ہند کے مقدمہ میں داخل ہے۔ اس رسالہ میں شاہ صاحب نے اولاً پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے۔ پھر کلام ابواب پر مختصر بحث فرمائی ہے۔

☆ چھٹا رسالہ حضرت شیخ الہند محمود حسن اسیر مالٹا کا ہے۔ اُردو میں ہے۔ جس کا نام الابواب والتراجم ہے۔ لیکن یہ ناقص ہے۔ صرف کتاب العلم تک اس میں بحث کی گئی ہے۔ شیخ الہند نے اولاً پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے پھر کتاب العلم تک ہر باب پر بحث کی ہے۔

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر شیخ الہند صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کی شرح مکمل فرمالیتے تو تراجم کا قرض ادا ہو جاتا لیکن افسوس کہ وہ پورا نہیں ہوا تاہم وہ حصہ جو انہوں نے تحریر کیا ہے اور طبع بھی ہو چکا ہے استفادہ کرنے والوں کے لیے معیار بن چکا ہے۔ (نفحۃ العنبر ص۱۰۴)

محدث العصر برکۃ الدہر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی شرح لامع الدراری کے مقدمہ میں بیان کردہ ستر سے زائد اصول (جن سے ابواب و تراجم کے حل میں مدد لی جاسکتی ہے) سے بھی صحیح بخاری کے تراجم وابواب کا قرض ادا ہو گیا۔ (بینات)

حضرت شیخ الحدیث نے سب سے پہلے شاہ ولی اللہ کے تحریر فرمودہ اصول اور اس کے بعد شیخ الہند کے بیان فرمودہ پندرہ اصول پھر اس کے بعد مختلف شروح میں غور کرنے سے حضرت شیخ کے ذہن میں جو اصول آئے ان کو ذکر فرمایا۔ غرض سب مل ملا کر ستر ہو گئے۔ (الدر المنضود، شرح ابی داؤد، للشیخ محمد عاقل مظاہر علوم)

امام دارقطنی وغیرہ کے شبہات

صحیح بخاری کی جن روایات پر دارقطنی وغیرہ نے نقد کیا ہے، ان کی تعداد مجموعی طور پر ایک سو دس ہے، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی وغیرہ نے اس کا مفصل جواب دیا ہے، حافظ ابن حجر جواب دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ الحمد للہ اکثر اعتراضات کا جواب کافی وشافی ہو گیا ہے، بعض جوابات محتمل ہیں، البتہ چند جگہوں پر تکلف سے کام لینا پڑا ہے، جب کوئی منصف مزاج ان جوابات پر غور کرے گا تو مصنف کی جلالت

شان اور کتاب کی عظمت اس کی نظر میں دو بالا ہو جائے گی، اور اس پر واضح ہو جائے گا کہ علما میں جو اس کو حسن قبول حاصل ہوا اور تمام کتب حدیث پر جوانہوں نے اس کو ترجیح دی، وہ سراسر مبنی بر حقیقت ہے، ناقدین کے اصول نقد چند کمزور اصولوں پر مبنی ہیں، جو جمہور ائمہ کے خلاف ہیں، اس لیے معارضہ کے وقت شیخین کی تصحیح کو فوقیت حاصل ہوگی۔ (مقدمہ فتح ص ۴۰۰، لامع ص ۲)

اسی طرح بخاری کے تقریباً اسّی اور مسلم کے ایک سو ساٹھ رواۃ پر کسی نوع کا نقد کیا گیا ہے۔ (لامع ص ۸۴)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اجمالی جواب یہ دیا ہے کہ: ینبغی لکل منصف ان یعلم تخریج صاحب الصحیح لای راو کان مقتض بعد الته عنده وصحة حفظه و عدم غفلته، یعنی ہر منصف مزاج کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ امام بخاری اپنی کتاب میں جس راوی سے تخریج کریں ان کے نزدیک اس راوی کے عادل اور صحیح الحفظ ہونے کی دلیل ہے اس لیے جمہور ائمہ نے ان دونوں کتابوں کو صحیحین کے نام سے یاد کیا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متابعات و شواہد میں بھی عدالت و حفظ کا وصف امام بخاری کے نزدیک ضروری ہے۔

تاہم اتنی ضخیم کتاب میں معمولی فروگزاشتوں اور تسامح کا ہونا نہ بعید ہے اور نہ اس کی عظمت کے منافی ہے، چند مقامات پر امام موصوف سے تسامح ہو گیا ہے جس سے واقفیت ایک طالب بخاری کے لیے ضروری ہے، تفصیل کے لیے لامع الدراری کا مقدمہ ملاحظہ ہو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

صحیحین پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ ائمہ نے بہت سی ایسی روایات سے استدلال کیا ہے، جو صحیحین میں موجود نہیں ہیں، پھر صحیحین کے اصح ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تحریر کے شارح ابن امیر الحاج نے اس کا

یہ جواب دیا ہے کہ صحیحین کی اصحیت مابعد کے لوگوں کے لحاظ سے ہے، وہ ائمہ مجتہدین جو ان کے پیشتر گزرے ہیں وہ اس زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔ (التقریروالتحبیر جلد۳،ص۳۰)

علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ شیخین اور اصحاب سنن وغیرہ فقہ اسلامی کی تدوین کے بعد پیدا ہوئے اور حدیث کی طرف اعتناء کیا، لیکن ائمۂ مجتہدین جو ان سے پیشتر گزرے ہیں، ان کے سامنے مرفوع وموقوف اور صحابہ وتابعین کے فتاوے کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا، اور مجتہد کی نظر حدیث کی صرف ایک قسم پر محدود نہیں ہوتی، آج ہمارے سامنے اس دور کی جوامع ومصنفات موجود ہیں، جن کے مصنفین ائمہ مجتہدین کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں، اس لیے علوئے طبقہ کی وجہ سے ائمہ مجتہدین کے لیے احادیث کی اسانید پر غور وخوض کرنا آسان تھا، پھر مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال اس کی صحت کی دلیل ہے، کتب ستہ کی ضرورت اور ان سے استدلال مابعد کے لوگوں کے لحاظ سے ہے۔ (لامع،ص۸۴)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نہ کرنے کی وجہ

کہا جاتا ہے کہ امام بخاری چونکہ حنفیہ سے ناراض تھے، اس لیے انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت نقل نہیں کی، علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے شدت تعصب اور امام ابوحنیفہ کے مسلک پر بیجا تنقید کی وجہ سے ان کی کوئی روایت اپنی کتاب میں نقل نہیں کی۔ (نصب الرایہ ج۱،ص۳۵۵)

اسی طرح بعض الناس کے ذریعہ امام صاحب پر تعریض کی ہے اور ان پر حدیث کی مخالفت کا الزام لگایا ہے، مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے امام اعظم کے ساتھ وہی روش اختیار کی جو امام جعفر صادق کے ساتھ کی تھی، علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق کو امام بخاری نے قابل استدلال نہیں سمجھا، حالانکہ وہ جمہور امت کے نزدیک ثقہ ہیں۔ (ماتمس الیہ الحاجہ،ص۲۸)

لیکن امام بخاری اور دیگر ائمہ محدثین کے متعلق عناد وتعصب کا شبہہ کرنا

نہایت نا مناسب ہے، اکابر کی شان اس سے بلند تھی، علامہ کوثری نے اس بارے میں نہایت مناسب و معتدل رائے ظاہر کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ قابل غور امر یہ ہے کہ شیخین نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت نہیں نقل کی حالانکہ ان کے صغیر السن تلامذہ سے ان کا لقاء و روایت دونوں ثابت ہیں۔ اسی طرح امام شافعی کے بعض تلامذہ سے بھی ان کی ملاقات ہوئی، لیکن امام شافعی کی کوئی روایت اپنی کتاب میں درج نہیں کی، امام بخاری کو امام احمد سے زیادہ ملنے اور ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، اس کے باوجود ان سے صرف دو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں، ایک تعلیقاً اور دوسری ایک واسطے سے، امام مسلم، امام بخاری کے شاگرد ہیں، اور انہوں نے اپنی کتاب میں ان سے پورا استفادہ کیا ہے، لیکن امام بخاری سے صحیح مسلم میں کسی روایت کی تخریج نہیں کی، امام احمد، امام شافعی کے تلمیذ رشید ہیں، اور ان سے مؤطا امام مالک کا سماع بھی کیا لیکن امام مالک کی کل پانچ روایات امام شافعی کے واسطے سے اپنی کتاب میں درج کی ہیں، ان واقعات اور ان محدثین کرام کے اخلاص و دیانت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ مجتہدین کی احادیث کو روایت کرنے والے شرق و غرب ہر چہار سو پھیلے ہوئے تھے، ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں تھا، اس لیے ان محدثین کرام نے صرف ان راویوں کی روایات کی طرف توجہ مبذول فرمائی، جس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ تھا، اس لیے ان محدثین کا دامن ہر تعصب و عناد سے پاک تھا۔

(حاشیہ شروط الائمہ، ص ۵۰)

امام بخاری مختلف طریقوں سے ترجمہ قائم کرتے ہیں

☆ بعض اوقات حدیثِ رسول اللہ ﷺ کو ترجمہ بناتے ہیں اور اس کی حدیث نبوی ہونے کی صراحت بھی کرتے ہیں جیسے کتاب الایمان کا پہلا ترجمہ ہے۔ ''باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ''بُنی الاسلام علی خمس'' اسی طرح کتاب الایمان میں ایک اور ترجمہ

ہے۔ "باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "الدین النصیحة"
اسی طرح کتاب العلم میں ترجمہ ہے۔ "باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "رب مبلغ أوعی من سامع"۔

☆ کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث نبوی کو ترجمہ بناتے ہیں لیکن اس کے حدیث ہونے کا ذکر نہیں کرتے جیسے "باب من یرد اللہ خیرا یفقهه فی الدین" ترجمہ حدیث کا ہے لیکن اس کے حدیث ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔

کبھی کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ رسول کو ترجمہ بناتے ہیں لیکن اس میں تھوڑا سا تصرّف اور تبدیلی کر دیتے ہیں اور اس کا مقصد حدیث کی تشریح ہوتا ہے، جیسے "باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولهم بالموعظة و العلم کی لا ینفروا" حدیث میں "کراهة السآمة" آیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں "سآمة" کی تفسیر "نفرة" سے کر دی ہے۔

☆ کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایسی حدیث کو ترجمہ بناتے ہیں جو ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی، پھر اپنی روایات سے اس کو مؤید فرماتے ہیں جیسے ابواب الوضوء میں "باب ماجاء لاتقبل الصلاة بغیر طهور" اور ابواب الزکوٰۃ میں "باب ماجاء تقبل الصدقة من غلول" ہیں یہ ایک ہی روایت کے دو جزء ہیں، مسلم اور ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے، امام بخاری نے ایک جزء پر کتاب الوضوء میں اور دوسرے جزء پر کتاب الزکوٰۃ میں ترجمہ قائم کیا ہے۔

اسی طرح کتاب الصلوٰۃ میں "باب اذا أقیمت الصلوٰة فلا صلاة الا المکتوبة" کا ترجمہ قائم کیا ہے اور یہ مسلم کی روایت پر قائم کیا گیا ہے۔

ایسا ہی ایک ترجمہ ہے "باب الاثنان فما فوقهما جماعة" یہ ترجمہ ابن ماجہ کی روایت پر قائم کیا گیا ہے۔ (مقدمہ لامع الدراری)

اسی طرح کتاب العلم کا ایک ترجمہ ''باب الفتیا وھو واقف علی الدابۃ وغیرھا'' ہے، یہاں جو روایت ذکر کی ہے اس میں ''وقوف علی الدابۃ'' کا ذکر نہیں ہے، لیکن کتاب الحج میں یہ روایت مذکور ہے اور وہاں ''وقف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ناقۃ''۔ (دیکھیے صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الفتیا علی الدابۃ عند الجمرۃ، رقم ۱۷۳۸) کے الفاظ موجود ہیں، گویا ترجمہ کتاب الحج کی روایت سے ثابت ہو رہا ہے۔ (فتح الباری ج۱،ص۱۸۱) کتاب العلم، باب الفتیا وھو واقف علی الدابۃ وغیرھا)۔

اسی طرح پیچھے آچکا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب الصلوٰۃ میں ''باب التقاضی والملازمۃ فی المسجد'' کا ترجمہ قائم کیا اور اس کے ذیل میں جو روایت نقل کی اس میں ''تقاضی'' کا تو ذکر کی تو وہاں ''فلقیہ فلزمہ'' کے الفاظ ہیں، اسی طرح یہ ترجمہ بخاری میں مذکور روایت سے ثابت ہوا جس کو یہاں کے بجائے دوسری جگہ ذکر کیا ہے۔

☆ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی ترجمہ قائم کر کے اس کو ثابت کرنے کے لیے کسی ایسی روایت پر اعتماد کرتے ہیں جو بخاری میں مذکور نہیں، چنانچہ اس کی مثال پیچھے گزر چکی ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا ہے ''باب دلک المرأت نفسھا اذا تطھرت من المحیض'' اور باب کی تحت جو روایت نقل کی ہے اس میں ''دلک'' کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی صحیح بخاری میں ایسی کوئی روایت موجود ہے جس میں ''دلک'' مذکور ہو، البتہ صحیح مسلم میں ایسی روایت موجود ہے جس میں ''دلک'' کا ذکر ہے، لہٰذا کہا جائے گا کہ یہاں اثباتِ مدعیٰ کے لیے ایسی روایت پر اعتماد کیا گیا ہے۔ جو صحیح بخاری میں موجود نہیں۔

☆ کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کے اجمال سے ترجمہ کو ثابت کرتے ہیں، چنانچہ کتاب الوضوء میں ایک ترجمہ ہے ''باب وضوء الرجل مع امرأتہ و

فضل وضوء المرأة'' اور اس کے ذیل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اثر نقل کیا ہے۔ ''وتوضا عمر بالحميم ومن بيت نصرانية'' اس سے امام بخاری یوں استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گرم پانی سے وضو کیا اور پانی عموماً عورتیں گرم کیا کرتی ہیں اور گرم کرتے وقت وہ کئی مرتبہ پانی میں ہاتھ ڈال کر دیکھتی ہیں کہ وہ کتنا گرم ہوگیا۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گرم پانی وضو میں استعمال کیا اور کوئی تفصیل معلوم نہیں کہ عورت کا گرم کیا ہوا پانی ہے یا مرد کا، اور اگر عورت کا گرم کیا ہوا ہے تو اس نے اس میں ہاتھ ڈالا تھا یا نہیں، بس گرم پانی وضو میں استعمال کیا اور حقیقت کو مجمل رہنے دیا، اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کیا کہ اگر مرد اور عورت ایک ساتھ وضو کریں اور عورت کا ہاتھ مرد کے وضو میں پانی میں داخل ہو تو کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح ''ومن بيت نصرانية'' کا جملہ ہے اس میں عقلاً دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ گرم پانی اسی نصرانیہ کے گھر کا ہو، اور عبارت یوں ہو ''وتوضا عمر بالحميم من بيت نصرانية'' جیسا کہ ایک نسخہ میں اسی طرح بغیر واؤ کے آیا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ وضو بالحمیم کا واقعہ یہی ہے۔ کیونکہ ''توضا عمر بالحميم'' والا اثر مستقل ہے اور اس کو سعید بن منصور، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور دارقطنی وغیرہ نے موصولاً ذکر کیا ہے اور ''ومن بیت نصرانیۃ'' والا ایک مستقل اثر ہے جس کو شافعی، عبدالرزاق، بیہقی اور اسماعیلی وغیرہ نے موصولاً ذکر کیا ہے، چنانچہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفصیل کو بیان کر کے ایک اثر ہونے کے احتمال کو رد کیا ہے اور فرمایا ہے۔ ''وقد عرفت أنهما أثران متغايران''۔ (دیکھیے فتح الباری ج ۱، ص ۲۹۹، کتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امرتہ)

اگر ایک ہی واقعہ ہے تو اس کی بحث گزر چکی اور اگر یہ واقعہ علیحدہ ہے تو استدلال کی تقریر یوں ہوگی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصرانیہ کے گھر سے پانی لے کر وضو کیا اور یہ تفصیل دریافت نہیں کی کہ وہ پانی نصرانیہ کے استعمال سے بچا ہوا تو نہیں ہے حالانکہ وہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس

نصرانیہ کے استعمال سے بچا ہوا پانی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ علیحدہ پانی ہو، استعمال سے بچا ہوا نہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تفصیل میں نہیں گئے، اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا اور اجمال سے اپنے ترجمہ کو ثابت کر دیا۔

(فتح الباری ج ۱،ص ۲۹۹ کشف الباری ،ص ۱۸۲)

باب بلا ترجمہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کئی جگہ باب بلا ترجمہ لاتے ہیں صرف ''باب'' ہوتا ہے ترجمہ نہیں ہوتا اور اس کے ذیل میں مسند روایت پیش کرتے ہیں، اس سلسلہ میں حضرات شراح نے مختلف توجیہات کی ہیں:

☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو سہو ہو گیا اور اس وجہ سے امام بخاری ترجمہ قائم نہ کر سکے۔

☆ مصنف کو سہو نہیں ہوا بلکہ کاتب کو سہو ہو گیا ہے یعنی مصنف کا قائم کیا ہوا ترجمہ کاتب سے سہواً چھوٹ گیا ہے۔

☆ بعض حضرات کہتے ہیں کہ راوی کا تصرف ہے۔ (فتح الباری ج ۶،ص ۵۶۱)

☆ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مقامات میں یہ کہا ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قصداً بیاض چھوڑی تھی، ترجمہ قائم کرنے کا ارادہ تھا لیکن بعد میں موقعہ نہیں ملا۔

لیکن یہ جوابات درست نہیں کیونکہ تکمیل کتاب کے بعد تقریباً تئیس سال امام نے اس کتاب کا درس دیا ہے اور تقریباً نوے ہزار شاگردوں نے امام سے اس کو پڑھا ہے پھر امام بخاری یا کاتب کے سہو کے برقرار رہنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے یا موقعہ نہ ملنے کا عذر کیسے قابلِ سماع ہو سکتا ہے، پھر دو چار جگہ اگر باب بلا ترجمہ ہوتا تب بھی سہو مؤلف یا سہو کاتب کی گنجائش ہو سکتی تھی۔ یہاں تو بہت سے ابواب صحیح بخاری میں بلا ترجمہ ہیں۔

☆ علامہ کرمانی (شرح کرمانی، ج۱،ص۱۰۳) حافظ ابن حجر (فتح الباری، ج۱،ص۶۴) علامہ عینی (عمدۃ القاری، ج۱،ص۱۵۲) قسطلانی (ارشاد الساری، ج۱،ص۹۹) ابن رشید (مقدمہ لامع)۔ شیخ نورالحق (تیسرالقاری، ج۱،ص۲۰) اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ (رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری،ص۶۲) نے عموماً ''باب بلا ترجمہ'' کو کالفصل من الباب السابق قرار دیا ہے۔ یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب بلا ترجمہ میں ایسی روایت لاتے ہیں جو من وجہ باب سابق سے بھی متعلق ہوتی ہے اور من وجہ مستقل بھی ہوتی ہے، اس لیے یہ باب، سابق باب کے لیے فصل کی طرح ہوتا ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ باب بلاترجمہ بعض مقامات میں تشحیذ اذھان کے لیے ہوتا ہے، یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منشا یہ ہوتا ہے کہ باب کی روایت کو پیش نظر رکھ کر قاری خود ایسا ترجمہ قائم کرے جو بخاری کی شان کے مطابق بھی ہو اور تکرار بھی لازم نہ آئے اس طرح ذہن تیز ہوتا ہے اور استخراج مسائل اور استنباط کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ (مقدمہ لامع،ص۳۷۷)

☆ کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب سابق سے پیدا شدہ اشکال کو رفع کرنے کے لیے باب بلاترجمہ لاتے ہیں۔ (تقریر بخاری شریف، ج۱،ص۱۲۶)

☆ یہ باب بلاترجمہ تکثیر فوائد کے لیے ہوتا ہے، یعنی باب کی روایت بہت سے فوائد کو شامل ہوتی ہے، اگر ترجمہ قائم کیا جائے تو قاری کا ذہن اسی ترجمہ پر مرکوز ہوجاتا اور دیگر فوائد کی طرف توجہ نہ ہوتی، اس لیے امام بخاری بغیر ترجمہ کے باب کو ذکر کرتے ہیں تاکہ تمام فوائد کی طرف ذہن متوجہ ہوسکے۔ (مقدمہ لامع،ص۳۲۹)

☆ باب بلاترجمہ رجوع الی الاصل کے لیے ہوتا ہے، یعنی ایک سلسلۂ ابواب چلا آرہا ہوتا ہے، درمیان میں کچھ ضمنی تراجم آجاتے ہیں تو اصل سلسلہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے باب بلاترجمہ لایا جاتا ہے۔ (مقدمہ لامع ص۳۶۷)

☆ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مقامات میں یہ بھی فرمایا ہے کہ امام بخاری تکثیر طرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے باب بلاترجمہ لاتے ہیں۔

(مقدمہ لامع ص۳۱۹)

☆ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ''باب بلاترجمہ'' تحویل کے طور پر ہوتا ہے جیسے ایک سند کو ذکر کرتے ہوئے ''ح'' لاتے ہیں اور اس کے بعد دوسری سند کو ذکر کرتے ہیں، یہ تحویل ''من سند الی سند'' ہوتی ہے اور آگے جا کر دونوں سندیں مل جاتی ہیں۔

(شرح تراجم ابواب البخاری ص۱۳)

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ پوری صحیح بخاری میں کتاب بدأ الخلق میں اس کی ایک مثال موجود ہے۔ اس لیے اسے بطور قاعدہ کلیہ اختیار کرنا بعید از قیاس ہے۔

نوٹ: عنوان ''امام بخاری مختلف طریقوں سے ترجمہ قائم کرتے ہیں''۔ سے یہاں تک کا مضمون شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہٗ کی کتاب ''محدثین عظام اور ان کی کتابوں کا تعارف'' سے مأخوذ ہے۔

تراجم البخاری میں امام بخاری کا عمل اور مقاصد

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تراجم کے معاملہ میں امام بخاری کا عمل یہ ہے کہ اگر ترجمۃ الباب کے مطابق کوئی روایات موجود ہے خواہ مطابقت خفیہ ہی کیوں نہ ہو تو یہ روایت دو حال سے خالی نہیں۔ اگر وہ روایت شرط بخاری پر ہے تو اس صورت میں اس روایت کو اپنے اصطلاحی صیغے کے ساتھ تحت الترجمہ تخریج کرتے ہیں۔ مثلاً ترجمۃ الباب کے بعد حدثنا فلان کہہ کر وہ روایت ذکر کرتے ہیں یا اخبرنا یا قال فلان یا وہ عنعنہ جو ان کی شرط پر ہو ذکر کرتے ہیں۔ اور اگر وہ روایت شرط بخاری پر نہیں ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ ایک اگر وہ روایت صالح للحجہ ہے تو اس صورت میں امام بخاری روایت کو اپنے اصطلاحی صیغے کے خلاف

ذکر فرماتے ہیں مثلاً تعلیقاً یا ارسالا، یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری میں تعلیقات زیادہ ہیں۔ دوم وہ روایت صالح للحجہ تو نہیں ہے لیکن فی الجملہ استیناس ہے مثلاً کسی مجتہد نے اس روایت کو قیاس پر مقدم رکھا تو اس صورت میں امام بخاری اس روایت کو ترجمۃ الباب بنا دیتے ہیں اور اس کی دلیل کسی روایت یا کسی حدیث صحیح کے عموم سے پیش کرتے ہیں۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ بخاری کے تراجم دو قسم پر ہیں۔ ایک تراجم ظاہرہ جو مقصود پر دلالت مطابقی رکھتے ہیں۔ دوم تراجم خفیہ، جو مقصود پر تضمنا یا التزاما یا اشارۃ دلالت کرتے ہیں۔ علامہ سندھی نے لکھا ہے کہ تراجم بخاری سے امام بخاری کے دو مقصود ہیں۔ ایک مسائل فقہیہ کا استنباط کرنا، دوسرا کسی حدیث کی شرح یا معنی بیان کرنا مثلاً حدیث عام ہے لیکن مراد خاص ہے یا بالعکس ہے تو ترجمہ سے مراد واضح کردی۔ بعض حضرات نے صرف مسائل فقہیہ کے استنباط کو مقصود بخاری قرار دیا اس لیے تکلفات میں مبتلا ہوئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب عادت

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی یہ عجیب عادت ہے کہ کسی حدیث سے احناف کے خلاف کوئی مسئلہ ثابت کرتے ہیں حالانکہ اس مسئلہ میں احناف کی دلیل ان کی نظر میں ہوتی ہے۔ بلکہ وہ دلیل خود اپنی صحیح میں کسی جگہ ذکر بھی کی ہوتی ہے۔ لیکن اس مسئلہ پر اس دلیل کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ میری سمجھ میں اس کی معقول وجہ نہیں آتی بخلاف امام ابوداؤد وامام ترمذی وغیرہ کے۔

فقہ البخاری فی تراجمہ

اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ اوّل امام بخاری چونکہ مجتہد مطلق ہیں لہٰذا ان کا مذہب فقہی اعتبار سے تراجم البخاری سے معلوم ہو جاتا ہے۔ دوم جمہور کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری کی شان اجتہاد اور استنباط مسائل میں بلند مرتبہ ہونا ان کے تراجم سے معلوم ہوتا ہے۔ (معارف السنن، ج۱، ص۲۳)

ثلاثیات بخاری

ثلاثیات کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری اور حضور ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ ایک تبع تابعی، تیسرے صحابی کا، اور یہ حدیث کی بہت اعلیٰ نوع شمار کی جاتی ہے۔ بوقت وفات کسی نے یحییٰ بن معین سے پوچھا۔ ''ما تشتهی'' فرمایا۔ ''بیت خال و اسناد عال''۔

اور صحیح بخاری میں ۲۲ ثلاثیات ہیں جن میں سے ۲۰ حنفی شیوخ سے روایت کی ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ چھ ثلاثیات ابو عاصم النبیل ضحاک حنفی سے اور تین محمد بن عبداللہ حنفی سے اور گیارہ مکی بن ابراہیم حنفی سے روایت کی ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں اور دو غیر حنفی شیوخ (خلد بن یحییٰ کوفی اور عصام بن خالد حمصی رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کی ہیں۔

مقاصد امام بخاری

چند مقاصد امام بخاری پیش خدمت ہیں:

- ☆ قصداً صرف احادیث صحیحہ مرفوعہ کی تخریج کرنا۔
- ☆ ہر ہر حدیث صحیح سے احکام فقہیہ کا استنباط کرنا۔
- ☆ استنباط مسائل کے طریقے کی تعلیم دینا مثلاً عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص وغیرہ سے مسائل کیسے مستنبط ہوں۔
- ☆ حدیث وفقہ دونوں کو جمع کرنا تا کہ ان لوگوں پر رد ہو جو حدیث وفقہ کو ایک دوسرے کی ضد اور قسیم سمجھتے ہیں۔
- ☆ تراجم الابواب (جو بمنزلہ دعویٰ کے ہے) کو احادیث (یعنی دلائل) سے فقہاء کے متعین کردہ اصول کے مطابق ثابت کرنا۔
- ☆ حافظ نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری کے مقاصد دو ہیں۔ اوّل صحت حدیث اس وجہ سے سخت شرائط مقرر کی گئیں۔ دوم متن حدیث سے مسئلہ فقہیہ کا استنباط

کرنا چونکہ امام نے صحت حدیث کے واسطے سخت شرائط عائد کرکے اپنے اوپر تنگی کرکے اپنے اوپر تنگی کرلی اس لیے مسائل کثیرہ میں استنباط کے لیے احادیث کا تکرار بہت ہے اگر چہ محدثانہ طور پر تکرار نہیں ہے۔

امام بخاری کے تخریج کے شرائط

شروط الائمہ پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ محمد بن طاہر مقدسی فرماتے ہیں کہ ان ائمہ یعنی بخاری و مسلم اور سنن اربعہ کے مصنفین میں کسی سے بھی تخریج روایات میں ان کے شرائط منقول نہیں، بلکہ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے ان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (شروط الائمہ، ص ۱)

بخاری کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی روایت کی تخریج کرتے ہیں جس کے سارے رواۃ صحابی مشہور تک ثقہ ہوں اور ان کی ثقاہت پر کبار محدثین کا اتفاق ہو، اس کی سند متصل ہو منقطع نہ ہو، جس روایت کے صحابی سے دو یا اس سے زیادہ راوی ہوں، وہ نہایت اعلیٰ وارفع ہوگی۔ اور اگر ایک ہی راوی ہو اور اس کی سند صحیح ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں امام مسلم نے ایسے لوگوں سے بھی حدیث کی تخریج کی ہے جن کی حدیث کو کسی شبہ کی بنا پر امام بخاری نے ترک کر دیا تھا، جس کی مثال امام زہری کے تلامذہ ہیں، جو اوصاف کی کمی اور زیادتی کے لحاظ سے پانچ طبقوں میں تقسیم کیے گئے ہیں، امام بخاری نے ان میں سے طبقۂ اولیٰ سے اصالۃً اور طبقۂ ثانیہ سے جن کی احادیث پر ان کو اعتماد ہے، ان کو بخاری میں روایت کیا ہے، لیکن بالاستیعاب ایسا نہیں کیا ہے، اور امام مسلم نے دونوں طبقوں کی حدیث کو بالاستیعاب لیا ہے، اسی طرح طبقۂ ثالثہ کی روایات کو امام بخای نے بالکل قبول نہیں کیا ہے، لیکن امام مسلم ان سے بھی کبھی کبھی روایت کرتے ہیں۔ (تدریب الراوی، ص ۴۱)

اسی طرح ابوعبداللہ حاکم نے حدیث صحیح کی تعریف یہ کی ہے کہ اس کو کوئی مشہور صحابی نبی کریم ﷺ سے روایت کرے، پھر اس صحابی سے دو ثقہ راوی روایت کرتے

ہوں لیکن صحیحین سے ان کا دعویٰ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ شیخین نے بہت سے ایسے صحابہ کی روایات کو نقل کیا ہے، جن سے صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہے۔ (ایضاً ص ۳۸)

فضائل صحیح بخاری

صحیح بخاری کے چند فضائل یہ ہیں:

☆ محمد بن احمد مروزی فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان سو رہا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ فرمار ہے تھے۔ ''یا ابا زید الیٰ متی تدرس کتاب الشافعی ولا تدرس کتابی'' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا: جامع محمد بن اسماعیل البخاری۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الباری ج ۲، ص ۲۶۲)

☆ ابن کثیر کا قول ہے کہ قرأت بخاری شریف سے طلب باران کی جاتی ہے۔

☆ جس گھر میں بخاری کی تلاوت ہو وہاں طاعون نہیں آئے گا۔ ابوجعفر محمود بن عمرو عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے بخاری کو تالیف کے بعد امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ یحییٰ بن معین متوفی ۲۳۳ھ اور علی بن المدینی متوفی ۲۳۴ھ کے سامنے پیش کیا اور سب نے تحسین فرمائی البتہ چار احادیث پر اختلاف کیا۔ (ہدی الساری)

☆ امام بخاری کی زندگی ہی میں امام موصوف سے نوے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری پڑھی۔

☆ مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مولانا عبدالمالک عباسی کو قرآن اور صحیح بخاری زبانی یاد تھے۔ ایسا ہی واقعہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا ابوسعید ظہور الحق کے بارے میں بھی مشہور ہے۔

☆ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ختم بخاری شدائد و مشکلات کے دفع کرنے میں اور اجابت دعا و دفع

طاعون میں مجرب ہے۔

☆ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ختم بخاری ہر مشکل کے لیے تریاق ہے۔ چنانچہ علامہ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد سید اصیل الدین سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب تقریباً ایک سو بیس مرتبہ پڑھی، جس نیت سے پڑھی وہ مراد پوری ہوئی۔

(اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۱۱)

صحیح بخاری کی خصوصیات

☆ امام بخاری کو دوران تالیف میں جب کبھی تالیف کا سلسلہ چھوڑنا پڑا تو دوبارہ جب بھی شروع کیا تو اس کی ابتداء بسم اللہ سے کی۔ اس لیے درمیان میں متعدد جگہوں پر بسم اللہ مذکور ہے۔

☆ عام طور پر مشہور ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں صیغۂ تمریض سے روایات کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جن معلق روایات کو امام موصوف نے صیغۂ جزم سے بیان کیا ہے ان کی صحت کا فیصلہ کیا گیا ہے لیکن جب صیغۂ تمریض سے بیان کرتے ہیں تو ان کی صحت کا حکم تو نہیں لگایا جائے گا، لیکن صحیح بخاری میں آجانے کی وجہ نا قابل اعتبار بھی نہیں سمجھا جائے گا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر تعقب کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں صحیح رائے ہمارے شیخ کی ہے کہ امام بخاری صیغۂ تمریض کو ضعف اسناد کے ساتھ خاص نہیں کرتے بلکہ جب کبھی متن کو بالمعنی اختصار کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو صیغۂ تمریض سے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

☆ صحیح بخاری کا امراض و مصائب، دشمنوں کے خوف و غلبہ کی گرانی وغیرہ میں پڑھنا تریاق مجرب ہے۔

☆ عام طور پر مشہور ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب قال فلاں کہتے ہیں تو یہ مذاکرہ پر محمول ہوتا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کا رتبہ تحدیث سے کم ہے، اور یہ صیغہ وہاں استعمال کرتے ہیں، جہاں روایت ان کی شرط پر نہیں ہوتی، لیکن یہ کلیہ نہیں ہے، کیونکہ کبھی اس کو صیغۂ تحدیث سے بھی بیان کر دیتے ہیں۔

☆ امام بخاری کا معمول ہے کہ جب حدیث میں کوئی ایسا غریب لفظ آجاتا ہے۔ جس کی نظیر کتاب اللہ میں موجود ہے تو اس کی وضاحت میں مفسرین کے اقوال نقل کر دیتے ہیں، اسی طرح کبھی باب کی مناسبت سے آیات قرآنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، اور اکثر آیات کے بجائے صرف اس کے چند الفاظ نقل کر دیتے ہیں، کتاب التفسیر و کتاب بدالخلق میں بکثرت اس کی مثالیں ہیں۔

☆ محدثین کرام کے نزدیک سند علی کی بڑی خصوصیت رہی ہے، بخاری کا یہ خاص امتیاز ہے کہ اس میں بائیس (۲۲) روایات ثلاثی ہیں، جن کا تذکرہ حاشیہ پر نہایت جلی قلم سے کیا گیا ہے، ان میں سے بعض ثلاثیات کے شیوخ حنفی ہیں، اور دو کے متعلق تحقیق نہیں۔ (لامع ص ۳۰)

☆ شروع میں بیان کیا جا چکا ہے کہ امام بخاری کے پیش نظر طرق استنباط ہے، اس لیے ایک ہی حدیث کو استنباط مسائل یا کسی دوسرے مقصد سے متعدد مقامات پر بیان کرتے ہیں، مثلاً **انما الاعمال بالنیات** والی روایت کو تیرہ مقام پر ذکر کیا ہے، حالانکہ امام موصوف نے خود فرمایا ہے کہ میں مکرر روایات کو اس کتاب میں داخل نہ کروں گا۔ (بخاری شریف ج ۱، ص ۲۲۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ بالارادہ اپنی کتاب میں ایک ہی سند و متن کو مکرر نہیں لاتے، اگر کہیں تکرار ہے تو محض اتفاقی ہے۔ (مقدمہ فتح، ص ۱۲)

پوری کتاب میں بائیس روایات مکرر ہیں، جو اتنی ضخیم کتاب کے لیے زیادہ

نہیں کہی جاسکتیں۔

☆ تاریخ پر بھی امام بخاری کی مجتہدانہ نظر ہے، امام بخاری ہر کتاب کے شروع میں اس کے زمانہ نزول اور مشروعیت کی ابتدا کی طرف بھی کبھی کبھی اشارہ کر دیتے ہیں، خصوصاً جب کہ اس میں کوئی اختلاف ہو، اور کبھی صراحت بھی کر دیتے ہیں۔

☆ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام موصوف ہر کتاب کے اختتام پر کوئی نہ کوئی ایسا لفظ لاتے ہیں، جس سے ختم کتاب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، مثلاً بدأ الوحی کے آخر میں فکان ذلک اٰخر شان ھو قل اور کتاب الحج کے ختم پر واجعل موتی بلبلد رسولک۔ امام بخاری ہر کتاب کے ختم پر کوئی ایسا لفظ لاتے ہیں جس سے ختم زندگی کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب کو موت کے استحضار کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

☆ کتاب کی ابتداء اور انتہا میں گہرا ربط ہے، حافظ ابن حجر نے اپنے استاد کا قول نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب کو کتاب التوحید پر ختم کیا، کیونکہ توحید ہی آخرت میں کامیابی اور ناکامی کی اصلی میزان ہے اور اس کی ابتدا انّما الاعمال بالنیات کی حدیث سے فرمائی، کیونکہ اعمال کی عنداللہ مقبولیت کے لیے اخلاص نیت ضروری ہے، اور آخرت میں صرف وہی اعمال وزنی ہوں گے جو اخلاص کے ساتھ رضائے الٰہی کے لیے کئے جائیں، یہ چند خصوصیات لامع کے مقدمہ سے باختصار نقل کی گئی ہیں۔

کتب احادیث میں صحیح بخاری کا مقام

مذکورہ بالا شرائط اور دیگر وجہ کی بنا پر امت کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری کو صحاح اور تمام کتب حدیث پر ترجیح حاصل ہے، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری صحت اور دیگر فوائد کے لحاظ سے صحیح مسلم پر فائق ہے۔ (مقدمہ شرح مسلم، ص۱۱)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

لا یوازیہ فیہ غیرہ لاصحیح مسلم والا غیرہ

(البدایہ والنہایہ ج ۱۱، ص ۲۸)

''بخاری کا صحیح مسلم یا اور کوئی کتاب مقابلہ نہیں کر سکتی''

البتہ امام شافعی سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ:

" انہ قال ما اعلم فی الارض کتابا اکثر صوابا من کتاب مالک وفی لفظ عنہ مابعد کتاب اللہ اصح من مؤطا مالک"

روئے زمین پر امام مالک کی کتاب سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی کتاب نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ کتاب اللہ کے بعد مؤطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔

لیکن علامہ نووی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا یہ فیصلہ ان دونوں کتابوں کے وجود میں آنے سے پیشتر تھا، امام شافعی کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی جب کہ امام بخاری کی عمر دس سال کی تھی اور اسی سال امام مسلم پیدا ہوئے۔ (لامع، ص ۴۱)

حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں: بخاری، مسلم و مؤطا کی حدیثیں نہایت صحیح ہیں اور مؤطا کی اکثر روایات مرفوعہ صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ (عجالۂ نافعہ ص ۶)

لیکن حاکم کے شیخ ابوعلی نیشاپوری اور بعض مغاربہ نے صحیح مسلم کو **اصح الکتب بعد کتاب اللہ العزیز** کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس قول کی یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے ان لوگوں نے حسن ترتیب کے لحاظ سے مسلم کو ترجیح دی ہو، کیونکہ امام مسلم نے اپنے شہر میں بیٹھ کر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی کتاب کی تصنیف کی اور امام بخاری نے مختلف مقامات میں رہ کر روایات کی تخریج کی ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے قول کی یہ توجیہ نہ کی جائے تو بھی جمہور کے مقابلہ میں ان کا قول شاذ و ناقابلِ اعتبار ہے۔ (افادات)

صحیح بخاری کے صحیح مسلم پر ترجیح کی ایک قوی دلیل یہ بھی ہے کہ بخاری کی روایات کے مقابلہ میں مسلم کی روایات پر زیادہ کلام کیا گیا ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

لو لا البخاری لما جاء مسلم (مقدمہ فتح الملہم)

''اگر بخاری نہ ہوتی تو مسلم کا وجود نہ ہوتا''

صحیح بخاری کی مقبولیت

بخاری شریف کے محاسن و فضائل بے شمار ہیں، جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، حافظ ابن صلاح بخاری و مسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کتاباهما اصح الکتاب بعد کتاب الله العزیز ثم ان کتاب البخاری اصح الکتابین صحیحا و اکثرها فوائد". (مقدمہ ابن صلاح)

یعنی کتاب اللہ کے بعد ان دونوں کتابوں کا درجہ ہے، پھر صحیح بخاری کا مرتبہ صحت اور کثرت فوائد کے لحاظ سے ممتاز و مقدم ہے۔

امام نسائی فرماتے ہیں:

"اجود هذه الکتب کتاب البخاری" (تہذیب الاسماء و الصفات، ج ۱، ص ۶۷)

ابو زید مروزی فرماتے ہیں کہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا، اے ابو زید! امام شافعی کی کتاب کا درس کب تک دو گے؟ میری کتاب کا درس آخر کب دو گے؟ انہوں نے عرض کیا حضور آپ کی کون سی کتاب ہے؟ فرمایا: محمد بن اسمٰعیل البخاری کی **''الجامع الصحیح''**۔ (مقدمہ فتح الباری، ص ۵۷۷)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کتاب کی عظمت کا

قائل نہ ہو وہ مبتدع ہے، اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ، ج۱، ص۲۹۷)

شاہ صاحب قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (ایضا، ج۱، ص۳۵۰)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: بخاری شریف کے پڑھنے سے قحط سالی دور ہو جاتی ہے اور قحط کے زمانے میں اس کے ختم کی برکت سے بارش کا نزول ہوتا ہے۔

(ارشاد الساری ج۱، ص۲۹)

ایک محدث نے اس کو ایک سو بیس مرتبہ مختلف مقاصد کے لیے پڑھا اور ہر مرتبہ کامیابی ہوئی۔ (اتحاف النبلاء ص۱۰۴، ولامع ص۲۴)

شرائط امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مع قیل وقال

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں کن کن شرائط کا لحاظ رکھا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

☆ امام بخاری رواۃ کے طبقات خمسہ میں سے صرف طبقہ اولیٰ کی روایت لاتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھار تبعاً وضمناً طبقہ ثانیہ کے رواۃ کی طرف بھی مائل ہوتے ہیں۔

☆ راوی کثیر الملازمہ بالشیخ ہو اور اتقان سے متصف ہو یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایسے راوی کی روایت لیتے ہیں جس میں دو صفتیں پائی جائیں۔ اول اتقان (یعنی قوت حافظہ کے ساتھ اہتمام کی شان بھی موجود ہو) دوم اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر باشی اور طول صحبت اس کو حاصل ہو۔

(معارف السنن، ج۱، ص۲۰)

☆ حدیث صحیح لذاتہ کا لانا۔

☆ نیچے سے اوپر مشہور صحابہ تک ان رواۃ سے روایت لیتے ہیں جن کی عدالت و ضبط پر ان کے اہل زمانہ کے تمام مشائخ واساتذہ کرام کا اجماع ہو چکا ہو۔

بخلاف امام ابوداؤدوغیرہ کے کہ وہ ان رواۃ سے بھی روایت لیتے ہیں جوعند البعض ثقہ ہو، اور بعض راوی شیخین میں سے کسی ایک کے نزدیک عادل ہیں نہ کہ کسی دوسرے کے نزدیک مثلاً ابوزبیر مکی، اور جن رواۃ کی جرح وتعدیل عندالائمہ مختلف فیہ ہے ان کی احادیث حضرات شیخین یا تو محل استشہاد میں لاتے ہیں یا پہلی شرط والی روایت نہ ملنے کی صورت میں لاتے ہیں۔

اس شرط رابع پر اعتراض یہ ہوگا کہ امام نسائی نے شیخین کے بعض رجال کی تضعیف کی ہے لہٰذا وہ راوی متفق علیہ نہ ہوئے۔ اس کے کئی جوابات ہیں۔

اول، ان رجال کی عدالت وثقاہت شیخین کے زمانہ تک (یعنی زمانہ تصنیف تک) مجمع علیہ تھی۔ لہٰذا اس کے بعد امام نسائی کی تضعیف قادح نہیں ہے مثلاً رجال مسلم میں سے احمد بن عبدالرحمٰن کے متعلق حاکم ابوعبداللہ کا کہنا ہے کہ ۲۵۰ھ کے بعد ان کے حافظہ میں تغیر آ گیا۔

دوم حافظ بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل قاعدہ وہی ہے لیکن بسااوقات کسی مرجح کی بناء پر اصلی قاعدہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔

سوم شیخین کے ہاں ان رواۃ کے متعلق ایسی جرح وتعدیل مؤثر نہیں ہے جو مفسر بالسبب نہ ہو۔

چہارم صحیحین میں بعض ضعاف محض متابعات وشواہد میں لائے گئے نہ کہ اصول حدیث میں۔

پنجم متفق علیہ سے مخصوص لوگوں کا مجمع مراد ہے اور وہ مخصوص لوگ امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، عثمان بن ابی شیبہ، سعید بن منصور ہیں۔

ششم بسااوقات امام بخاری کسی حدیث کواس کے ضعف طریق سے اس لئے لاتے ہیں کہ دوسرے قوی اور نازل طریق میں سے یہ عالی و بلند ہے باوجودیکہ امام بخاری کے یہاں وہ اصل حدیث دیگر متعدد ثقہ رواۃ کی روایت سے مشہور ہے۔

(فتح الملہم ، ص ۱۵۴، ۱۶۳)

☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث معنعن کے قابل حجت ہونے کے لیے راوی اور مروی عنہ کے درمیان معاصرت کے ساتھ ساتھ ثبوت لقاء بھی ہونا ضروری ہے۔

☆ چھٹی شرط یہ ہے کہ اس راوی سے روایت نہ لینا جس سے صرف ایک راوی نے روایت لی ہو اور اس راوی سے بھی روایت نہ لینا جس میں جہالت قادحہ ہو۔ ہاں اگر کسی صحابی سے روایت لینا درست ہے۔ اس شرط کا خلاصہ یہ نکلا کہ ہر ہر طبقہ میں رواۃ کی تعداد کم از کم دو ثقہ ہو مثلاً صحابی سے روایت کرنے والے دو ثقہ تابعی ہوں۔ پھر ان سے روایت کرنے والے دو تبع تابعین ہوں۔

اس شرط پر پہلا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ بخاری کی سب سے پہلی حدیث **انما الاعمال بالنیات** میں یہ شرط مفقود ہے کیونکہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے صرف علقمہ ہیں اور ان سے محمد بن ابراہیم تیمی نے روایت کی ہے۔ اور ان سے یحییٰ بن سعید انصاری نے روایت کی ہے علیٰ ھذا بخاری کی سب سے آخری حدیث **کلمتان خفیفتان** میں بھی ایسا ہی ہے کیونکہ اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صرف ابوزرہ نے اور ان سے صرف عمارہ بن قعقاع نے اور ان سے محمد بن فضیل نے روایت کیا ہے۔ (کذا فی ملفوظات مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی قسط نمبر۲، صفحہ نمبر۱۲)

اس اعتراض کی کئی وجوہات ہیں:

اول ہوسکتا ہے کہ دوسری کتب میں عمدہ راویوں سے ان کے متابعات موجود ہوں اس لئے قوی ہو جائے گی۔ (مقدمہ انوار الباری حصہ نمبر۲، ص ۳۸)

دوم وحدان رواۃ ومجاہیل رواۃ سے وہ حضرات مراد ہیں جن سے روایت کرنے والا نفس الامر میں فقط ایک راوی ہو لیکن وہ حضرات جن سے روایت کرنے والے تلامذہ نفس الامر میں تو متعدد ہیں۔ لیکن مخصوص حدیث میں ان سے روایت کرنے والا ایک راوی ہے۔ سو یہ حضرات وحدان میں داخل نہیں ہیں ان کی روایت

مقبول ہے۔ علقمہ، ابوذرہ وغیرہ اسی قبیل سے ہیں اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ نفس الامر میں بھی ان حضرات سے روایت کرنے والا ایک راوی ہے تو اس کا جواب وہی ہوگا جو آگے اعتراض دوم کے جواب میں آرہا ہے۔

سوم یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر سنائی ہے اور اس کے سننے والے بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے اگر چہ روایت ایک نے کی ہو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بوقت بیان سکوت بھی بیان ہے۔

(کما تقرر فی اصول الفقہ)

چہارم اور اگر واقعۃً ہر ہر حدیث کی روایت میں اثنینیت رواۃ کو شرط شیخین قرار دی جائے (یعنی ہر راوی سے روایت کرنے والے کم از کم دو ہوں) جیسا کہ ابو علی جبائی اور قاضی ابوبکر بن العربی کی رائے ہے تو پھر یہ شرط محض اکثری واغلبی ہوگی۔

پنجم اس حدیث (انما الاعمال بالنیات) میں اپنی شرط ملحوظ نہیں رکھی اور قصد تبرک کی بناء پر بلا شرط لائے ہیں۔

ششم ہوسکتا ہے کہ نفس الامر میں اس میں بھی شرط اثنینیت موجود ہو لیکن امام ممدوح نے دوسری کتب حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی کتاب میں رواۃ کو ذکر نہیں کیا۔

اس شرط سادس پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ شیخین کے بعض رواۃ حقیقۃً وحدان ہیں جیسے زید بن ابی رباح، ولید بن عبدالرحمٰن جارودی وغیرہ ہیں۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اگر ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی نے اس راوی کی تعدیل کی ہو تو اس راوی منفرد کی روایت مقبول ہے واختارہ ابو الحسن بن القطان۔

(مقدمہ فتح الملہم ص ۶۳، ۶۴)

دوسرا جواب یہ ہے کہ بہت سے محققین (ابن خزیمہ، ابن حبان وغیرہ) کے نزدیک ایک مشہور راوی کی روایت سے جہالت عین مرتفع ہو کر تعدیل ثابت ہو جاتی ہے اور بقول بعض اگر وہ راوی ایسا ہو جو عادل ہی کی روایت کرتا ہو جیسے ابن مہدی، یحییٰ بن سعید وغیرہ ہیں تو فقط اس ایک راوی کی روایت سے بھی اس کے شیخ کی تعدیل

ثابت ہو جائے گی۔ (مقدمہ مسلم، ص ۶۳)

☆ ساتویں شرط یہ ہے کہ امام بخاری حدیث مرسل کو نہیں لاتے کیونکہ ان کے نزدیک حدیث مرسل حجت نہیں ہے۔

بخاری اور مسلم کے درمیان موازنہ

تنازع قوم فی البخاری و مسلم
لدی فقالوا ای زین یقدم
فقلت لقد فاق البخاری صحة
کما فاق فی حسن الصناعة مسلم

صحیح بخاری اور مسلم شریف میں سے کس کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہے۔ اس میں علماء کے تین اقوال ہیں۔

☆ ابن ملقن نے بعض متاخرین سے نقل کیا ہے کہ صحت کی رو سے دونوں مساوی ہیں، لیکن یہ ضعیف قول ہے۔

☆ بعض علماء مغرب واندلس (ابن رشد، ابن حزم وغیرہ) کے نزدیک صحیح مسلم، بخاری شریف سے اصح وفائق ہے۔

☆ جمہور محدثین کے نزدیک صحت اسانید وعدالت رجال کے لحاظ سے بخاری مجموعی طور پر مسلم سے اصح ہے۔ جہاں تک مغاربہ کی دلیل ابو علی نیشاپوری کا مقولہ **ماتحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم** کا تعلق ہے تو اس کے کئی جوابات ہیں:

ایک اس قول سے زیادہ سے زیادہ اتنا ثابت ہوتا ہے کہ بخاری مسلم سے اصح نہیں ہے نہ یہ کہ وہ مسلم کے ہم پلہ بھی نہیں ان کا یہ قول ان کے شیخ ابو عبدالرحمٰن نسائی کے اس قول سے معارض ہے۔ "**مافی هذه الکتب کلها اجود من کتاب محمد بن اسماعیل**" لہٰذا غیر معتبر ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابو علی نیشاپوری کی مراد اصحیت فی السند نہ ہو۔ بلکہ اصحیت فی حسن الترتیب وحسن البیان ہو۔ مغاربہ کی

دوسری دلیل مسلم بن قاسم قرطبی کا یہ قول ہے صحیح مسلم کے بارے میں لم یضع احد مثلہ کا جواب ظاہر ہے کہ اس کا مقصد اصحیت فی حسن الترتیب و حسن البیان ہے۔ مغاربہ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے صحیح مسلم کو اساتذہ کی موجودگی میں اپنے گھر میں بیٹھ کر ترتیب دیا ہے اس لیے صحیح مسلم کی احادیث اساتذہ و مشائخ کے فرمودہ کلمات کے مطابق ہیں نیز اساتذہ نے ان روایات کی توثیق بھی کر دی ہے جب کہ امام بخاری نے اپنے سماع وضبط کے مطابق اساتذہ کی روایات صحیح بخاری میں نقل کی ہیں اور صحیح مسلم کی بنسبت بخاری میں آثار موقوفہ اور احادیث مقطوعہ بکثرت موجود ہیں۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الملہم، ص ۲۷۰)

وجوہ رجحان البخاری علیٰ مسلم

جاننا چاہیے کہ صحت سند کا مدار تین چیزوں پر ہے۔

(۱) الثقہ بالرواۃ

(۲) اتصال الاسناد

(۳) السلامہ عن العلل القادحۃ

ان تینوں امور میں بخاری کو فوقیت حاصل ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

الثقہ بالرواۃ کے اعتبار سے فوقیت کی وجہ یہ ہے کہ جن رواۃ کے ساتھ بخاری منفرد ہیں یعنی جن کی کوئی روایت مسلم نے نہیں لی ایسے راویوں کی تعداد ۴۳۴ ہے، جن میں سے صرف اسی (۸۰) پر کلام کیا گیا ہے بخلاف کتاب مسلم کے، کہ جن رواۃ کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں ان کی تعداد ۶۲۰ ہے جن میں سے ۱۶۰ پر کلام کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے ان رواۃ کا مرتبہ فائق ہوگا جن پر کوئی کلام نہیں کیا گیا بنسبت ان رواۃ کے جن پر فی الجملہ کلام کیا گیا ہے اگر چہ نفس الامر میں وہ کلام مانع صحت نہ ہو، پھر جن رواۃ پر کلام کیا گیا ان کی روایات بخاری نے بہت کم لی ہیں اور امام مسلم نے بکثرت لی ہے نیز بخاری کی جن رواۃ پر کلام کیا گیا ہے وہ بیشتر امام بخاری کے شیوخ ہیں یعنی

ان کے براہ راست استاد ہیں۔ بخلاف امام مسلم کے کہ ان کے متکلم فیہ رواۃ خود ان کے براہ راست شیوخ نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ محدث اپنے براہ راست شیوخ کے حالات زیادہ جانتا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اصالۃ رواۃ کے طبقہ خمسہ میں سے طبقہ اولیٰ کی روایت لاتے ہیں اور کبھی استشہاداً وتبعاً طبقہ ثانیہ کی روایت بھی لاتے ہیں اور امام مسلم طبقہ اولیٰ و ثانیہ دونوں کی روایت اصالۃ لاتے ہیں اور استشہاداً طبقہ ثالثہ کی روایت بھی لاتے ہیں۔

اتصال سند کے اعتبار سے بخاری کی فوقیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے راوی اور مروی عنہ کے درمیان ثبوت لقاء ولو مرۃ کی شرط رکھی ہے اور امام مسلم نے صرف معاصرت کو کافی قرار دیا ہے۔

السلامہ من العلل القادحہ کے اعتبار سے بخاری کی فوقیت کی وجہ یہ ہے کہ صحیحین کی جن احادیث پر ائمہ ناقدین نے تنقید کی ہے ان کی کل تعداد دو سو دس (۲۱۰) ہے جن میں سے صرف اسی (۸۰) سے بھی کم بخاری میں ہیں باقی سب مسلم میں ہیں۔ یہ تنقید اگرچہ مانع صحت نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ اس سے فوقیت زیادہ سمجھی جائے گی نیز بخاری میں مسائل فقہیہ و احکام مستنبطہ ہیں جو مسلم میں نہیں ہیں۔

(مقدمہ فتح الملہم، ص ۲۴۰)

کون البخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ

الصحیح اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں صرف صحیح احادیث جمع کی گئی ہوں کالصحیحین۔ لیکن اس اصطلاح میں رفتہ توسع پیدا ہو گیا۔ اب تغلیباً ایسی کتابوں کو بھی صحیح کہا جانے لگا جن میں صحیح بکثرت ہوں چنانچہ الصحاح الستہ کا لفظ اسی توسع کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ ان میں الصحیح صرف بخاری و مسلم ہیں۔ اسی توسع کی وجہ سے الصحاح المجردہ کی اصطلاح پیدا ہوئی۔ یعنی وہ کتاب جس میں خالصۃً سب کی سب احادیث صحیح ہوں، غیر صحیح کوئی نہ ہو۔

صحیح مجرد کی سب سے پہلے تالیف صحیح البخاری ہے اور اس کے متصل بعد صحیح مسلم ہے۔ صحیح مجرد یہی دو کتابیں ہیں۔ اسی بناء پر اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا لقب بخاری کو مل گیا۔ لیکن اس پر پہلا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ امام شافعی سے منقول ہے۔ ''ماتحت ادیم السماء اصح من موطا مالک'' اس سے معلوم ہوا کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا امام مالک ہے۔ اس کے کئی جوابات ہیں:

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ صحیحین کے وجود سے قبل ہے کیونکہ امام شافعی کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی اور امام بخاری کی ولادت ۱۹۴ھ میں ہوئی اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ قبل وجود الصحیحین موطا امام مالک اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔

(۲) موطا امام مالک کی کتاب تمام احادیث بجز تین چار احادیث کے صحیح بخاری میں آ چکی ہیں گویا موطا امام مالک صحیح بخاری کا ایک جز ہے۔ لہٰذا اصحیت موطا کا اثبات گویا بخاری کی اصحیت کا اثبات ہے نیز موطا میں مرسل، منقطع اور بلاغیات بہت ہیں لہٰذا صحیح مجرد نہیں ہے اور یہی چیز صحیحین میں بھی ہے۔ لیکن جو حدیث بخاری میں مرسل، منقطع آئی ہے وہ صحیحین میں یا کسی اور کتاب میں متصل السند آئی ہے۔ شیخین نے ان کی سندیں وہاں پر اختصار یا کسی اور مصلحت کے لیے حذف کر دی ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ صحیحین کے مجرد ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ صحیحین کے علاوہ احادیث جو دوسری کتابوں میں ہیں وہ سب ضعاف ہیں اور ان پر عمل کرنا جائز نہیں ہونا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں اس کے کئی جوابات ہیں:

اول یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام احادیث صحیحہ صحیحین میں آ گئی ہوں اور بقیہ کتب میں سب ضعاف ہوں چنانچہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ما ادخلت فی کتابی الجامع الاماصح و ترکت جملۃ من الصحاح خشیۃ ان یطول الکتاب"

اور امام مسلم سے منقول ہے

"انما خرجت هذا الكتاب و قلت هو صحاح ولم اقل ان مالم اخرجه من الحديث فى هذا الكتاب فهو ضعيف"۔

دوم اصحیت بخاری کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی طور پر بخاری دوسری کتب حدیث سے صحیح ہے یہ نہیں ہے کہ ہر ہر حدیث کے لحاظ سے بھی صحیح ہے۔

سوم دوسری احادیث پر عمل کرنا اصحیت بخاری کے منافی نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات مفضول میں وہ چیز پائی جاتی ہے جو افضل میں نہیں ہوتی۔

چہارم بخاری کی بعض احادیث منسوخ ہیں اس لیے اس کے خلاف عمل کرنا جائز۔

پنجم صحت حدیث کا حکم محض اجتہادی ہے قطعی نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد دوسرے کے خلاف ہو۔

ششم صحیحین وصحاح ستہ کی یہ اصحیت بعد کے لوگوں کے لحاظ سے ہے ورنہ پہلے کے لوگ قلت وسائط کو دیکھتے تھے۔ (لامع الدراری ج ۱، ص ۸۴)

نسخ البخاری

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے شاگرد رشید علامہ فربری نے فرمایا کہ نوے ہزار تلامذہ نے امام بخاری سے صحیح بخاری پڑھی ہے لیکن روایت کرنے والا ان سے میرے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے اس سے پتہ چلا کہ فی الحال پوری دنیا میں نسخہ فربری کے علاوہ اور کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ فربری کے علاوہ بھی بخاری کی دوسری رواۃ موجود ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری ہم تک پانچ طریق سے پہنچی ہے، وہ طرق خمسہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) علامہ فربری (المتوفی ۳۲۰ھ)

(۲) علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن معقل بن الحجاج النسفی الحنفی (متوفی ۲۹۴ھ)
(۳) ابو محمد حماد بن الشاکر النسوی الحنفی (المتوفی ۲۹۰ھ وقیل المتوفی ۳۱۱ھ)
(۴) علامہ ابوطلحہ منصور بن محمد البرذوی (المتوفی ۳۲۹ھ)
(۵) قاضی حسین بن اسماعیل المحاملی (المتوفی ۳۳۰ھ)

حافظ فرماتے ہیں کہ پانچواں طریق علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے ورنہ جمہور کا کہنا ہے کہ صحیح بخاری قاضی حسین کے پاس نہیں تھی۔ اس لیے وہ بخاری کے رواۃ میں سے نہیں ہیں۔ لیکن اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری جب بغداد تشریف لے گئے تو بخاری شریف کا کچھ حصہ مختلف مجالس میں املا کروایا اور قاضی حسین ان مجالس میں شریک تھے اور ان کے پاس بخاری کی چند کاپیاں بھی تھیں۔ حافظ فرماتے ہیں کہ ہمارے دیار میں بخاری کا مدار نسخہ فربری پر ہے اور علامہ فربری سے بخاری کو روایت کرنے والے عند الحافظ رحمۃ اللہ علیہ نو (۹) ہیں اور عند العلامہ نووی گیارہ ہیں اور صاحب الیانع الجنی کے نزدیک بارہ ہیں۔

(۱) نسخہ ان السکن، جو سعید بن عثمان بن السکن (المتوفی ۳۵۲ھ) کی طرف منسوب ہے۔
(۲) نسخہ المستملی، جو علامہ ابراہیم بن احمد (المتوفی ۳۷۶ھ) کی طرف منسوب ہے۔
(۳) نسخہ الاخیکسی، جو احمد بن محمد (المتوفی ۳۷۶ھ) کی طرف منسوب ہے۔
(۴) نسخہ المروزی، جو علامہ ابوزید محمد بن احمد المروزی کی طرف منسوب ہے جس کی وفات ۳۷۱ھ میں ہوئی۔
(۵) نسخہ الشبوی، جو محمد بن عمر بن شبیہ کی طرف منسوب ہے۔
(۶) نسخہ الجرجانی، جو محمد بن محمد الجرجانی کی طرف منسب ہے۔
(۷) نسخہ السرخسی جو عبداللہ بن احمد (المتوفی ۳۸۱ھ) کی طرف منسوب ہے، اس کو نسخہ حموی بھی کہا جاتا ہے۔
(۸) نسخہ الکشمنی، جو محمد بن احمد مکی (المتوفی ۳۸۹ھ) کی طرف منسوب ہے۔

(۹) نسخہ شیخ ابوسعید احمد بن محمد۔

نسخہ فربری کی شہرت کی وجہ

فربر بکسر الفاء وفتح الراء وسکون الباء بخارا سے بیس پچیس میل کے فاصلے پر ایک گاؤں کا نام ہے۔ علامہ فربری ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۰ھ میں انتقال کر گئے۔ کل عمر ۸۹ سال تھی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۲۶ سال تھی، گویا چونسٹھ سال بعد تک زندہ رہے۔ چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے اتنی طویل مدت تک پڑھایا اور ہر سال کثیر تعداد میں شاگردوں نے پڑھا اور لکھا اس لیے یہی نسخہ زیادہ متداول اور متعارف ہوا۔ شہرت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ علامہ فربری نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے دوبار بخاری شریف پڑھی۔ پہلی مرتبہ ۲۴۸ھ میں دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ میں اور ۲۵۶ھ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ انتقال کر گئے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ تین مرتبہ پڑھی۔ (مقدمہ اردو تقریر بخاری ص ۵۲ از شیخ الحدیث)

فربری کے نسخوں میں اختلاف ہونے کی وجوہات

نسخہ فربری میں دو وجہ سے اختلاف ہوا:

(۱) پہلے زمانہ میں استاد املاء کراتا تھا اور شاگرد اس کو قلم بند کرتے تھے مگر چونکہ سارے شاگرد ایک ہی درجہ کے متیقظ اور بیدار مغز نہیں ہوتے تھے اس لیے کوئی کچھ لکھتا کوئی کچھ لکھتا۔

(۲) علامہ فربری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے استاد امام بخاری سے انتہائی درجہ کی محبت تھی اس لیے دونوں نسخوں کی روایت لے لی اگرچہ ان کو معلوم تھا کہ دوسرا نسخہ آخری نہیں ہے۔ (مقدمہ اُردو تقریر بخاری، ص ۵۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں امام مالک سے روایت

زیادہ لی ہیں اور اپنے شیخ امام احمد بن حنبل سے صرف دو روایتیں لی ہیں۔ایک کتاب المغازی میں اور ایک کتاب النکاح میں ،قلت روایت کی وجہ یہ ہے کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ شروع میں بغداد تشریف لے گئے تو اس وقت امام احمد بن حنبل کے شیوخ زندہ تھے اور جب آخر میں تشریف لائے تو اس وقت امام احمد بن حنبل نے درس حدیث ترک کردیا تھا اور اپنے شیخ الشیخ امام شافعی سے کوئی روایت نہیں لی اور ان کے بعض اقوال کو قال بعض الناس کہہ کر ذکر کیا وار امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کوئی روایت نہیں لی اور ان کے بعض اقوال کو قال بعض الناس کے عنوان سے ذکر کیا بلکہ بے جا ہدف ونشانہ بھی بنایا ہے۔ بخاری میں تو کم سے کم مسامحات سے کام لیا لیکن اپنی دوسری تصانیف (جیسے قرأۃ خلف الامام ،رفع الیدین) میں جارحانہ حملہ کیا ہے چنانچہ اس کا بدلہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے شاگرد امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم میں لیا ہے اور امام ترمذی نے بھی اپنی کتاب ترمذی شریف میں اور اپنے استاد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت نہیں لی۔اس سلسلے میں تحقیقی جواب وہ ہے جس کو ہمارے اکابر نے بیان کیا ہے کہ جن محدثین کے تلامذہ اتنی کثرت سے موجود تھے کہ وہ اپنے استاد کی احادیث کو جمع رکھ سکتے ہیں ان کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے زیادہ التفات نہیں کیا۔امام ابوحنیفہ اور امام شافعی انہیں میں سے ہیں۔ (ملفوظات مولانا مفتی محمود حسن ،قسط نمبر ۹ ،ص ۳۵)

جامع صحیح کی شروح وحواشی

جامع صحیح کی اہمیت ومقبولیت کی بنا پر ہر دور کے علماء نے اس پر شروح وحواشی لکھے ہیں ، لامع میں ایک سو سے زائد شروح وحواشی اور متعلقات بخاری کا تذکرہ ہے۔ان میں سب سے زیادہ فتح الباری کو شہرت حاصل ہوئی۔

(۱) **فتح الباری**: یہ شیخ الاسلام حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر م ۸۵۲ھ کی تصنیف ہے ،مصنف نے ۸۱۷ھ سے اس کا آغاز کیا ،سب سے پہلے ایک مقدمہ لکھا ،

جب وہ مکمل ہوگیا تو شرح کی تالیف شروع کی، اس کا طریقہ یہ تھا کہ جب شرح کا معتد بہ حصہ ہوجاتا تو اس کو ائمۂ مجتہدین کی ایک جماعت نقل کرتی، پھر ہفتہ میں ایک دن اس پر مباحثہ و مقابلہ کیا جاتا، علامہ برہان بن خضر پڑھتے اور لوگ اپنے اعتراضات اور بحث پیش کرتے تھے، حافظ صاحب جواب دیتے، اس طرح یہ کام ۸۴۲ھ میں ختم ہوا مگر اس کے بعد مصنف نے اس پر کچھ اضافے بھی کئے اور اس کی تکمیل وفات سے کچھ مدت پہلے ہوئی۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بخاری کی شرح کا دین امت پر باقی ہے، حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ غالباً فتح الباری سے یہ دین ادا ہوگیا۔

اس میں مصنف نے جامع صحیح کے ان نکات پر جوفن رجال یا تراجم ابواب کی تدقیقات فقہیہ سے متعلق ہیں محققانہ بحث کی ہے اور حدیث کے مختلف طرق کو جمع کیا ہے، جس سے حدیث کے کسی ایک احتمال یا اعراب کی تعیین ہوجاتی ہے۔ (ارشادالساری، ص ۳۶)

یہ سترہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے کہ میں نے مشائخ سے سنا ہے کہ صحیح بخاری کی شرح امت پر قرض ہے اور حافظ ابن حجر العسقلانی کے شاگرد رشید علامہ حافظ شمس الدین سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے۔ کہ میرے شیخ کی شرح فتح الباری سے اس کا قرض ادا ہوگیا۔ ان کے بارے میں علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے تھے کہ ان کے علم میں حنفیہ کے مسلک کی قوی دلیل ہوتی ہے مگر اس کو ذکر نہیں کرتے۔ ایسی کمزور دلیل ذکر کرتے ہیں جس کا رد کرسکیں نیز فرماتے تھے کہ حافظ ابن حجر امام طحاوی کے رد کو فرض عین سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جگہ جگہ طحاوی حنفی کہہ کر ان پر رد کیا ہے اور میں حافظ کے جواب کو فرض عین سمجھتا ہوں۔

(ملفوظات مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، قسط نمبر ۱، ص ۸۳)

(۲) عمدۃ القاری: علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ کی تصنیف ہے، مصنف نے ۸۲۱ھ سے اس کی ابتداء کی اور ۸۴۷ھ میں یہ شرح مکمل ہوئی، اتنی مدت اس لیے صرف ہوئی کہ درمیان میں مختلف موانع کی بناء پر

متعدد بار اس کام کو بند کرنا پڑا، ورنہ زیادہ سے زیادہ سال کی مدت صرف ہوتی، علامہ عینی نے فتح الباری سے بہت استفادہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے بعض ورق پورے کے پورے نقل کر دیئے ہیں، علامہ عینی نے اپنی شرح میں حافظ ابن حجر پر تعقبات بھی کئے ہیں، اور جن باتوں کو انہوں نے بالقصد ترک کر دیا تھا، ان کی تفصیل کر دی ہے، مثلاً (١) حدیث کے پورے متن کو نقل کر دیا ہے (٢) رواۃ کے انساب کی وضاحت کی ہے (٣) ہر راوی کا ترجمہ دیا ہے (٤) لغات و اعراب، معانی و بیان کی وضاحت کی ہے، اور حدیث سے مسائل کا استنباط کیا ہے، اشکالات و جوابات فتح الباری سے زیادہ ہیں۔ (ایضاً ص ٣٦)

یہ ۵۲ اجزا پر مشتمل ہے۔ فقہ حنفی کا عظیم ذخیرہ ہے۔ علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ یہ فتح الباری سے ایک ثلث تعداد میں زیادہ ہے۔ اس میں مختلف مباحث کی ایسی وضاحت کی گئی ہے کہ قاری کو دوسری شرح کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر فتح الباری کا مقدمہ نہ ہوتا تو اس کو فتح الباری پر نمایاں فوقیت حاصل ہوتی۔ ہاں طرق حدیث کے جمع کرنے اور اسانید پر بحث کرنے اور فن حدیث کے لحاظ سے فتح الباری عمدہ ہے۔ (مزید تفصیل آ رہی ہے)

علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ عمدۃ القاری، فتح الباری سے ایک ثلث مقدار میں زیادہ ہے، اس میں مختلف مباحث کی ایسی وضاحت کی گئی ہے کہ قاری کو کسی دوسری شرح کی ضرورت نہیں رہتی اگر فتح الباری کا مقدمہ نہ ہوتا تو عمدۃ القاری کو اس پر نمایاں فوقیت حاصل ہوتی، عینی نے حافظ ابن حجر کے بہت سے اوہام پر تنبیہ کی ہے اور جب یہ کتاب ان کے سامنے آئی تو حافظ ابن حجر نے ان مقامات کی اصلاح کر لی، اور علامہ عینی کی تردید میں ایک رسالہ انتقاض الاعتراض لکھنا چاہا لیکن زندگی نے وفا نہیں کی، اس لیے یہ رسالہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا، علامہ عینی، حافظ ابن حجر کے شیوخ کے صف کے آدمی ہیں، وہ عمر میں حافظ ابن حجر سے بارہ سال بڑے تھے، البتہ ان کا انتقال تین سال بعد ہوا۔

(٣) **ارشاد الساری:** شہاب احمد بن محمد الخطیب القسطلانی المصری صاحب

المواہب اللدنیہ المتوفی ۹۲۳ھ، اس میں شرح ومتن مخلوط ہے، لیکن متن کو سیاہی وسرخی سے ممتاز کردیا ہے۔

حقیقت میں یہ فتح الباری، عمدۃ القاری کی تلخیص ہے، اگرچہ مصنف نے دوسری شرحوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

(۴) **الکواکب الدراری:** علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی کرمانی م ۷۸۶ھ حافظ ابن حجر اور عینی نے اپنی شرحوں میں اس سے بہت کچھ لیا ہے، مصنف نے اس میں نحوی اعراب اور غریب الفاظ کو پوری طرح حل کیا ہے، یہ شرح مصر میں چھپ گئی ہے۔

(۵) **شرح النووی:** علامہ نووی المتوفی ۶۷۹ھ نے صرف کتاب الایمان تک شرح لکھی تھی، اس کی تکمیل نہیں کرسکے، صحیح مسلم کے مقدمہ میں اس کا ذکر ہے۔

(۶) **ہدایۃ الباری:** شیخ الاسلام زکریا الانصاری، تلمیذ حافظ ابن حجر المتوفی ۹۲۸ھ مصر سے چھپ چکی ہے۔

(۷) **تیسیر القاری:** علامہ نور الحق بن مولانا عبدالحق الدہلوی، المتوفی ۱۰۷۳ھ جس زمانے میں شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح لکھی تھی، اسی زمانہ میں ان کے صاحبزادے علامہ نور الحق نے صحیح بخاری کی شرح فارسی میں لکھنی شروع کی۔

(۸) **التوشیح علی الجامع الصحیح :** حافظ جلال الدین سیوطی، المتوفی ۹۱۱ھ کی لطیف شرح ہے، اس کی تلخیص علامہ دمنتی نے کی ہے اور اس کا نام روح التوشیح رکھا ہے، طبع ہوچکی ہے۔

(۹) **شواهد التوضیح و التصحیح المشکلات الجامع الصحیح :** شیخ جمال الدین الشافعی المتوفی ۶۷۲ھ کا رسالہ ہے، جو ہندوستان میں طبع ہوچکا ہے۔

(۱۰) علامہ ابوالحسن نور الدین محمد بن عبدالہادی السندی الحنفی کا حاشیہ جو

مشہور ی ومعروف ہے، یہ بھی طبع ہو چکا ہے۔

(۱۱) شرح شیخ الاسلام بن محب اللہ البخاری الدہلوی ، یہ فارسی شرح تیسیر القاری کے حاشیہ پر چھپی ہے، مگر صرف چودہ (۱۴) پارے ہی طبع ہوئے ہیں۔

(۱۲) **عون الباری:** نواب صدیق حسن خان صاحب المتوفی ۱۳۰۷ھ نے تجرید بخاری کی مختصر شرح لکھی ہے۔

(۱۳) **نبراس الساری فی اطراف البخاری** : مولانا ابوسعید محمد بن عبدالعزیز الحنفی کی تصنیف ہے۔

(۱۴) مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری المتوفی ۱۲۹۸ھ کا حاشیہ جس کے آخری حصے کی تکمیل حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی، نہایت مفید ہے۔

(۱۵) **لامع الدراری** : حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی المتوفی ۱۳۲۳ھ کے درس کے افادات ہیں، جن کو ان کے مختلف تلامذہ نے جمع کیا تھا، سب سے آخری دورہ جس میں ملک کے بڑے بڑے علماء وفضلاء شریک تھے، اوراس کے بعد سلسلۂ درس ختم ہوگیا تھا ، اس دورہ میں حضرت کے مائۂ ناز شاگرد مولانا یحییٰ صاحب شریک تھے بلکہ ان ہی کی خاطر حضرت نے اس دورہ کا افتتاح فرمایا تھا، اس آخری درس کے افادات کو حضرت کے تلامذہ نے قلم بند کیا تھا ، اس پر حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم نے تعلیق اور ایک مبسوط مقدمہ لکھا، اس کا مطالعہ حدیث کے طلباء واساتذہ کے لیے بہت مفید ہے، اس کی دو جلدیں طبع ہوچکی ہیں، اورجلد ثالث زیر طبع ہے، اس مضمون کا بیشتر حصہ اسی سے ماخوذ ہے۔

نوٹ: علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سے زائد مرتبہ صحیح بخاری کا درس دیا۔ شروحات کے مطالعہ کے علاوہ صرف متن بخاری کو تیرہ مرتبہ بغور مطالعہ کیا۔ پھر چودھویں مرتبہ میں پتہ چلا کہ اور بھی لطائف و دقائق ہیں ، جس طرح قرآن کریم کی تفاسیر بکثرت ہیں اسی طرح بخاری شریف کی شروحات کی بھی فہرست بہت لمبی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے مقدمہ

لامع الدراری میں ۱۳۲ شروح کا ذکر کیا ہے اور تفصیل سے کلام کیا ہے اور ۵۳ مبسوط کامل شرحیں ہیں اور ۲۲ مستخرجات ہیں۔ نحویوں وصرفیوں نے بھی شرحیں لکھی ہیں۔ ان میں چند یہ ہیں:

(۱) اعلام السنن، یہ بخاری کی سب سے پہلی شرح ہے جس کو علامہ خطابی نے تالیف کیا ہے۔

(۲) شرح البخاری، اس کو علامہ ابن بطال نے تصنیف فرمایا ہے۔

(۳) ارشاد الساری، یہ علامہ شہاب الدین قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف فرمائی ہے جو دس جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۴) تیسیر القاری، یہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے علامہ انوارالحق کی تالیف ہے، فارسی میں ہے۔

(۵) فیض الباری، مولانا بدر عالم مہاجر مدنی (۵/رجب ۱۳۸۵ھ) نے اپنے شیخ اور استاد علامہ انور شاہ کشمیری کے درس بخاری کے افادات کو جمع فرمایا ہے۔ تدریس بخاری کے وقت اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے لیکن اس میں کچھ تسامحات بھی ہیں۔ (ملاحظہ ہو شیخ محمد عبدالوہاب اور ہندوستان کے علماء حق از مولانا محمد منظور نعمانی ص ۱۱۱ ومقدمہ فیض الباری ص ۳۰، ۷۰)

(۶) تفہیم البخاری، علامہ غلام رسول رضوی کی تصنیف ہے۔ تصوف و منطق کا رنگ غالب ہے۔

(۷) مجمع البحرین، یہ شیخ تقی الدین یحییٰ بن شمس الدین محمد بن یوسف بن علی کرمانی کی تصنیف ہے۔ بڑے بڑے آٹھ اجزا پر مشتمل ہے۔

(۸) فضل الباری، حضرت مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادی خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

(۹) فضل الباری، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری کے افادات کا مجموعہ ہے۔ جن کو مولانا قاضی عبدالرحمٰن نے ترتیب دیا ہے۔

(۱۰) کشف الباری، یہ حضرت شیخ مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ تلمیذ شیخ العرب والعجم مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اسیر مالٹا کی تصنیف ہے۔ اُردو میں بہت اچھی شرح ہے۔

(۱۱) مولانا احمد علی سہارنپوری (المتوفی ۱۲۹۸ھ، جو محدث سہارنپوری بھی کہلاتے ہیں) نے بخاری شریف کے پچیس پاروں پر حاشیہ لکھا ہے اور آخر کے پانچ پاروں پر مولانا محمد قاسم نانوتوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ، بانی دارالعلوم دیوبند) کا حاشیہ ہے مگر کوئی خط امتیاز قائم نہیں کیا۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہاں سے ان کا حاشیہ ہے۔ ایک دفعہ مولانا احمد علی صاحب مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو بخاری شریف کو اپنے حاشیہ کے ساتھ مزین کرا کے چھپوا کر ساتھ لے گئے تھے تو مولانا مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ تو بڑے محدث ہیں آپ نے بخاری شریف پر حاشیہ لکھا ہے مگر فلاں فلاں صفحہ پر فلاں فلاں غلطی کی ہے۔ دیکھا گیا تو ایسا ہی نکلا۔ (ملفوظات مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، قسط نمبر ۲، ص ۸۵)

صحیح بخاری کی لاجواب شرح عمدۃ القاری کے تعارف پر حضرت مولانا نور البشر صاحب استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کا ایک مضمون سہ ماہی رسالہ وفاق پاکستان شمارہ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ میں شائع ہوا ہے۔ وہ پیش خدمت ہے۔

شیخ الاسلام قاضی القضاۃ، حافظ الدہر، فقیہ دوراں، علامہ حافظ بدرالدین محمود بن احمد بن موسیٰ العینتابی القاہری رحمۃ اللہ علیہ ۷۶۲ھ میں ''عین تاب'' نامی جگہ میں پیدا ہوئے جو حلب سے تین مراحل پر واقع ہے۔ یہیں پلے بڑے اور شیوخ سے استفادہ کیا۔

۷۸۸ھ کے بعد علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ علامہ علاؤالدین علی بن احمد بن محمد السیر امی سے استفادہ کی غرض سے قاہرہ تشریف لے گئے۔

قاہرہ میں انہوں نے مختلف مشائخ سے استفادہ کیا۔ البتہ حدیث میں خصوصی

استفادہ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ ہی سے کیا۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ حدیث، فقہ، تاریخ اور علوم عربیت میں ''امام'' تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو طلب کا جو ذوق و شوق عطا فرمایا تھا اس کے ذریعے انہوں نے خوب کام لیا۔ چنانچہ کسی بحث پر تمام پہلوؤں سے سیر حاصل بحث کرنے اور جامع انداز سے اس کو ضبط کرنے کا جو ملکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا وہ ان کی کتابوں سے بالکل ظاہر ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی حافظ کی طرح نہایت کثیر التالیف ہیں۔ ان تمام تالیفات میں ''عمدۃ القاری'' کو سب سے بڑا مقام حاصل ہے۔

علامہ عینی کی یہ شرح ۲۵ جلدوں پر مشتمل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہمہ جہتی تحقیق و تدقیق اور شرح و توضیح کے اعتبار سے یہ صحیح بخاری کی سب سے بڑے اور جامع ترین شرح ہے۔

اس عظیم الشان شرح کی تمام خصوصیات کا احاطہ تو بہت مشکل ہے تاہم یہاں اہم خصوصیات درج کی جاتی ہیں۔

(۱) سب سے پہلے ''ترجمۃ الباب'' کی لفظی تحلیل کرتے ہیں مثلاً یہ کہ ''باب'' کا لفظ منون اور بغیر اضافت کے ہے یا اضافت کے ساتھ بغیر تنوین کے ہے۔ پھر ترجمۃ الباب کی اعرابی کیفیت کا ذکر کرتے ہیں۔

(۲) ہر ترجمۃ الباب پر یہ التزام کرتے ہیں کہ اس کی ماقبل کے باب کے ساتھ کیا مناسبت ہے۔ پھر اس مناسبت کو وضاحت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں بعض اوقات کئی کئی مناسبتیں بھی ذکر کرتے ہیں اور پھر ان میں سے راجح وجہ مناسبت کی تعیین کرتے ہیں۔

(۳) صحیح بخاری کی پوری حدیث سند و متن کے ساتھ ذکر کر کے اس کی تشریح و توضیح نہایت ہی مرتب انداز سے کرتے ہیں۔

(۴) اس سلسلے میں سب سے پہلے ''بیان رجالہ'' کا عنوان قائم کر کے سند

میں واقع تمام رواۃ حدیث کے نام ونسب، کنیت، شیوخ وتلامذہ اوران کی حیثیت کو نہایت جامع انداز سے ذکر کرتے ہیں۔ رواۃ پر کلام نقل کرتے ہوئے علامہ عینی بعض اوقات ایسے اقوال بھی نقل کرتے ہیں جو''تهذيب الكمال'' جیسی وسیع وعریض کتاب میں بھی نہیں ملتے۔

(۵) پھر رجالِ سند کی تحقیق کے ضمن میں ان کی نسبتوں پر سیر حاصل کلام کرتے ہیں۔ چنانچہ ان نسبتوں کو صحیح طور پر ضبط کرتے ہیں۔ قبائل کا تعارف کراتے ہیں۔ بسا اوقات وجوہ تسمیہ ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح کی بے شمار نادر قسم کی معلومات جمع کر دیتے ہیں۔

(۶) پھر سند کے اندر کیا لطائف جمع ہیں۔ ان کی وضاحت کرتے ہیں کہ اس سند میں تحدیث ہے یا عنعنہ ہے۔ اس سند کے تمام راوی مثلاً بصری ہیں یا کوفی ہیں، اس سند میں رواية الآباء عن الأبناء کی صفت ہے، یا رواية الاكابر عن الاصاغر کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ یا اس سند کے تمام رواۃ جلیل القدر ائمہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی بے شمار خصوصیات ذکر کرتے ہیں۔

(۷) سند کی ہمہ جہتی تحقیق وتنقید کے بعد حدیث کی مکمل تخریج کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اس بات کا التزام کرتے ہیں کہ امام بخاری نے اس کے اطراف اپنی صحیح میں مزید کہاں کہاں نقل کئے ہیں۔ نیز یہ کہ دیگر محدثین میں سے کس کس نے اپنی کتب کے اندر اس کو نقل کیا ہے۔

اس ضمن میں بسا اوقات الفاظ کے فروق کا ذکر کرتے ہیں اور پھر ان کے فوائد بھی درج کرتے ہیں جو درحقیقت ان کی زبردست نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کی دلیل ہے۔

(۸) متن کی تحقیق کے سلسلے میں سب سے پہلے''بيان اللغات'' کا عنوان قائم کرکے حدیث کے ایک ایک مشکل اور غریب لفظ کی تحقیق وتدقیق اس طرح کرتے ہیں کہ ایک ایک لفظ کی تحقیق کے لیے ائمہ لغت کے بہتیرے اقوال اوران کی کتابوں سے واضح نقول پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں جا بجا دیگر مصنفین ومحققین کی

لغزشوں اور کوتاہیوں کی مدلل نشاندہی بھی کرتے جاتے ہیں۔

اس کے بعد حدیث کی اعرابی کیفیت سے اس طرح بحث کرتے ہیں کہ جملہ کی ترکیب وتحلیل کرتے ہوئے اس کی مختلف روایات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ پھر ان روایات کی بنیاد پر ترکیب ذکر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں مختلف شارحین کے اقوال ذکر کرتے اور ان میں اگر اختلاف ہو تو بہترین محاکمہ فرماتے ہیں۔

(۱۰) اس کے بعد ''بیان المعانی'' کا عنوان قائم فرما کر حدیث کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اس حدیث کے طرق کا استقصاء کرتے ہیں۔ مختلف طرق میں مذکور الفاظ اور جملوں کی روشنی میں حدیث کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔ عام طور پر اس عنوان کے تحت فقہاء کے اختلافات اور ان کے دلائل کو بھی ذکر فرماتے ہیں۔

(۱۱) بعض اوقات اسی عنوان کے تحت یا ''بیان البیان'' کا مستقل عنوان قائم فرما کر حدیث کے اندر بلاغت یعنی معانی و بیان و بدیع کے نکات کا اظہار فرماتے ہیں۔

(۱۲) سند حدیث کی تحقیق کے ضمن میں بعض اوقات اصولِ حدیث کے مباحث کو نہایت نفاست اور وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

(۱۳) آخر میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ''بیان استنباط الاحکام'' یا ''بیان الفوائد'' یا ''الفوائد'' کے عنوان سے حدیث شریف سے مستنبط احکام و فوائد کو نہایت دقیقہ رسی کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں۔

(۱۴) شرحِ حدیث کے ضمن میں جہاں کہیں کسی ادنیٰ مناسبت سے غیر متعلق مباحث مثلاً کلامی، تفسیر، نحوی، اصولی، منطقی یا ریاضی وغیرہ کے مباحث آجاتے ہیں تو ان کا اس طرح استیعاب کرتے ہیں کہ تشنگی باقی نہیں رہتی۔

(۱۵) صحیح بخاری کی معلقات پر سیر حاصل کلام کرتے ہیں۔ کہ معلق احادیث کو آیا امام بخاریؒ نے موصولاً نقل کیا ہے یا نہیں۔ اگر کیا ہو تو کن مقامات میں؟ اور اگر نہیں کیا تو دیگر محدثین نے کہاں تخریج کی ہے۔ تمام باتیں تفصیلاً ذکر کرتے ہیں۔

(۱۶) جہاں کہیں امام بخاری متابعات ذکر کرتے ہیں ان پر وضاحت کے

ساتھ کلام فرماتے ہیں۔

(۱۷) بعض اوقات ''الأسئلة والأجوبة'' کا عنوان قائم فرما کر مبحوث عنہ حدیث کے اندر اٹھنے والے اعتراضات کا شافی جواب دیتے ہیں۔

(۱۸) شرح حدیث کے ضمن میں بعض اوقات حدیث کے اندر جو مبہم اسماء آجاتے ہیں ان کی تعیین وتوضیح کرتے ہیں۔

(۱۹) حدیث میں مختلف اماکن وبلاد کے اسماء اگر وارد ہوں تو ان کی لفظی تحقیق کے ساتھ ساتھ جغرافیائی محل وقوع اور حد بندی بھی کرتے ہیں۔ عام طور پر اس کے لیے ''بیان اسماء الاماکن'' کا عنوان قائم فرماتے ہیں۔

(۲۰) ایک ''کتاب'' کے اختتام کے بعد دوسری ''کتاب'' کی ابتداء کے موقع پر دونوں ''کتابوں'' کے درمیان ربط ومناسبت اور ان کی ترتیب کے مصالح کو ذکر فرماتے ہیں۔

جب حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح لکھنی شروع کی تو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ان کے ایک شاگرد علامہ برہان بن خضر کے واسطے سے حافظ کی شرح کے کراسات مستعار لے کر مطالعہ کرنے لگے۔ اس کے بعد علامہ عینی کے دل میں شرح لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ اس طرح انہوں نے فتح الباری کے مکمل ہونے کے کوئی پانچ سال بعد سن ۸۲۱ھ میں عمدۃ القاری کی تالیف شروع کی اور سن ۸۴۷ھ میں یہ شرح اختتام پذیر ہوئی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے فتح الباری کے علاوہ صحیح بخاری کی دیگر مطول شروح بھی تھیں اس لیے انہوں نے ان کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا۔ بعض مقامات میں دونوں شرحوں کی عبارتیں یکساں ہو جاتی ہیں۔ جس سے بعض ناواقف یہ سمجھ لیتے ہیں کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ سے عبارتیں نقل کی ہیں۔ جب کہ ایسا مراجع کے توافق کی وجہ سے ہوتا ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے متقدمین کی شروح سے فوائد ونکات کا خوب

استقصاء کیا جتنا حافظ نے نہیں کیا۔ بعض حضرات نے حافظ سے جب پوچھا کہ کیا بات ہے۔ آپ کی کتابوں میں وہ نکات اور نادر فوائد نہیں ہیں جو عینی کی شرح میں ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ تمام فوائد و نکات انہوں نے شیخ رکن الدین کی شرح سے لیے ہیں۔ چونکہ یہ شرح نامکمل تھی اس لیے میں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی کیونکہ اسی نہج پر شرح کی تکمیل مشکل ہو جاتی، حقیقت بھی یہی ہے کہ عمدۃ القاری میں ایسے فوائد و نکات ایک مخصوص جگہ تک ہیں اس کے بعد ان کی شرح میں بھی اختصار ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح میں جا بجا دوسرے مصنفین و شارحین کے ساتھ ساتھ خاص طور پر حافظ ابن حجر کی تحقیقات کا خوب تعقب کرتے ہیں اور عام طور ''قال بعضهم'' کے عنوان سے حافظ کی تحقیق ذکر کر کے اس پر رد کرتے ہیں۔

عمدۃ القاری کی تکمیل کے بعد حافظ رحمۃ اللہ علیہ تقریباً پانچ سال حیات رہے۔ اس عرصے میں انہوں نے ''انتقاض الاعتراض'' کے نام سے ایک رسالہ لکھنا شروع کیا جس میں انہوں نے بعض اعتراضات کے جواب لکھے اور بعض کے لیے بیاض چھوڑ دی۔ اسی حال میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا اور یہ رسالہ نامکمل رہا۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے آپس کے مناقشات پر ایک کتاب بنام ''مبتكرات اللالی والدرر'' لکھی گئی ہے۔ لیکن یہ کتاب نہایت سطحی ہے۔ ضرورت ہے کہ حافظ اور علامہ عینی کے ان مناقشات پر علمی طور پر محاکم انداز سے بحث کی جائے اور پھر محاکمہ کیا جائے۔

حاصل یہ ہے کہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کی یہ دونوں شرحیں امت مسلمہ کے قابل فخر کارناموں میں سے ہیں۔ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ سے نقل کیا ہے کہ صحیح بخاری کی شرح کا دین امت کے ذمے ہے۔ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دین فتح الباری کے وجود میں آنے کے بعد ادا ہو چکا۔ جبکہ صاحب کشف الظنون کا کہنا ہے کہ یہ دین فتح الباری اور عمدۃ القاری دونوں شرحوں سے ہی

ادا ہوا ہے۔ فتح الباری کو بعض حدیثی مباحث میں فوقیت حاصل ہے۔ جبکہ مجموعی طور پر تمام ابحاث میں توسع، حسنِ ترتیب اور استقصاء مباحث کے اعتبار سے عمدۃ القاری فتح الباری سے فائق ہے۔ (بحوالہ وفاق)

(۱۵) بشیر الدراری لمن یطالع جامع البخاری۔ اس کے مصنف مولوی محمد بشیر اللہ بن مولوی محمد شکر اللہ ہیں۔ آبائی علاقہ رنگون برما ہے۔ ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۴ء کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی، برما کے شہر ٹانگو کے مشہور دینی ادارے مدرسہ اشرف العلوم اور جامعہ عربیہ تانبوے رنگون میں لگ بھگ ۱۹۷۵ء تک حدیث کا درس دیا، لگ بھگ ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء میں وفات پائی۔

☆☆☆☆☆

﴿چھٹا باب﴾

مسلک فقہی

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

***

مسلک فقہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک فقہی کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ کبار محدثین کے ساتھ ہمیشہ یہ معاملہ رہا ہے کہ مختلف مسلک والوں نے ان کو اپنے اپنے مسلک کا حامی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ معاملہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی رہا چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے بارے میں تقریباً پانچ اقوال ملتے ہیں۔ اب ذیل میں ہم ان اقوال کو اور جتنے ان کے قائلین ہیں ذکر کریں گے۔

القول الاوّل قائلین مجتهد مطلق

قائل اوّل شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق تھے۔

(حاشیہ لامع الدراری، ص ۶۹)

قائل دوم علامہ نفیس الدین سلیمان بن ابراہیم علوی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق تھے، کسی مذہب کے مقلد نہیں تھے۔ (بحوالہ ماتمس الیہ الحاجۃ، ص ۲۶)

قائل سوم امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

امام العصر فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق تھے:

وقال محمد انور شاه فى كتابه واعلم ان البخارى مجتهد لا ريب فيه وما اشتهر انه شافعى فلموا فقته اياه فى المسائل المشهورة والافموا فقته للامام الاعظم ليس اقل مما وافق فيه الشافعى وكونه من تلامذة

الحمیدی لاینفع لانه من تلامذة اسحق بن راھویه ایضا وھو حنفی فعده شافیه باعتبار الطبقة لیس باولی من عده حنفیا الخ. (مقدمہ فیض الباری، ج۱،ص۵۸)

اور جان لو کہ بے شک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے اور عام طور پر جو مشہور ہوا ہے کہ بے شک وہ شافعی المذہب ہیں وہ اس وجہ سے کہ مسائل مشہورہ (مثلاً رفع یدین اور جہر بالتامین وغیرہ) میں ان کا مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق ہے مگر یہ موافقت ان کی شافعی ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لیے کہ جتنے مسائل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے ان سے کم مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت نہیں کی بلکہ دوگنا اور زیادہ مسائل میں انہوں نے امام اعظم کی موافقت کی ہے۔ نیز یہ کہنا بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شافعی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام حمیدی کے شاگرد ہیں اور امام اسحاق بن راہویہ حنفی ہیں۔ نیز کثیر مسائل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کی ہے۔

قائل چہارم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق تھے۔ چنانچہ آگے تفصیل ذکر کررہے ہیں، فرماتے ہیں:

اختلف اھل العلم فی مسالک ائمة الحدیث فبعضھم عدوا کلھم من المجتھدین واخرون کلھم من المقلدین

والاوجه عندی ان فیه تفصیلا......وکذالک البخاری رحمة الله علیه المعروف انه شافعی ولذا عدوه فی طبقات الشافعیة والاوجه عندی انه مجتهد مستقل کما یظهر من امعان النظر فی الصحیح...... وهذا علی تقدیر تسلیم وجود المجتهد المطلق بعد الائمة الاربعة والمسئلة خلافیة شهیرة. (مقدمۃ الکوکب الدری، ج۱،ص۱۲ تا ۱۶ و لامع الدراری، ج۱،ص۱۵)

اہل علم نے ائمہ حدیث کی مذاہب کے بارے میں اختلاف کیا ہے بعض نے سب کو مجتہدین شمار کیا ہے اور بعض نے سب کو مقلدین شمار کیا ہے لیکن میرے نزدیک راجح تفصیل یہ ہے کہ:
اور اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور تو یہ ہے کہ وہ شافعی ہیں اسی وجہ سے اس کو طبقات شافعیہ میں شمار کیا ہے لیکن راجح میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ مجتہد مطلق ہیں جیسا کہ ان کی کتاب میں دقیق نظر سے معلوم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ اگر مجتہد مطلق کو بعد از ائمہ اربعہ مان لیا جائے اور تسلیم کر لیا جائے اور یہ ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔

قائل پنجم علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

اما الامام البخاری فقال تاج الدین السبکی فی الطبقات وحکاه الشاه ولی الله فی الانصاف ایضا انه شافعی لانه تفقه علی الحمیدی والحمیدی تفقه علی الامام

الشافعی قال شیخنا هذا القدر لایکفی لکونه شافعیا کیف ولو کان هذا انمدار علی هذا لادعی غیره انه حنفی لانه تخرج علی اسحق بن راهویه وغیره من شیوخه لیسو بهذا المثابة فی منزلة المفیدین فقط ولم تنقوم بهم حقیقة واما اسحق بن راهویه فهو من کبار شیوخه وهو من اخص اصحاب عبدالله بن مبارک وهو من اخص اصحاب الامام ابی حنیفه.

والحق ان البخاری امام مجتهد وکثیرا اما یوافق اجتهاده الامام ابا حنیفة الاانه وافق اجتهاده الامام الشافعی فی عدة مسائل مشهورة من العبادات کمسئلة القرأة خلف الامام ومسئلة رفع الیدین و مسئلة الجهر بالتامین ولایخفی هذا علی من نظر کتابه الصحیح وتتبع فیه ارأة. (معارف السنن، ج ا، ص ۲۱)

قائل ششم علامہ طاہر جزائری

علامہ جزائری فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق ہیں، کسی خاص مذہب کے مقلد نہیں تھے۔ (فارجع للتفصیل الی توجیه النظر، ص ۱۸۵)

قائل ہفتم شیخ المشائخ مولانا سلیم اللہ خان مدظلہٗ

حضرت شیخ نے کشف الباری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے بارے میں پانچ اقوال ذکر کیے ہیں اور حضرت فرماتے ہیں کہ مشہور قول یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق ہیں، کسی کے مقلد نہیں تھے۔ یہ قول علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور نفیس الدین سلیمان بن ابراہیم علوی اور علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیے ہیں اور یہی راجح ہے۔ اس لیے کہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اہل عصر و زمان حضرات نے ان کے تفقہ اور امام کی تصریح کی ہے۔ اور اس زمانے میں کسی فقیہ یا امام کہنے کا مطلب اس کو مجتہد بنانا ہوتا تھا۔ اس لیے محمد بن بشار رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو سیّد الفقهاء افقه خلق الله فی زماننا کہا ہے۔

اور عبداللہ بن محمد مسندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **محمد بن اسماعیل امام فمن لم یجعله اماما فاتهمه**۔ (ھدی الساری، ص ۴۸۴، کشف الباری، ج ۱، ص ۱۴۱)

قائل ہشتم شہید اسلام مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ

شہید اسلام نے درس بخاری میں تفصیل ذکر کر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ لیکن صحیح بات وہ ہے جو علامہ جزائری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب توجیہ النظر میں ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد تھے اور ان کا اجتہاد جس امام کے موافق ہو اس کی موافقت کرتے لہٰذا کتاب پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تاکید کی ہے۔ (درس بخاری، ج ۱، ص ۱۴)

قائل نہم مفتی اعظم پاکستان محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہٗ

مفتی صاحب نے درس مسلم اور مقدمہ تفہیم مسلم میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تفصیلاً ذکر کیا ہے اور اس میں فرمایا ہے کہ حضرت مولانا امام حافظ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بعض دلائل کی بناء پر یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو بلاشک وشبہ مجتہد مطلق ہیں اور ان کی کتاب اس پر شاہد عدل ہے اس کے بعد مفتی صاحب مدظلہٗ نے شافعی ہونے کے قول کو ذکر کیا ہے اور اس کو رد بھی کیا ہے۔

(التفصیل فی درس مسلم، ج ۱، ص ۸۵ و مقدمہ تفہیم مسلم، ج ۱، ص ۶۰)

قائل دہم حضرت مولانا شمس الضحیٰ مظاہری مدظلہٗ

حضرت مظاہری مدظلہ نے تلخیص البخاری میں تفصیلاً ذکر کیا ہے کہ تاج الدین سبکی نے اپنی کتاب طبقات شافعیہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو شوافع میں شمار کیا ہے لیکن یہ صرف اس پر مبنی ہے کہ خلافیات مثلاً رفع الیدین اور قرأت خلف امام وغیرہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کرتے ہیں اور کرابیسی، ابوثوراور زعفرانی وغیرہ جن شوافع سے امام نے احادیث سنی ہیں اور فقہ میں حمیدی سے استفادہ کیا ہے کیونکہ یہ تمام حضرات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی شافعی شمار ہوئے، دوسری طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے بغداد میں امام احمد کے پاس آٹھ مرتبہ حاضری دی اسی وجہ سے علامہ ابوالحسن بن العراقی نے دعویٰ کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حنبلی ہیں اس کی تائید اس بات سے ہوئی کہ آخری مرتبہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے روانہ ہوئے تو اس پر امام احمد نے اظہار افسوس کیا اور اجازت دینے میں تامل بھی فرمایا، اصل میں بعض فقہی مسائل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے موافقت کی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو شافعی کہتے ہیں اور بعض قرائن سے انہیں حنبلی کہا جا سکتا ہے اور اسحٰق بن راہویہ کے شاگرد ہونے کی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو حنفی کہا جا سکتا ہے اور پھر بہت سارے مسائل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع کی مخالفت اور احناف کی تائید کی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح احناف سے اختلاف کیا ہے اسی طرح شوافع سے بھی اختلاف کیا ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم ابواب میں جو باریک نظری پائی جاتی ہے اس کے پیش نظر ان کو کسی فقہی مسلک کا پابند نہیں کہا جا سکتا۔ وہ کسی مسلک کے متبع نہ تھے، خود ایک مجتہد کی شان رکھتے تھے۔

(تلخیص البخاری، ج ۱، ص ۴۷)

قائل یازدہم مولانا محمد عاقل صاحب

صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور

حضرت فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے بارے میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ وہ شافعی مسلک تھے چنانچہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو طبقات شافعیہ میں ذکر کیا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری مجتہد مطلق تھے۔ (الدر المنضود، ج ۱ ص ۱۳۳)

قائل دوازدہم مولانا عبد القوی پیر قادری

مولانا موصوف مفتاح النجاح میں فرماتے ہیں کہ دیگر ائمہ حدیث کی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علماء سلف و خلف نے دو طرح کی رائے قائم کی ہیں۔

(۱) مقلد

علماء شوافع نے امام الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو شافعی قرار دے کر طبقات شافعیہ میں شمار کیا ہے اور استدلال مسائل مشہورہ میں ذہنی ہم آہنگی سے فرمایا ہے۔ نیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اساتذہ بھی شافعی مسلک ہیں جبکہ بعض فقہاء و محدثین نے امام موصوف کو حنفی فقیہ و محدث قرار دیا ہے اور دلیل میں ان اصول و جزئی مسائل و فتاویٰ کو پیش فرمایا جن میں فقہاء احناف اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رائے قائم کی ہے اور ایسے فتاویٰ کی تعداد اختلافی مسائل کی نسبت کہیں زیادہ ہے نیز وہ اساتذہ بھی تعداد میں یقیناً زیادہ ہیں جنہوں نے سراج الامۃ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا ہے اور راہِ اعتدال مسلک احق مسلک حنفی کو اختیار فرما کر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت فرمائی۔

(۲) مجتہد

جمہور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد ہیں اور دوسرے ائمہ فقہ وحدیث کی طرح مسائل مستنبطہ میں فقیہانہ اجتہاد سے کام لیتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ (مفتاح النجاح، ج۱ص ۲۸)

قائل سیزدہم حضرت فخر الدین صاحب مدظلہ

مدرس دار العلوم دیوبند

حضرت شیخ نے بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تین اقوال ذکر کیے ہیں لیکن مجتہد مطلق کا قول آخر میں ذکر کیا ہے جس سے ظاہراً یہ لگتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق ہیں اس لیے فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو مجتہد کہا ہے۔

(التفصیل فی ایضاح البخاری، ج۱ص ۴۵)

حضرت موصوف تفصیل ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں: مگر ان کی جامع صحیح کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے جیسا کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ بلا شک وشبہ مجتہد مطلق تھے۔ (التفصیل فی محدثین عظام اور ان کی علمی کارنامے، مؤلف تقی الدین ندوی مظاہری رحمۃ اللہ علیہ، ص۱۴۰)

قائل پانزدہم علامہ محمد صدیق ارکانی

علامہ موصوف نے متعلقات دورہ حدیث میں بہت تفصیل ذکر کی مثلاً شافعی ہونے کے قول پر ان کی اور حنبلیت کی دلیل پھر اس کا جواب پھر اس کے آخر میں مولانا کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ذکر کیا ہے جس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اس پر مولانا موصوف بھی راضی ہیں اس لیے حافظ العصر علامۃ الدہر مولانا انور شاہ کشمیری

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بلا شک وشبہ مجتہد مطلق تھے۔

(التفصیل فی متعلقات دورہ حدیث ۳۸)

القول الثانی فی البخاری انه شافعی
ای من قال ان البخاری شافعی

قائل اوّل تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو شافعی شمار کیا ہے، چنانچہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں:

انه شافعی لانه تفقه بالحمیدی والحمیدی تفقه بالشافعی (التفصیل فی طبقات شافعیہ، ج۲،ص۲تا۱۰اور ج۲،ص۲۱۴)

قائل دوم علامہ الحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ الدنیا نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو شمار شوافع میں کیا ہے اس لیے کہ انہوں نے فرمایا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مباحث فقہیہ کا غالب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک سے ماخوذ ہے۔ (فتح الباری ج۱،ص۲۳)

قائل سوم علامہ نواب صدیق حسن خان صاحب

علامہ نے ابجد العلوم میں فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ شافعی المذہب ہیں اور اس کے ساتھ کچھ اور محدثین کا نام بھی ذکر کیا ہے جو بعد میں آئے گا۔ انشاء اللہ

(ابجد العلوم،قسم ثالث ۸۱۰)

قائل چہارم مولانا محمد انوار خورشید

اور یہی رائے مولانا محمد انوار خورشید صاحب مدظلہ کی بھی ہے۔

(غیر مقلدین امام بخاری کی عدالت میں)

القول الثالث فی من قال ان البخاری مجتهد فی المذهب

قائل اوّل مسند ہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

شاہ صاحب ''الانصاف'' میں تفصیل فرماتے ہیں:

ومن هذا القبیل محمد بن اسماعیل البخاری فانه معدود فی طبقات الشافعیه وممن ذکره فی طبقات الشافعیة الشیخ تاج الدین السبکی وقال انه تفقه بالحمیدی والحمیدی تفقه بالشافعی وذکر الشیخ تاج الدین السبکی فی طبقاته بالحمیدی والحمیدی تفقه بالشافعی رحمة الله علیه وذکر الشیخ تاج الدین السبکی فی طبقاته، مالفظه کل تخریج اطلقه المخرج اطلاقا فظهر ان المخرج ان کان ممن یغلب علیه المذهب والتقلید کالشیخ ابی القفال عدمن المذهب وان کان ممن یکثر خروجه عن المذهب کالمحمدین الاربعة یعنی محمد بن جریر و محمد بن خزیمة ومحمد بن نصر المروزی و محمد بن منذر فلا یعدو قال فی ص ٧٩ وعلی هذا ینبغی ان القیاس و جوب التقلید لامام بعینه فانه قد یکون واجبا وقد لایکون واجبا فاذا کان انسان جاهل فی بلاد الهند او فی بلاد ماوراء النهر ولیس هناک عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب هذه المذاهب وجب علیه ان یقلد لمذهب ابی حنیفة ویحرم علیه ان یخرج من مذهبه الخ وقال فی صفحه ٨٦ واما البخاری فانه وان کان منتسبا الی الشافعی موافقاله فی کثیر من الفقه فقد خالفه ایضا فی کثیر ولذالک لا یعد ماتفرد به من مذهب الشافعی وقال فی الحاشیة ولا داعی

الی نفیه لانه لم یتاصل مذهبه حتی ینفی الخ. (الانصاف فی اسباب الاختلاف ص۷۵ تا۷۶)

ابو عاصم عبادی کی رائے بھی یہی ہے۔ (غیر مقلدین امام بخاری کی عدالت میں، ص۵۸)

قائل دوم علامہ تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت موصوف نے بھی امام بخاریؒ رحمۃ اللہ علیہ کو شوافع کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ (الطبقات، ج۲، ص۲ تا۱۰)

قال فی الحطة فی ذکر الصحاح الستة وقد ذکره ابو عاصم فی طبقات اصحابنا الشافعیة الخ. (ص۲۸۰، ترجمة البخاری)

قائل سوم علامہ عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ماتمس الیہ الحاجہ ص۲۵ وص۲۶ میں تفصیل ذکر کی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد فی المذہب یعنی مجتہد منتسب الی الشافعی ہیں۔

قال وعندی ان البخاری واباداود ایضا کبقیة الائمة المذکورین لیسا مقلدین لواحد بعینه ولا من الائمة المجتهدین علی الاطلاق بل یمیلان الی قول ائمتهم ولو کانا مجتهدین لنقل اقوالهما مع اقوال سائر الائمة من اهل الاجتهاد والفقه الخ. (التفصیل فی ماتمس الیہ الحاجۃ، ص۲۵ تا۲۷)

قائل چہارم امام اہل السنۃ والجماعۃ

علامہ سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

امام اہل سنت نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو شافعی مذہب قرار دیا ہے لیکن

مقلد محض نہیں بلکہ مجتہد منتسب الی الشافعی ہیں، امام اہل السنۃ والجماعۃ نے تفصیلاً ذکر فرمایا ہے، اس سے پہلے جو بات گزر گئی وہ تو شراح کی ہے باقی حضرت کا مجتہد منتسب ہونا تو اس عبارت سے بھی واضح ہے کہ وہ مجتہد مطلق نہ تھے بلکہ منتسب تھے البتہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ من الاجتہاد تھے اگر مراد یہ ہو کہ یہ مجتہد منتسب ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ، امام ابوداؤد اور امام ترمذی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ فهما مجتهدان منتسبان الى احمد و اسحاق۔

(الانصاف ۷۹)

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مجتہد تو تھے لیکن مجتہد مطلق نہ تھے بلکہ مجتہد منتسب تھے اور اگر مراد یہ ہو کہ وہ مجتہد مطلق تھے تو درست نہیں کیونکہ اگر حضرت امام بخاری مجتہد مطلق ہوتے تو کتب فقہ میں جہاں دیگر حضرات ائمہ مجتہدین کے فقہی اقوال نقل ہیں ان کے اقوال بھی نقل ہوتے حالانکہ کتب فقہ ان کے فقہی اقوال سے بالکل خالی ہیں۔

حضرت امام ترمذی اپنے استاد امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی تصحیح وتضعیف اور روات کی توثیق وتضعیف تو نقل کرتے ہیں لیکن کبھی بھی انہوں نے فقہی مذہب اور مسلک کے طور پر ان کا قول ترمذی شریف میں نقل نہیں کیا جبکہ حضرات ائمہ مجتہدین کے علاوہ دیگر کمتر درجہ کے حضرات فقہاء کرام کی اقوال اور مذاہب بھی انہوں نے نقل کیے ہیں یہ اس بات کی واضح دلیل اور کھلا قرینہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق نہ تھے بلکہ مجتہد منتسب تھے، رہا ان کا مجتہد اور فقیہہ ہونا تو اس کا کوئی منکر نہیں، حضرات علماء کرام کے یہاں یہ مقولہ شہرت کا درجہ رکھتا ہے فقہ البخاری فی الابواب والتراجم کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ بخاری شریف کے ابواب اور تراجم میں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ومن هذا القبيل محمد بن اسماعيل البخاری فانه معدود فی طبقات الشافعيه وممن ذكره فی طبقات

الشافعیه الشیخ تاج الدین السبکی الی ان قال فکلام النووی الذی ذکرنا شاهد له. (الانصاف ص ٦٧)

اور اسی طرح حضرت امام محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ طبقات شافعیہ میں شمار ہوتے ہیں اور جن حضرات نے انہیں طبقات شافعیہ میں شمار کیا ہے ان میں امام تاج الدین السبکی بھی ہیں (پھر فرمایا) کہ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جو ہم نے ذکر کیا اس امر کا شاہد ہے کہ امام سبکی نے (طبقات شافعیہ الکبری ج ۲، ص ۲ تا ۱۹ میں) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات بیان کیے ہیں۔

اور نواب صدیق حسن خان صاحب بھی حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کو شوافع کی فہرست میں داخل کرتے ہیں۔ (ابجد العلوم قسم ثالث ۸۱۰)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ ہیں جن کے دو رسالوں جزء رفع الیدین اور جزء القرأت پر ہر فریق ثانی کے دو اختلافی مسائل میں گاڑی چلتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھیں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی مقلد ہی ثابت ہو گئے۔ (الکلام المفید فی اثبات التقلید ص ۱۲٦ تا ۱۲۹، اور اسی طرح طائفہ منصورہ ص ۱۱۰ تا ۱۱۳)

القول الرابع فی من قال ان الامام البخاری حنبلی

قائل اوّل علامہ ابن قیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ جوزی نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو حنبلی مذہب قرار دیا ہے، (تفصیل اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۳٦ بحوالہ محدثین عظام اور ان کی علمی کارنامے ص ٦٣ و بحوالہ کشف الباری)

ابن قیم فرماتے ہیں کہ وکذالک البخاری و مسلم وابوداؤد والاثرم وھذه الطبقة من اصحاب احمد اتبع له من المقلدین المحض

المنتسبين اليه (اعلام الموقعین ج ۲، ص ۲۴۲ الوجہ الرابع والاربعون من وجوہ رد التقلید)

قائل دوم علامہ ابن ابی یعلی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ نے بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو طبقات حنابلہ میں ذکر کیا ہے۔
(کمافی ماتمس الیہ الحاجۃ، ص ۲۶)

قائل سوم علامہ ابوالحسن العراقی

علامہ موصوف نے بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو طبقات حنابلہ میں شمار کیا ہے، کیونکہ آٹھ مرتبہ امام بخاری، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے تھے۔
(بحوالہ ایضاح البخاری، ج ۱، ص ۴۵ و تلخیص البخاری، ج ۱، ص ۴۷)

القول الخامس فی من قال ان البخاری لامجتهد ولامقلد

قائل اوّل علامہ مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ

علامہ موصوف نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی، (ص ۱۷۵) میں کافی کوشش صرف کی ہے کہ دیگر ائمہ صحاح ستہ کی طرح حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اہل حدیث تھے۔ مگر صرف لفظ اہل حدیث سے ان کو کیا فائدہ، یہ لفظ تو ایک غالی اور متعصب مقلد پر بھی اطلاق ہوتا رہا ہے الخ۔ (طائفہ منصورہ، ص ۱۱۰ تا ۱۱۳)

اسی طرح مفتی اعظم پاکستان محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالیہ بھی درس مسلم اور مقدمہ تفہیم مسلم میں فرماتے ہیں کہ ان چھ ائمہ حدیث کے مذاہب فقیہہ کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کیونکہ ان میں سے کسی نے اپنے مذہب کی خود صراحت نہیں کی۔ چنانچہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سب علی الاطلاق مجتہدین ہیں، کسی کے مقلد نہیں ہیں اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ان میں سے کوئی مجتہد نہیں اور ان کا مذہب عامۃ المحدثین کا ہے نہ مقلد ہے نہ مجتہد۔ (درس مسلم، ج ۱، ص ۱۸۵، مقدمہ تفہیم مسلم، ج ۱، ص ۱۰)

القول الراجع

کچھ حضرات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مجتہد مطلق قرار دیتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق تھے اور شافعی صرف اس معنی میں تھے کہ ان کا اجتہاد حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کے مطابق ہو جاتا تھا، تحقیق سے یہ موقف درست معلوم نہیں ہوتا اس کے لیے چند وجوہات ہیں جو عنقریب ذکر کی جائیں گی، راجح قول یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ شافعی المذہب ہے لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید ہمارے جیسے تقلید نہیں تھی بلکہ گویا وہ مجتہد فی المذاہب ہے اور جب وہ مجتہد فی المذہب مان لیا جائے تو ظاہراً کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور یہ کہ وہ مجتہد مطلق تو نہیں ہے، اس کی چند وجوہات یہ ہیں۔

علامہ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ان البخاری فی جمیع مایورده من تفسیر الغریب انما ینقله عن اهل ذالک الفن کابی عبیده والنضر بن شمیل والفراء وغیره واما المباحث الفقهیة فغالبها مستمده له من الشافعی وابی عبید وامثالهما واما المسائل الکلامیة فاکثرها من الکرابیسی وابن کلاب ونحوهما۔ (فتح الباری، ج ۲، ص ۲۵۳، باب مایقول عند الخلاء)

۲ ...... کہ مجتہدین مطلق کے اصول اجتہاد ہوتے ہیں جن کے تحت وہ اجتہاد کرتے ہیں، اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق تھے تو ان کے اصول اجتہاد ہوتے، لیکن ہمیں ان کے اصول اجتہاد نہیں ملتے۔

۳ ...... اس پر بھی غور کر لیا جائے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب صحیح بخاری میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں لیکن اس کے تحت نہ کوئی آیت ذکر کرتے ہیں نہ حدیث، اور بعض مقامات

ایسے ہیں کہ وہاں آپ نے حدیث تو ذکر کی ہے لیکن ترجمۃ الباب قائم نہیں فرمایا۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی جامع میں ایسا کیوں ہوا شواہد سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی وجہ اس کے علاوہ کوئی نہیں تھی کہ آپ مجتہد مطلق نہیں تھے، اگر آپ مجتہد مطلق ہوتے تو ایسا نہ ہوتا۔

بعض علماء اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ آپ کو موت نے مہلت نہیں دی اس لیے ایسا ہوگیا، لیکن یہ وجہ نا قابلِ فہم اور محلِ نظر ہے۔ اوّلاً تو اس لیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب چند دنوں یا مہینوں میں نہیں لکھی، پورے سولہ سال میں لکھی ہے، اس طویل عرصہ میں استنباط کا موقع نہ ملنا قابلِ تعجب ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب ترتیب دینے کے بعد بارہا اس کا درس دیا ہے، ایسی صورت میں یہ کہنا کہ موت نے آپ کو مہلت نہیں دی، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

تو ظاہر ہوگیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی مقلد تھے۔ لیکن مقلد محض نہیں تھے بلکہ مجتہد فی المذہب یا مجتہد فی المسائل تھے۔

۴..... اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجتہد مطلق ہوتا تو اس کا قول اور ائمہ فقہ کے ساتھ ان کا قول بھی ملتا حالانکہ اس کا تلمیذ خاص امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے تو صحت حدیث وسند اور ضعیف کے بارے میں نقل کرتے ہیں لیکن کبھی بھی اس نے فقہاء میں ان کا قول نقل نہیں کیا اس دلیل کا جواب مولانا تقی الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے (محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے) میں دیا ہے، وہ یہ ہے کہ ان کا مذہب رائج نہیں ہوا تھا اور نہ ان کے مقلد ہوئے اس لیے ان کے مذہب کو بیان نہیں کیا۔

اب یہاں یہ وجہ بھی محلِ نظر ہے، اس لیے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آخر عمر تک اس کا مذہب رائج نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ مولانا نے یہ فرمایا کہ امام ترمذی، امام بخاری کے مقلد نہیں ہیں اس لیے ان کا مذہب نقل نہیں کیا، یہ بھی صحیح نہیں ہے اس لیے امام ترمذی نے صرف اپنے مسلک کو ذکر نہیں کیا بلکہ اور مذاہب کا ذکر بھی کیا ہے، جیسے

کہ فرماتے ہیں: هذا مذهب اصحابنا و الشافعي و اهل كوفة۔

۵......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مجتہد مطلق ہونا ائمہ اربعہ کے بعد ایک مختلف فیہا مسئلہ ہے جیسے کہ مقدمہ الکوکب الدری میں ہے وهذا على تقدير تسليم وجود المجتهد المطلق بعد الائمة الاربعة والمسألة خلافية شهيرة۔

(مقدمہ الکوکب الدری، ص۱۳)

اسی طرح بعض علماء نے ائمہ اربعہ کے بعد مجتہد مطلق نہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، جیسے کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واما الاجتهاد المطلق فقالوا ختم بالائمة الاربعة حتى اوجبوا تقليد واحد من هؤلاء على امة ونقل امام الحرمين الاجماع عليه. (روضۃ الطالبین، بحوالہ نور الہدایہ، ص۱۰ و فی ادیان باطلہ اور صراط مستقیم، ۲۴۱)

اسی طرح علامہ حصکفی نے فرمایا ہے:

وقد ذكروا ان المجتهد المطلق قد فقد الخ. (مقدمہ الشامی، ص۸۹، قدیمی کتب خانہ طبقات الفقہاء)

۶......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ مشہور ہے کہ اگر دو بچے ایک بکری کا دودھ پئیں تو رضاعت ثابت ہوگی۔

اسی طرح فتویٰ مجتہد کے شان کے خلاف ہے، اس طرح اس سے علاوہ اور وجوہات بھی ملتے ہیں اگر کوشش کی جائے، لیکن مراد مجتہد فی المذہب سے مذہب شافعی ہے۔

خلاصہ کلام: خلاصہ کلام یہ نکلا کہ وہ مقلد ہیں، اصول اور قواعد میں اور مجتہد فی المذہب ہیں مسائل میں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک اور کچھ مزید وضاحت

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک کیا ہے اس بارے میں اختلاف ہے، کچھ حضرات انہیں شافعی المذہب بتلاتے ہیں اور کچھ حنبلی المسلک، ابو عاصم عبادی، امام تاج الدین سبکی، حضرت شاہ ولی اللہ اور نواب صدیق حسن خان آپ کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مقلد بتلاتے ہیں اور ابن ابی یعلی، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم آپ کو حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا مقلد بتلاتے ہیں، قارئین کے سامنے ان سب حضرات کی تحریرات پیش کی جاتی ہیں تاکہ کسی قسم کا خفا نہ رہے۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (م ۷۷۱ھ) نے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا طبقات الشافعیہ میں تفصیلی تذکرہ کیا ہے اس تذکرہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

ذکر ابو عاصم العبادی ابا عبدالله فی کتابة الطبقات و قال سمع من الزعفرانی و ابی ثور و الکرابیسی قلت و تفقه علی الحمیدی و کلهم من اصحاب الشافعی (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۲ ص ۲۱۴)

ابو عاصم عبادی نے حضرت امام بخاری کا تذکرہ اپنی کتاب طبقات الشافعیہ میں کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے زعفرانی، ابوثور اور کرابیسی سے سماع حدیث کیا ہے (علامہ سبکی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام حمیدی رحمہ اللہ سے فقہ حاصل کی تھی اور یہ سب حضرات امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ہیں۔

اس عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ابو عاصم عبادی اور تاج الدین سبکی رحمہم اللہ کے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ شافعی المذہب ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

و من هذا القبيل محمد بن اسماعيل البخارى فانه معدود فى طبقات الشافعية، و ممن ذكره فى طبقات الشافعية الشيخ تاج الدين السبكى و قال نه تفقه بالحميدى و الحميدى فقه بالشافعى، و استدل شيخنا العلامة على ادخال البخارى فى الشافعية بذكره فى طبقاتهم و كلام النووى الذى ذكرناه شاهد له (الانصاف مع ترجمہ وصاف ،ص ٦٧)

اسی قبیل سے امام بخاری رحمہ اللہ بھی ہیں کہ وہ بھی طبقات شافعیہ میں شمار ہوتے ہیں اور جن حضرات نے انہیں طبقات شافعیہ میں شمار کیا ہے ان میں امام تاج الدین سبکی رحمہ للہ بھی ہیں تاج الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے امام حمیدی رحمہ اللہ سے حاصل کی اور انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے حاصل کی ، ہمارے شیخ حضرت علامہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے شوافع میں شمار کئے جانے پر اس سے استدلال کیا ہے کہ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کو طبقات الشافعیہ میں ذکر کیا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ کا کلام جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ اس کا شاہد ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی حضرت امام بخاری رحمہ اللہ شافعی المذہب ہیں۔

غیر مقلدین کے مجدد الوقت اور مجتہد العصر نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب میں ائمہ احناف کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

فلنذكر نبذا من ائمة الشافعية ليكون الكتاب كامل الطرفين جائز الشرفين، و هؤلاء صنفان احدهما من

تشرف بصحبة الامام الشافعی و الآخر من تلاھم من الائمة ام الاول فمنھم احمد خالد الخلال...... و اما الصنف الثانی فمنھم محمد بن ادریس ابو حاتم الرازی، و محمد بن اسماعیل البخاری (ابجد العلوم، ج۳ص۱۲۶)

اب ہم ائمہ شافعیہ کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں تاکہ ہماری کتاب دونوں طرفوں سے کامل اور دونوں شرفوں کی جامع ہو جائے، ائمہ شافعیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جنہوں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی صحبت کا شرف حاصل کیا ہے دوسرے وہ جو اصحاب امام شافعی رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چلے ہیں پہلی قسم کے ائمہ شوافع یہ ہیں مثلاً احمد خالد الخلال، رہے دوسری قسم کے ائمہ شوافع تو وہ یہ ہیں محمد بن ادریس ابوحاتم رازی، محمد بن اسماعیل بخاری۔

نواب صاحب کی اس عبارت سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ شافعی المذہب ہیں، نواب صاحب ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

قال الشیخ تاج الدین السبکی فی طبقاته کان البخاری امام المسلمین و قدوة المؤمنین و شیخ الموحدین و المعول علیه فی احادیث سید المرسلین قال و قد ذکره ابو عاصم فی طبقات اصحابنا الشافعیة (الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ، ص۲۸۰)

شیخ تاج الدین سبکی طبقات الشافعیہ میں فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اہل اسلام کے امام اہل ایمان کے مقتداء اور اہل توحید کے شیخ تھے سید الرسل حضرت محمد ﷺ کی احادیث کے بارے میں آپ پر اعتماد کیا جاتا تھا، علامہ سبکی فرماتے ہیں ابو عاصم نے امام بخاری کو ہمارے شافعی اصحاب کے طبقات میں

ذکر کیا ہے۔

نواب صاحب کی اس عبارت سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ شافعی المذہب ہیں کیونکہ انہوں نے علامہ سبکی اور اُن کے حوالے سے ابو عاصم عبادی کی بات نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے تردید نہیں کی۔

قاضی ابوالحسین محمد بن ابی یعلی حنبلی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب طبقات الحنابلہ (طبقات الحنابلہ، ج۱ص۲۷۱) میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک حضرت امام بخاری رحمہ اللہ حنبلی المسلک ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

و ائمة الحديث كالبخاری و مسلم و الترمذی و النسائی و غيرهم ، هم أيضا من اتباعهما و ممن ياخذ العلم و الفقه عنهما (فتاویٰ ابن تیمیہ، ج۲۵ص۲۳۲)

اور ائمۂ حدیث مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی وغیرہ بھی امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کے متبعین میں سے ہیں اور اُن حضرات میں سے ہیں جنہوں نے اُن سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:

كذالک البخاری و مسلم و ابو داؤد و الاثرم، و هذه الطبقة من اصحاب احمد اتبع له من المقلدين المحض المنتبسين اليه (اعلام الموقعین، ج۲ص۲۲۳)

ایسے ہی امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام اثرم ہیں یہ طبقہ حضرت امام احمد بن حنبل کے اصحاب میں سے ہے اور ان مقلدین محض سے کہیں بڑھ کر امام احمد کا متبع ہے جو امام احمد رحمہ اللہ کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے حوالجات سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک بھی امام بخاری رحمہ اللہ حنبلی المسلک اور مام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقلد ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو شافعی المذہب کہیں یا حنبلی المسلک بہر دو صورت ان کا مقلد ہونا ثابت ہوتا ہے، کچھ حضرات امام بخاری رحمہ اللہ کو مجتہد مطلق قرار دیتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد مطلق تھے اور شافعی صرف اس معنی میں تھے کہ ان کا اجتہاد حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے اجتہاد کے مطابق ہو جاتا تھا تحقیق سے یہ مؤقف درست معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ان البخاری فی جمیع ما یورده من تفسیر الغرائب انما ینقله عن اهل ذالک الفن کابی عبیدة و النضر بنشمیل و الفراء وغیرهم، و اما المباحث الفقهیة فغالیها مستمدة له من الشافعی و ابی عبید و امثالهم و اما المسائل الکلامیة فاکثرها من الکرابیسی و ابن کلاب و نحوهما (فتح الباری، ج ۲ ص ۲۵۳، باب مایقول عند الخلاء)

امام بخاری رحمہ اللہ احادیث میں آنے والے غریب الفاظ کی تمام تفسیر اس فن کے اہل حضرات مثلاً ابوعبیدہ، نضر بن شمیل اور فراء وغیرہ سے نقل کرتے ہیں، رہے فقہی مباحث تو ان میں سے بیشتر میں انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ ابوعبید وغیرہ سے مدد حاصل کی ہے اور اکثر مسائل کلامیہ کرابیسی اور ابن کلاب وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ عبارت واضح کر رہی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مباحث فقیہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوعبید رحمہ اللہ سے استمداد کی

ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد مطلق نہ تھے کیونکہ جو مستقل مجتہد ہوتا ہے وہ فقہی ابحاث میں خود اجتہاد کرتا ہے وہ نہ تو دوسروں سے استمداد کرتا ہے اور نہ ان کی نقل۔

دوسرے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد مطلق ہوتے تو آپ کا ذکر طبقات الفقہاء میں ہوتا لیکن طبقات الفقہاء میں آپ کا ذکر نہیں ملتا، امام ابواسحاق شیرازی شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''طبقات الفقہاء'' میں امام بخاری رحمہ اللہ کا تذکرہ نہیں کیا، تیسرے اس پر بھی نظر ڈال لی جائے کہ مجتہدین کے اصول اجتہاد ہوتے ہیں جن کے تحت وہ اجتہاد کرتے ہیں اگر امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد تھے تو ان کے اصول اجتہاد ہوتے لیکن ہمیں اُن کے اصول اجتہاد نہیں ملتے، چوتھے یہ بات بھی دیکھی جائے کہ اگر امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد مطلق تھے تو کتب فقہ میں جہاں دیگر حضرات ائمہ مجتہدین کے فقہی اقوال منقول ہیں وہیں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے اقوال بھی منقول ہونے چاہئے تھے حالانکہ کتبِ فقہ اُن کے فقہی اقوال سے بالکل خالی ہیں۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ جو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے اَجل تلامذہ میں سے وہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے حدیث کی تصحیح وتضعیف اور رُوَات کی توثیق وتضعیف تو نقل کرتے ہیں لیکن کہیں بھی انہوں نے فقہی مذہب اور مسلک کے طور پر امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ترمذی نے نقل کیا جب کہ حضرات ائمہ مجتہدین کے علاوہ بہت سے امام بخاری رحمہ اللہ سے کم درجہ کے حضرات فقہاء کرام کے اقول اور مذاہب بھی انہوں نے نقل کئے ہیں یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد مطلق نہ تھے۔

ہاں اگر امام بخاری رحمہ اللہ کو مجتہد منتسب کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مجتہد، مجتہد ہونے کے باوجود اصولِ اجتہاد میں اپنے امام کا مقلد ہی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ مجتہد منتسب ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد بھی ہیں۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

> الغرض ہماری تحقیق میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ شافعی المذہب تھے، نہ تو وہ مجتہد مطلق تھے اور نہ بایں معنی شافعی تھے کہ اُن کا اجتہاد حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے اجتہاد کے موافق ہو جایا کرتے تھا بلکہ وہ بایں وسعت نظری شافعی المذہب تھے اور مقلد تھے مگر اس طرح جو اہل علم کی شان کے مناسب ہے۔ (طائفہ منصورہ،ص۱۱۱)

قارئین محترم آپ نے بڑے بڑے اکابر علماء کی تحریرات سے یقیناً جان لیا ہو گا کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ مقلد تھے، مسائل اجتہادیہ میں اپنے امام کی تقلید کرتے تھے، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے تقلید کے خلاف ایک حرف بھی ثابت نہیں، کسی جگہ بھی انہوں نے ائمہ مجتہدین کے مسائل فقہیہ میں تقلید کو بُرا نہیں کہا، لیکن غیر مقلدین حضرات جو امام بخاری رحمہ اللہ کی محبت کے دعویدار ہیں وہ تقلید کے اس قدر مخالف اور تقلید سے اس قدر الرجک ہیں کہ الامان والحیفظ، ان حضرات کا ہر چھوٹا بڑا فرد یہود و نصاریٰ کے پیشواؤں اور اُن کے اندھے مقلدین کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کو ائمہ مجتہدین اور اُن کے مقلدین کے خلاف پڑھتا اور اُن پر چسپاں کرتا ہے، ان حضرات نے تقلید کے خلاف مستقل کتابیں اور رسائل لکھے ہیں جن کا اندازہ اس قدر گھٹیا اور بازاری ہے کہ ایک سنجیدہ آدمی کی طبیعت اُن کو دیکھنے سے بھی کتراتی ہے، ان کتب و رسائل سے چند عبارات نذر قارئین کی جاتی ہیں تاکہ وہ ان حضرات کی سوچ اور فکر کا کچھ اندازہ کر سکیں۔

مولانا عبدالعزیز ملتانی لکھتے ہیں:

> سرور کائنات ﷺ کے بعد چار سو سال تک اسلام تقلید کی آفت و آلائش سے پاک اور صاف و ستھرا رہا۔ (استیصال التقلید،ص۲)

موصوف کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

یہ امر مسلم ہے کہ تقلید داءُ الامم قدیمی بیماری ہے اسی نے ہی امم ماضیہ کو انبیاء علیہم السلام کی اتباع سے ہٹا کر ہلاکت میں ڈالا۔ (ایضاً،ص ۵)

موصوف مزید آگے چل کر بدعات ورسومات کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

پس جو وجہ ان مراسم کے بدعت ہونے کی ہے وہی بعینہٖ تقلیدی مذہب میں بھی موجود ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اُن کا بدعت ہونا تو تسلیم کیا جائے اور تقلید کو بدعت کہنے سے چشم پوشی کی جائے جو تمام برائیوں اور گمراہی کی باپ اور اصل ہے۔ (ایضاً،ص ۹)

سابق ایڈیٹر ہفت روزہ الاعتصام مولانا صلاح الدین یوسف صاحب تحریر فرماتے ہیں:

رہی یہ بات کہ تقلید بدعت وگمراہی ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں ہم پوری بصیرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ تقلید بعض صورتوں میں شرک بن جاتی ہے تاہم بدعت وگمراہی تو بہر صورت ہے۔ (اہل حدیث واہل تقلید،ص ۱۲)

بشیرالرحمٰن صاحب گوہرافشانی فرماتے ہیں:

حق یہ کہ تقلید جہاں جہالت، بے عقلی، بے بصیری، کور بینی اور کوتاہ اندیشی ہے وہاں دین وایمان کے لئے بھی ضرر رساں ہے، تقلید کی موجودگی میں انسان کامل بھی نہیں بن سکتا، یقیناً تقلید دنیا وآخرت میں موجب حرماں نصیبی اور سیاہ بختی ہے۔ (ضرب شدید علی اہل التقلید،ص ۶)

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی صاحب رقمطراز ہیں:

اسلام میں سب سے بڑا فتنہ جو مسلمانوں کو پیش آیا وہ کتاب وسنت سے اعراض اور تقلید پر اکتفاء تھا، خیر القرون بلکہ ائمہ

اربعہ کے ادوار تک تقلیدی فتنہ معدوم تھا یوں ہی عجمی اثر و رسوخ کا اسلام میں نفوذ شروع ہوا تو نئے سے نئے فتنوں نے سر اٹھانا شروع کیا تقلید بھی ایک فتنہ تھا الخ۔ (ضرب شدید، ص۱۲)

مولانا گوندلوی صاحب ایک مقام پر یہ سرخی قائم کر کے کہ ’’تقلید قبول اسلام میں رکاوٹ ہے‘‘ تحریر فرماتے ہیں:

اسلام کو جس قدر تقلید نے نقصان پہنچایا ہے شاید ہی کسی اور چیز سے پہنچا ہو۔ (ایضا، ص۵۹)

غیر مقلدین کے ایک مقتدر عالم مولانا عبد الشکور حصاروی لکھتے ہیں:

خواص تو جانتے ہیں میں عوام کی خاطر کچھ عرض کرتا ہوں کہ مقلدین دس وجہ سے گمراہ اور فرقۂ ناجیہ سے خارج ہیں جن سے مناکحت (شادی) جائز نہیں، وجہ اول یہ ہے کہ موجودہ حنفیوں میں تقلید شخصی پائی جاتی ہے جو سراسر حرام اور ناجائز ہے۔ (سیاحۃ الجنان، ص۵)

مولانا محمد جونا گڑھی تحریر فرماتے ہیں:

انبیاء کی تعلیم کو جن لوگوں نے قبول نہیں کیا وہ مقلدین تھے وحی الٰہی کو سب سے زیادہ دھکا دینے والی چیز تقلید ہی ہے۔ (طریق محمدی، ص۲۳)

مزید لکھتے ہیں:

الغرض اتباع رسول کو پرے پھینکنے کا آلہ جو ہر زمانے کے مخالفِ رسول لوگ اپنے کام میں لاتے رہے یہی تقلید ہے، اگر تقلید کی مذمت میں صرف یہی آیتیں ہوتیں جب بھی اس کی بدترین حرمت کے ثبوت کے لئے کافی تھیں کہ وہ یہ چیز ہے جو اصل اسلام سے دنیا کو روکتی ہے۔ (طریق محمدی، ص۲۵)

نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں:

وایجابِ تقلید ایجابِ بدعت است (النہج المقبول، ص۱۲)

تقلید کو واجب کرنا بدعت کو واجب کرنا ہے۔

نواب وحید الزماں صاحب رقمطراز ہیں:

من اھل البدعة الاحناف و الشوافع الجامدون علی التقلید التارکون لکتاب اللہ و سنة رسولہ (ہدیۃ المہدی، ج ا ص ١٢١)

اہل بدعت میں سے احناف اور شوافع ہیں جو تقلید پر اڑے ہوئے ہیں اور کتاب وسنت کو چھوڑ رکھا ہے۔

قارئین محترم! ہم نے غیر مقلدین کے علماء کی صرف چند تحریرات ذکر کی ہے ان جیسی بلکہ ان سے بھی زیادہ کثیف عبارتیں ان حضرات کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں جو طوالت کے خوف سے پس انداز کی جاتی ہیں، ہمارا سوال صرف یہ ہے کہ گزشتہ حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے اکابر علماء حتیٰ کہ خود غیر مقلدین کے مجدد اور مجتہد نواب صدیق حسن خان صاحب حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مقلد قرار دے رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضراتِ اکابر علماء کے نزدیک تقلید ضروری ہے، ایسی صورت میں غیر مقلدین حضرات کا ان اکابر علماء کے بارے میں کیا فتویٰ ہوگا اور خود امام بخاری رحمہ اللہ کی کیا حیثیت ہوگی؟

بخاری کی اساس تقلید پر

اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے جو بخاری شریف لکھی ہے اس کی اساس تقلید پر ہے اس لئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ حدیث اپنے شیخ پر اعتماد کر کے قبول کرتے ہیں ان کا شیخ اپنے شیخ پر اعتماد کرتا ہے اور یہ شیخ اپنے شیخ پر اعتماد کرتا یہ اور یہ اعتماد والا سلسلہ حضور اکرم ﷺ تک جا پہنچتا ہے، کسی پر اعتماد کر کے اس کی بات کو بلا دلیل مان لینا ہی تو تقلید ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے شیخ سے حدیث سنی اور اس کی صحت پر ان سے کوئی دلیل طلب نہیں کی بلا

دلیل اس حدیث کو آنحضرت ﷺ کی حدیث مان لیا یہ تقلید نہیں تو اور کیا ہے، کوئی غیر مقلد عالم یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے شیخ سے اس حدیث کے حدیث رسول ہونے پر دلیل طلب کی ہو، اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ نے اپنے شیخ سے دلیل طلب کی ہو تو معلوم ہوا کہ بخاری کی تمام روایات کا دار و مدار تقلید پر ہے۔

﴿ساتواں باب﴾

تصانیف

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

***

تصانیف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہت بلند پایہ مصنف اور مؤلف ہیں۔ علوم حدیث میں ان کے کارنامے سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ یہاں ان کی چند تصانیف ان کے نام و احوال درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ الجامع الصحیح

اس کے بارے میں آئندہ صفحات میں تفصیل آرہی ہے۔ (انشاءاللہ)

۲۔ التاریخ الکبیر فی تاریخ رواۃ و اخبارھم

یہ وہی تاریخ ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر کے اٹھارہویں سال چاندنی راتوں میں مسجد نبوی میں حجرہ مبارک اور منبر کے درمیان بیٹھ کر لکھی۔

(ترجمہ جامع صحیح البخاری، ص۴)

یہ تاریخ رجال میں بحیثیت جامعیت کے منفرد اور یکتا ہے۔ تاریخ کبیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام سے لے کر اپنے شیوخ تک تقریباً چالیس ہزار راویوں کا ذکر کیا ہے۔ اکثر جرح و تعدیل بھی ہے گو بالاستیعاب نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ اور معاصرین نے اس کتاب کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا ہے۔ (السنۃ قبل التدوین، ص ۲۶۵)

امام تاج الدین سبکی کا خیال ہے کہ اس سے پہلے ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اور اس کے بعد جس نے اس موضوع یعنی تاریخ اسماء اور کنیتوں وغیرہ پر قلم اٹھایا تو اس کتاب پر انحصار کیا۔ بعض علمائے حدیث و رجال نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایتوں کو اپنی طرف نسبت دے دی ہے اور بعض نے اس سے روایت کر دی ہے۔

(طبقات شافعیہ، ج۲، ص۱۰)

۳۔التاریخ الصغیر

فن تاریخ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بھی ایک بے مثل تصنیف ہے۔فن حدیث کوفن رجال کے ساتھ وہی تعلق ہے، جو روح کو جسم کے ساتھ ہے۔اس لیے امام صاحب کو اس کے ساتھ خاص شغف تھا۔اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن الاشقر نے روایت کیا ہے۔اس تاریخ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مشاہیر صحابہ وتابعین کے سنین وفات ونسب ولقا کا ذکر کرتے ہیں اور جرح تعدیل بھی کرتے ہیں۔ بقول امام سبکی کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ہر شخص کے بارے میں پوری معلومات حاصل تھیں، لیکن طوالت کے خوف سے کتاب میں درج نہیں کیں۔ (طبقات شافعیہ، ج ۲،ص ۵)

یہ کتاب ۱۳۲۵ھ میں الہ آباد مطبع انوار احمدی میں طبع ہوئی۔

۴۔کتاب الخلق افعال العباد

صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم جس طرح آیات واحادیث سے باطل فرقوں کا ردّ کرتے تھے، وہی طرز اس کتاب کا بھی ہے اور یہی علمِ کلام قدیم ہے۔اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے یوسف بن ریحان اور علامہ فِربری نے روایت کیا ہے۔اس کتاب میں فرقِ باطلیہ جہمیہ اور معطلہ کا رد ہے اور آیات و احادیث کے ساتھ آثارِ صحابہ واقوالِ تابعین بھی درج ہیں۔

۵۔کتاب الضعفاء الصغیر

حروف تہجی کی ترتیب سے اس کتاب میں ضعیف راویوں کے نام درج کیے ہیں۔اکثر وجہِ تصنیف اور راوی کے تلمذ کا بھی ذکر ہے۔اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تصنیف میں کتنی احتیاط برتی گئی ہے۔

۶۔کتاب الکُنیٰ

اس کا ذکر ابواحمد حاکم نے کیا ہے۔(ہدی الساری، ج ۲،ص ۲۰۵)

محدثین کے نزدیک اس فن سے واقفیت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔اس موضوع میں رواتِ حدیث کی کنیتوں کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے،جس سے ایک راوی کا دوسرے سے اختلاط نہ ہو۔ یہ کتاب حیدر آباد دکن میں ٹائپ میں ۱۳۶۰ھ کو طبع ہوئی۔ ۹۷ صفحات پر مشتمل ہے اور ایک ہزار کے قریب کنیتوں سے متعلق اس میں بحث کی گئی ہے۔

۷۔ کتاب الادب المفرد

یہ وہ کتاب ہے جو رسول کریم ﷺ کے اخلاق و آداب کا پتا دیتی ہے۔اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے احمد بن محمد الجلیل البزار روایت کرتے ہیں۔

۸۔تنویر العینین برفع الیدین فی الصّلوٰۃ

یہ بڑی جامع کتاب ہے۔

آصفیہ اور کلکتہ میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔اُردو ترجمہ کے ساتھ ۱۲۵۶ھ میں طبع ہوئی۔دہلی میں بھی یہ کتاب اس عنوان سے شائع ہوئی۔(براکلمن،ج ۳،ص ۱۷۹)

۹۔خیر الکلام فی القرأۃ خلف الامام

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایک مشہور رسالہ ہے۔۱۲۹۹ھ میں بمقام دہلی اُردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئی۔(ایضاً)

۱۰۔التاریخ الاوسط

یہ کتاب زمانی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہے۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب میں اس کے حوالے دیے ہیں۔اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے عبداللہ بن احمد بن عبدالسلام الخفاف،ابو محمد زنجویہ بن محمد العباد روایت کرتے ہیں۔

حیدر آباد دکن میں ۱۹۳۷ء میں اس کا ایک نسخہ ملا تھا۔(ایضاً،ص ۱۷۸)

۱۱۔ کتاب الضعفاء الکبیر

اس کا ایک قلمی نسخہ پٹنہ لائبریری میں موجود ہے۔ (براکلمن، ج ۳، ص ۱۷۹)

۱۲۔ المسند الکبیر، التفسیر الکبیر

ان دونوں کا مفصل حال معلوم نہیں ہوسکا۔ ان دونوں کا ذکر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ علامہ فربری نے کیا ہے۔

۱۳۔ اسامی الصحابہ

اس کا ذکر ابوالقاسم بن مندہ نے کیا ہے اور وہ خود اس کو ابن فارس کے طریق سے روایت کرتے ہیں۔ اکثر عبارتیں اس سے نقل بھی کرتے ہیں۔ ابوالقاسم امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس سے اپنی کتاب معجم الصحابہ میں نقل کرتے ہیں۔ اس موضوع پر اس سے پہلے کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چلتا۔ اس کے بعد ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ، ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسمائے صحابہ اور ان کے تاریخی حالات میں کتابیں تصنیف کیں۔

(مقدمہ فتح الباری، ابن حجر، ج ۲، ص ۲۰۵)

۱۴۔ الجامع الصغیر فی الحدیث

حاجی خلیفہ صاحبِ کشف الظنون لکھتے ہیں کہ بقول ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے عبداللہ بن محمد الاشقر نے روایت کیا ہے اور یہ تصنیف موجود ہے۔

نایاب تصنیفات

۱۵۔ الجامع الکبیر

اس کا ذکر ابن طاہر نے کیا ہے۔ اس کتاب کا بھی مفصل حال کچھ نہیں معلوم

ہو سکا۔ نہ اس کے کسی قسم کے وجود کا پتا چل سکا۔

۱۶۔ کتاب الھٰیه

اس کا ذکر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کاتب محمد بن ابو حاتم نے کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کتاب اس قدر جامع ہے کہ عبداللہ بن مبارک، وکیع، ابن جراح کی کتابوں سے اس کو کچھ نسبت نہیں۔ وکیع کی کتاب الہیہ میں دو یا تین اور عبداللہ بن مبارک کی کتاب میں صرف پانچ حدیثیں مرفوع تھیں، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کاتب میں پانچ سو کے قریب مرفوع حدیثیں ہیں، لیکن افسوس کہ اس کے کسی نسخے کا پتا نہ چل سکا۔

۱۷۔ کتاب الوُحدان

اس کتاب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان رواۃ صحابہ کا ذکر کیا ہے، جن سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کسی نے اس موضوع پر کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ بعد میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الوُحدان لکھی۔

۱۸۔ کتاب المبسوط

کتاب المبسوط کے موضوع بحث کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ لیکن قیاس یہ ہے کہ اس کتاب میں بسط کے ساتھ وہ فقہی مسائل ہوں گے جو احادیث سے مستنبط کیے گئے ہیں۔ خلیلی نے اس کا ذکر اپنی کتاب ارشاد میں کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے صہیب بن سلیم نے روایت کیا۔ (مقدمہ فتح الباری، ج ۲، ص ۲۰۵)

۱۹۔ کتاب العلل

یہ فن نہایت دقیق اور عمدہ ہے، اس کا ذکر ابوالقاسم بن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ (ایضا)

۲۰۔ کتاب الفوائد

اس کا ذکر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المناقب'' میں کیا ہے، لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کس قسم کے فوائد اس میں ودیعت کیے ہیں۔ لیکن قرینہ یہ ہے کہ اس میں وہ نکاتِ حدیثیہ ہیں جو فنِ علل سے تعلق رکھتے ہیں۔ (ایضاً)

۲۱۔ برالوالدین

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے محمد بن دَلُّو یہ روایت کرتے ہیں۔ اس کے وجود کا پتا نہیں چل سکا۔ (ایضاً، ص ۲۰۲)

۲۲۔ کتابُ الاشربہ

اس کا ذکر امام دارقطنی نے اپنی کتاب ''المؤتلف والمختلف'' میں کیا ہے۔

۲۳۔ قضایا الصحابہ والتابعین

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مبارک کتاب تاریخ الکبیر سے قبل ۲۱۲ھ میں تصنیف کی ہے جبکہ آپ کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ اس میں تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے۔ یہ نہایت مفید اور کارآمد کتاب ہے۔ (طبقات شافعیہ، ج ۲، ص ۵)

۲۴۔ کتاب الرقاق

اس کا ذکر صاحبِ کشف الظنون حاجی خلیفہ نے کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''کتاب الرقاق للبخاری من کتب الحدیث'' لیکن افسوس آج تک دُنیا کے کسی کتب خانے میں اس کا پتا نہیں چلا اور نہ اس کا کوئی راوی معلوم ہوا۔

﴿ آٹھواں باب ﴾

اَلْجَامِعُ الصَّحِیْحُ

یعنی

فضائل صحیح بخاری

***

اصح الكتب بعد كتاب الله البخارى

اجود هذا الكتاب البخارى

ترانۂ صحیح بخاری

حمد و ثنا ہے شایانِ باری　　انسان کی جو کرتا ہے یاری
ہر دم رہے بس یہ شغل جاری　　مدح و ستائش طاعت گزاری
تفسیر و شرح ارشاد باری
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

وہ داعی حق وہ سب کا ہادی　　وہ جس نے سوتی بستی جگادی
کرنے لگا جب حق کی منادی　　گونجی عرب کی ہر اک وادی
وحی خفی وہ حسنات جاری
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

ہر ایک راوی صدق کا پیکر　　عدل مجسّم شبِ تاب گوہر
چرخِ یقین کا تابندہ اختر　　شانِ صحابہؓ اللہ اکبر!
سلمانؓ و عوفؓ و بوذر غفاریؓ
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

صحیح بخاری جب ہاتھ آئی　　ہم نے اسی سے بس لو لگائی
لبیّک مرادِ قلبی بر آئی!　　اپنی متاعِ گم گشتہ پائی
جان سے بڑھ کر ہم کو ہے پیاری
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

جو بعد قرآن لاریب افضل تصویر دلی ہے جس میں مکمل
ہوتا ہے جس سے ہر مسئلہ حل جس نے مچائی دنیا میں ہل چل

مشتاق جس کی امت ہے ساری
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

قرأت ہے جس کی وجہ مسرّت ملتی ہے جس سے قلب کو فرحت
جو بخشی ہے گنج عزیمت اس کے عمل کو ادنیٰ سی برکت

ہوجائے نوری جو بھی ہو ناری
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

آئینِ نبوی دستورِ محکم اسنادِ اعلیٰ صحت مسلم
کی راویوں نے ہر آن و ہردم سعی مسلسل اور جہد پیہم

باطل کے حق میں اک ضرب کاری
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

دیں کی حقیقت جس نے بتائی شرک و بدعت کی بنیاد ڈھائی
توحید خالص ہم کو سکھائی بھٹکے ہوؤں کو راہ پہ لائی

زیست ہماری جس نے سنواری
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

حدِ ثنا سے گونجی فضائیں دلکش ترنم دلکش دعائیں
قال رسول اللہ کی صدائیں جو چاہیں آئیں برکات پائیں

فیضانِ بحر رحمت ہے جاری
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

ہے جس میں شانِ خارہ گدازی نغمات جس کے ترکی نہ تازی
جس پر فدا ہیں رومی و رازی پیغامِ شوقِ میر حجازیؐ
پیدا ہو جس سے تقویٰ شعاری .
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

جس کی بدولت اقوامِ ذی شاں عشرت بداماں سرتاجِ دوراں
ہر لفظ جس کا لعلِ بدخشاں گویا جبین حور پہ افشاں
ہو دور جس سے ذلّت و خواری
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

یارب ہمیں توفیق عمل دے مدت سے ہم سب بیکل ہیں کل دے
باغِ بہشت و قصر محل دے نظمِ جہاں کو اب تو بدل دے
کلمات جس کے میزان میں بھاری
صحیح بخاری ، صحیح بخاری

☆☆☆☆☆

صحیح بخاری

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف میں سب سے مہتم بالشان ''الجامع الصحیح'' ہے۔

بخاری شریف کا نام

ان تمام تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور بخاری ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام ''الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ ﷺ وسننه و أیامه'' لکھا ہے۔

(تہذیب الاسماء واللغات، ج۱،ص۷۳، مقدمہ لامع الدراری،ص۸۳)

جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام ''الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ ﷺ و سننه و أیامه'' تحریر کیا ہے۔

(ھدی الساری،ص۸)

☆ ''جامع'' اُمورِ ثمانیہ کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

☆ ''مسند'' اس لیے کہ سند متصل کے ساتھ مرفوع روایات نقل کی ہیں اور جو آثار وغیرہ مذکور ہیں وہ ضمناً وتبعاً ہیں۔

☆ ''صحیح'' اس لیے کہ اس میں ''صحت'' کا التزام کیا گیا ہے۔

☆ ''مختصر'' اس لیے کہ تمام صحیح احادیث کا اس میں احاطہ نہیں کیا، خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ''ماأدخلت فی ھذا الکتاب الا ماصح، وترکت من الصحاح کی لایطول الکتاب''۔ (سیر اعلام النبلاء، ج۱۲،ص۴۰۲، تاریخ بغداد، ج۲،ص۹، ھدی قدیم،ص۷)

☆ ''من أمور رسول اللہ ﷺ'' یا ''من حدیث رسول اللہ ﷺ'' سے آپ کے اقوال مراد ہیں۔

☆ ''سنن'' سے افعال وتقریرات کی طرف اشارہ ہے۔

☆ اور ''ایام'' سے غزوات اور ان تمام واقعات کی جانب اشارہ ہے جو آپ ﷺ کے عہد مبارک میں پیش آئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے روایتیں ایسی ذکر کی ہیں جن میں آپ کا قول یا فعل یا تقریر مذکور نہیں، ایسے مقامات میں لوگوں کو اشکال پیش آتا ہے اگر کتاب کا پورا نام پیش نظر ہو تو پھر اشکال نہیں ہوتا۔

سببِ تالیف

اس کتاب کی تالیف کے دو سبب بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ ابراہیم بن معقل نفسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم اپنے استاذ اسحاق بن راھویہ کی مجلس میں تھے کہ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا: ''لو جمعتم کتاباً مختصراً لسنن النبی ﷺ''۔ مقدمۂ فتح کے الفاظ ہیں: ''لو جمعتم کتاباً مختصراً لصحیح سنة رسول الله ﷺ''۔ اس قول کی وجہ سے میرے دل میں اس کتاب کی تالیف کا داعیہ اور شوق پیدا ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء، ۱۲، ص ۴۰۲، تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۹، تھذیب الاسماء واللغات، ج ۱، ص ۷۴، طبقات السبکی، ج ۲، ص ۷، ھدی الساری قدیم، ص ۷)

۲۔ محمد بن سلیمان بن فارس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے وہ فرما رہے تھے، میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں، میرے ہاتھ میں پنکھا ہے، جس سے میں آپ ﷺ سے مکھیاں اڑا رہا ہوں۔ بیدار ہونے پر میں نے بعض معبرین سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا:

أنتَ تذب عنه الكذب.

''آپ، حضور ﷺ کی احادیث سے کذب کو دور کریں گے''

اس خواب نے میرے شوق اور ہمت کو بلند کر دیا اور ''الجامع الصحیح'' کی تالیف میں ہمہ تن مشغول ہو گیا۔ (تھذیب الاسماء واللغات، ج۱،ص ۶۷، ھدی الساری قدیم، ص ۷)

ان دونوں اسباب میں کوئی تضاد یا منافات نہیں ہے۔ بلکہ دونوں سبب ہو سکتے ہیں۔ خواب بھی محرک بنا ہوگا اور امام اسحاق بن راھویہ کی مجلس کے واقعہ سے بھی داعیہ پیدا ہوگا۔

مقامِ تالیف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس شہرۂ آفاق کتاب کو کس مقام یا کس شہر میں مرتب فرمایا، اس سلسلہ میں کئی روایات پائی جاتی ہیں۔

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبدالقدوس بن ھمام کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے مشائخ سے سنا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے تراجم ریاض الجنۃ میں منبر مبارک اور روضۂ اطہر کے درمیان لکھے ہیں اور وہ ہر ترجمہ کے لیے دو رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔

(تھذیب الاسماء واللغات، ج۱،ص ۶۷، سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲،ص ۴۰۴)

عمر بن محمد بن بجیر البجیری کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے یہ کتاب مسجد حرام میں لکھی ہے، ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے استخارہ کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور جب تک اس کی صحت کا یقین نہیں ہوا اس کو کتاب میں درج نہیں کیا۔

(ھدی الساری قدیم، ص ۴۹۸، جدید، ص ۶۸۳)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ابن طاہر کا قول ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کو بخارا میں تصنیف کیا ہے۔ جبکہ ابن بجیر فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ بصرہ میں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تصنیف فرمائی ہے۔ (ھدی الساری قدیم، ص ۴۸۹، جدید، ص ۶۸۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے صحیح بخاری کو مسجد الحرام میں

تصنیف کیا ہے۔ اور ہر ایک حدیث لکھنے سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ سے استخارہ کرتا، دو رکعت نماز پڑھتا تھا اور جب اس حدیث کی صحت پر پوری طرح انشراح ہو جاتا تھا، تو اس وقت حدیث کو کتاب میں جگہ دیتا تھا۔ (عمدۃ القاری، ج ا، ص ۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قدر اہتمام کی وجہ سے بعض لوگوں کا قول ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے گویا براہِ راست حضور انور ﷺ سے سنا ہے:

كان البخاری فی جمعه، تلقّی من المصطفیٰ ما اكتسب. (ھدی الساری قدیم، ص ۴۸۹، جدید، ص ۶۸۳)

ان باتوں میں تضاد نہیں ہے، ممکن ہے کہ مسودہ مسجد حرام میں لکھا ہو۔ تبییض ریاض الجنہ میں فرمائی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تراجم تو ریاض الجنہ میں لکھے ہوں اور ہر ترجمۃ الباب لکھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے ہوں۔ اور احادیث لکھنے کی ابتداء مسجد حرام سے کی ہو۔ (ارشاد الساری، ج ا، ص ۲۰)

"قال النووی رحمه الله تعالیٰ: "قال آخرون. منهم أبوالفضل محمد بن طاهر المقدسی: صنفه ببخاریٰ، وقیل: بمكة، وقیل: بالبصرة ، وكل هذا صحیح، معناه أنه كان یصنف فیه فی كل بلدة من هذه البلد ان فانه بقی فی تصنیفه ست عشرة سنة". (سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۰۴، ھدی الساری قدیم، ص ۴۸۹، محدثین عظام، ص ۱۵۰)

''امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی وغیرہ کہتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف مکہ، بصرہ وغیرہ شہروں میں تصنیف کی ہے۔ یہ تمام اقوال صحیح ہیں۔ کتاب کی تکمیل سولہ سال میں ہوئی تھی۔ آپ مختلف شہروں میں جاتے اور کتاب تصنیف فرماتے رہے''۔

چونکہ بخاری شریف سولہ سال کے طویل عرصہ میں مکمل ہوئی ہے اور اتنی مدت

آپ نے کسی ایک مقام پر قیام نہیں فرمایا۔ اس لئے اس عرصہ میں متعدد مقامات اور شہروں میں آپ نے یہ سلسلہ تصنیف جاری رکھا۔ (ھدی الساری قدیم، ص ۴۸۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۵۲ء رقمطراز ہیں:

بخاری گفتہ من صحیح جامع خود را از شش صد ہزار حدیث تخریج نمودہ ام۔ وجعلتہ حجۃ بینی و بین اللہ۔ وگویند بخاری، در مدت شانزدہ سال تصنیف صحیح نمودہ۔ وگفت در نیاوردم دریں کتاب الا احادیث صحیحہ۔ وانچہ ترک نمودہ ام از احادیث صحاح بیشتر است۔ وتصنیف آن در مسجد الحرام نمود۔ وہیچ حدیث را دراں کتا در نیا ورد و کتابت نہ کرد تا استخارہ نمود از خداوند تبارک وتعالیٰ و دو رکعت نماز گزارد و بر روایتے آمدہ کہ غسل بآب زمزم میکرد۔ و دو رکعت نماز خلف مقام میگزارد۔ و ہر چہ نزد وے صحت آن یقین می پیوست دراں کتاب ایراد مینمود۔

وابن عدی از جماعتے از شیوخ خود نقل کرد کہ بخاری تحویل تراجم کتاب خویش در مدینہ درمیان قبر و منبر حضرت رسالت پناہ ﷺ بتقدیم رسانیدہ و ہر ترجمہ کہ مے نوشت دو رکعت نماز میگزارد۔ و وجہ توفیق میان نقل مکہ و مدینہ آن گفتہ اند کہ مسودۂ کتاب در مسجد الحرام کردہ باشد۔ و در مدینہ مطہرہ آنرا بہ بیاض بردہ۔ واز و منقول ست کہ گفت کتاب کتاب خود را سہ نوبت تصنیف کردہ۔

و برآن گذشتہ و تنقیح نمودہ بہ بیاض بردہ ام۔ وکثرت اختلاف نسخ بخاری ازیں جہت است۔ ونسخ وے در حقیقت روایات ست کہ مختلف آمدہ۔ وگفتہ اند شاید کہ احادیث را بر آنحضرت عرض میکرد۔ و ہر چہ او را یقین نمے شد۔ واز حضرت وے ﷺ در واقعہ یا بالہام مجاز و مرخص میگشت مینوشت۔ واللہ اعلم۔

(مقدمہ اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۱۰)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، میں نے چھ لاکھ احادیث میں سے جامع صحیح بخاری کو مرتب کیا۔ اور میں نے اس جامع میں صحیح احادیث کے سوا کوئی حدیث شامل نہیں کی ہے، اور جتنی احادیث اس میں شامل کرنے سے رہ گئی ہیں وہ بھی صحیح

احادیث ہیں۔ اور بخاری شریف مسجد الحرام میں بیٹھ کر تصنیف کی ہے اور میں نے کوئی بھی حدیث صحیح میں نہیں لایا اور نہ ہی لکھی ہے جب تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے استخارہ نہیں کرلیا۔ اور ہر ایک حدیث شریف لکھنے سے پہلے زمزم سے غسل کرتا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر پھر حدیث لکھتا تھا۔ اور جب تک کسی حدیث کے صحیح ہونے کا مکمل یقین نہیں ہو جاتا تھا۔ کتاب میں درج نہیں کرتا تھا۔

اور ابن عدی اپنے مشائخ کی ایک جماعت سے نقل کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صحیح بخاری کے ''تراجم'' مدینہ منورہ میں رسالت مآب ﷺ کے روضۂ مبارک اور منبر شریف کے درمیان بیٹھ کر پہلے ترتیب دیئے اور ہر ایک ''ترجمۃ الباب'' لکھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر ''ترجمۃ الباب'' تحریر فرماتے۔

اس طرح کتاب جامع صحیح بخاری لکھنے کا ذکر دو مقدس مقامات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے ان دو اقوال میں وجہ توفیق وتطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ بخاری شریف کا مسودہ مسجد الحرام، مکہ مکرمہ میں تیار کیا گیا، مدینہ منورہ میں اس کو باقاعدہ کتابی شکل دی گئی۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے اپنی کتاب صحیح بخاری کو تین مراحل میں تصنیف کیا ہے۔ مسودہ سرسری نظر دیکھا۔ پھر اس کی چھان بین کی اور پھر اسے کتابی شکل دی۔ اور یہی وجہ ہے کہ بخاری کے مختلف نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ شاید ہر ایک حدیث حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں منظوری کے لئے پیش کرتے تھے اور جب اس کے صحیح ہونے کا یقین ہو جاتا اور حضور انور ﷺ کی طرف سے منظوری ہو جاتی یا بذریعہ الہام اس کی اجازت حاصل ہو جاتی تو پھر اسے کتاب میں شامل کر لیتے تھے۔ واللہ اعلم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

علامہ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ اسلام'' میں لکھا ہے:

"وامّا جامع البخاری الصحیح فاجل کتب الاسلام،

و افضلها بعد كتاب الله". (مقدمہ لامع الدراری، ص٨٣)

"اور جامع صحیح بخاری، اسلام کی کتب میں جلیل القدر ہے۔ اور
اللہ کی کتاب کے بعد سب سے افضل ہے"

اور وہ اسناد کے اعتبار سے ہمارے زمانہ کی تمام کتابوں سے اعلیٰ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے صحیح بخاری میں ہر ایک حدیث لکھنے سے پہلے غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اور اس حدیث کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت قائم کرنے کے بعد کتاب میں لکھا۔

فربری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: "میں نے بخاری شریف کی ہر ایک حدیث لکھنے سے پہلے غسل کیا، دو رکعت نماز پڑھی ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو دوسری کتابوں میں برکت والا بنائے گا"۔ (مقدمہ لامع الدراری، ص٨٤)

شیخ ابومحمد عبداللہ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بعض عارفین نے ایسے سادات سے نقل کیا ہے جن کے فضل کا لوگوں میں خوب چرچا اور اعتراف ہے کہ صحیح بخاری اگر کسی مصیبت میں پڑھی جائے تو وہ دُور ہو جاتی ہے اور اگر کسی کشتی میں لے کر سوار ہو جائیں تو وہ غرق نہیں ہوتی، نجات پاتی ہے۔ مصنف مستجاب الدعوات تھے انہوں نے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے لیے دُعا کی ہے۔ (ھدی الساری قدیم، ص١٣)

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: "اگر بخاری شریف قحط سالی دُور کرنے کے لئے پڑھی جائے تو قحط دُور ہو جاتا ہے۔ اور اس کی برکت سے بارش کا نزول ہوتا ہے"۔

امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ کے باپ کے ترکہ میں چھوڑا ہوا حلال طیب مال جس کی حلاوت و شیرینی سے نشو ونما ہوئی اور پروان چڑھے ہیں، اور جس حلال، طیب اور پاکیزہ غذا سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے گوشت و پوست میں روئیدگی اور بالیدگی اور نفاست کا اثر و نفوذ ہوا ہے، اس کا عکس جمیل "علم و عمل" کے

روپ میں آشکارا ہوا۔

پھر یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یگانہ و فرزانہ شخصیت ہے۔ جس نے "حدیث رسول" کے تقدس اور عظمت کو اس طرح ملحوظِ خاطر رکھا کہ اسے ضبط تحریر میں لانے میں نہ صرف باوضو کتابت کا اہتمام کیا، بلکہ آبِ زمزم جیسے متبرک پانی سے غسل، نوافل اور نماز استخارہ جیسے انتہائی پاکیزہ اعمال کے ساتھ اس کی تصنیف کا فریضہ انجام دیا۔

حالانکہ کاتب حضرات تو قرآنِ مجید جیسی مقدس کتاب کی کتابت کے لئے بھی وضو کا اہتمام و التزام مشکل ہی سے کرتے ہوں گے۔ جبکہ اُس کے لئے صریح حکم موجود ہے:

لَايَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "حدیث رسول ﷺ" کی عزت، حرمت اور احترام کا حق ادا فرما دیا ہے۔ ممکن ہے ایسی قدسی صفات کا حامل مصنف نہ اس سے پہلے دُنیا میں آیا ہو اور ممکن ہے ایسے سراپا ادب مؤلف کے دیدار کے لئے چشم فلک ترستی رہے۔

سنِ تالیف

صحیح بخاری کی تالیف کی ابتدا کب ہوئی؟ اور اختتام کب ہوا؟ کتبِ رجال و تاریخ میں اس کی کوئی تصریح نہیں۔ البتہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض واقعات سے اخذ کر کے فرمایا ہے ۲۱۷ھ میں اس کی ابتداء ہوئی اور ۲۳۳ھ میں اختتام ہوا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو جعفر محمود بن عمرو عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنی کتاب تالیف کی تو امام احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین اور علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اس کو پیش کیا، سب نے تحسین فرمائی اور

صرف چار احادیث میں اختلاف کیا، عقیلی فرماتے ہیں کہ ان چار میں بھی بخاری کی رائے راجح ہے۔ (ھدی الساری قدیم، ص ۷)

ان میں سے یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۳۳ھ میں ہوا۔

(تقریب التھذیب، ص ۵۹۷ ترجمہ ۷۶۵۱)

علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۳۴ھ میں۔

(تقریب التھذیب، ص ۴۰۳، ترجمہ ۴۷۶۰)

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۴۳ھ میں ہوا۔

(تقریب التھذیب، ص ۸۴، ترجمہ ۹۶)

ان تینوں ائمہ کے سامنے یہ کتاب جب ہی پیش ہوسکتی ہے جب ۲۳۳ھ میں مکمل ہوگئی ہو اور یہ متعین ہے کہ کتاب سولہ سال میں مکمل ہوئی ہے۔ (تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۱۴، سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲ و تھذیب الاسماء، ج ۲، ص ۷۴، ھدی الساری قدیم، ص ۴۸۹)

۲۳۳ھ میں سے ۱۶ نکال لیں تو ۲۱۷ بچتے ہیں (۲۳۳-۱۶=۲۱۷) لہٰذا کہا جائے گا کہ ۲۱۷ھ میں اس کی تالیف کا آغاز ہوا، اس وقت امام کی عمر تیئس سال تھی اور ۲۳۳ھ میں اس کو مکمل کیا، اس وقت امام رحمۃ اللہ علیہ کی عمر انتالیس سال تھی۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد تیئس سال زندہ رہے تو حسب قاعدۂ مصنفین اپنی کتاب میں گھٹاتے بڑھاتے رہے، اسی وجہ سے نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حماد بن شاکر کے نسخہ میں فربری کے نسخہ کے مقابلہ میں دوسو احادیث کم ہیں اور ابراہیم بن معقل کے نسخہ میں تو تین سو احادیث کم ہیں۔

(مقدمہ لامع الدراری، ص ۱۲۴، الفائدہ السادسہ)

صحیح بخاری کے ساتھ علمائے اسلام کی خصوصی توجہ اور اہتمام

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ علمائے اسلام نے مسالک و مکاتب فکر اور زبانوں،

زمانوں اور طبقوں کے اختلاف کے باوجود کتاب اللہ کے بعد کسی کتاب پر اتنی محنت نہیں کی ہے جتنی انہوں نے صحیح بخاری پر کی ہے، روایت وسماع کے اعتبار سے بھی، ضبط وکتابت کے اعتبار سے بھی، تشریحِ احادیث، رواۃ کی تفتیش وتحقیق اور ہر علمی خدمت کے اعتبار سے بھی۔

جہاں تک اس کے سماع کا تعلق ہے تو ہزار ہا ہزار لوگ اس سے فیضیاب ہوئے، اس کے الفاظ کے انضباط اور نسخوں کی تصحیح کا بھی ایسا اہتمام کیا گیا جس سے زیادہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، اس کی کتابت کے لئے نوع بنوع خط استعمال کئے گئے، اس کی جلدوں کے اوپر سونا چڑھایا گیا، سبز اور سرخ رنگوں سے اس کو مزیّن کیا گیا بلکہ منقول ہے (جیسا کہ مفتاح السعادہ ۲/ ۷ میں ہے) کہ: امام ابومحمد مزنی نے کتاب اللہ اور صحیح بخاری کو لکھنے کا حکم دیا تو ان کو صحیح بخاری اوّل تا آخر سنہرے پانی سے نو جلدوں میں لکھ کر دی گئی۔

جہاں تک اس کی شروحات وتعلیقات کا تعلق ہے...... تو قدیم وجدید...... علماء نے اس کا حق ادا کر دیا، یہاں تک کہ صحیح بخاری سے متعلق کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔

برکاتِ صحیح بخاری

ابوزید مروزی فرماتے ہیں کہ میں حجر اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ خواب میں حضور انور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’اے ابوزید! شافعی کی کتاب کا درس کب تک دو گے، اور میری کتاب کا درس آخر کب دینا ہوگا؟‘‘ میں نے عرض کیا: حضور ﷺ آپ کی کتاب کونسی ہے؟‘‘ ارشاد فرمایا: ’’محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب الجامع الصحیح‘‘۔

(ھدی الساری قدیم، ص ۴۸۹، جدید، ص ٦٨٣)

ابوعلی الحافظ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالفتح نصر بن الحسن سمرقندی نے ہم سے بیان کیا، ۴٦۴ھ میں سمرقند اور گردونواح میں قحط پڑا۔ کئی سال تک بارشوں کا

سلسلہ منقطع رہا۔ لوگوں نے نمازِ استسقاء کا اہتمام بھی کیا، لیکن بارش نہ دارد۔ اس دوران ایک نیک وصالح آدمی قاضی سمرقند کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''میں آپ کی خدمت میں ایک رائے پیش کرتا ہوں، اجازت ہو تو عرض کروں؟''

قاضی صاحب نے فرمایا: ''بیان کرو، کیا رائے ہے''

اُس نیک بخت آدمی نے کہا: ''میری رائے میں آپ خود اور لوگوں کو ساتھ لے کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر تشریف لے جائیں اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کریں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور بارش عنایت کریں گے''۔

قاضی صاحب نے اس کی رائے کی تعریف فرمائی اور لوگوں کو ساتھ لے کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔

وبکی الناس عند القبر، وتشفعوا بصاحبه

''لوگوں نے قبر کے پاس گریہ زاری کر کے اللہ تعالیٰ سے صاحبِ قبر کے وسیلہ سے بارش طلب کی''

فارسل اللّٰہ تعالیٰ السماء بماء عظیم غریز

''پس اللہ تعالیٰ نے خوب موسلا دھار بارش عطا فرمائی''

اور بارش کا سلسلہ سات دِن تک متواتر جاری رہا۔ (مقدمہ لامع الدراری، ص۴۴)

سیّد جمال الدین محدث اپنے استاذ اصیل الدین کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک سو بیس مرتبہ مختلف مقاصد کے لئے بخاری شریف کو پڑھا اور ہر ایک مرتبہ کامیابی حاصل ہوئی۔ جس نیت اور ارادہ سے پڑھی مقصود و مطلب حاصل ہوا۔

اسی طرح شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بستان المحدثین'' میں لکھا ہے، میں نے بخاری شریف کو مشکلات، امراض، دُشمن کے خوف، غلاء اور ہر ایک مصیبت کا تریاق پایا ہے۔ (مقدمہ لامع الدراری، ص۸۴)

یہی وجہ ہے علماء و محدثین کے یہاں بخاری شریف ختم کا رواج چلا آرہا ہے۔ اور یہ سلسلہ کب شروع ہوا، اس سلسلہ میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔

البتہ ساتویں، آٹھویں صدی سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے اس سے پہلے بھی یہ سلسلہ رہا ہو۔ (مقدمہ کشف الباری، ص۱۸۴)

تعدادِ روایاتِ بخاری

بخاری شریف میں مروی کل رِوایات کتنی ہیں؟

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جملة مافی کتابه الصحیح سبعة الاف ومائتان و خمسة وسبعون حدیثاً بالأحادیث المکررة وقد قیل: انها باسقاط المکررة أربعة الاف.

''بخاری شریف میں مکررات کو شمار کر کے احادیث کی کل تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے اور مکررات کو حذف کرنے کے بعد چار ہزار احادیث رہ جاتی ہیں''

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تقریب'' اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''اختصار علوم الحدیث'' میں یہی تعداد بیان کی ہے۔ (تقریب النواوی مع تدریب الراوی، ج۱ص۱۰۲، اختصار علوم الحدیث، ص۲۰)

علاوہ ازیں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''شرح بخاری'' اور ''تہذیب الاسماء واللغات'' میں بھی یہی تعداد ذکر کی ہے۔

(مقدمہ لامع الدراری، ص۱۲۴، تھذیب الاسماء، ج۱، ص۷۵)

لیکن ان دونوں کتابوں میں ''مسندة'' کی قید بھی لگا دی ہے، جس سے وہ تمام روایات نکل جاتی ہیں جو ''تعلیقات اور متابعت'' کی صورت میں بیان ہوئی ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح بخاری شریف میں حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر کی کتاب ''جواب المتعنت'' سے تفصیلاً تمام روایات کی تعداد ذکر کی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام تفصیلات کو مقدمہ میں نقل کیا

ہے اور جا بجا ان پر تنقید بھی کی ہے اور آخر میں فرمایا کہ میری تحقیق کے مطابق بخاری شریف میں مکررات سمیت سات ہزار تین سو ستانوے حدیثیں ہیں۔ یہی تعداد قابلِ اعتماد ہے۔ جملہ مرویات ایک نظر میں:

رواياتِ مرفوعة موصولة مع مكررات	۷۳۹۷
رواياتِ معلّقة مخرجة المتون فى الصحيح	۱۳۴۱
متابعات	۳۴۴
ميزان	۹۰۸۲

(ھدی الساری قدیم، ص۴۶۹، جدید، ص۶۵۹)

رواياتِ مرفوعة موصولة بدون تكرار	۲۶۰۲
رواياتِ معلّقة غير مخرجة المتون فى الصحيح	۱۵۹
ميزان كلا حاديث بدون تكرار	۲۷۶۱

(مقدمہ کشف الباری، ص۱۵۸)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی تعداد کو صحیح قرار دیا ہے۔ (مقدمہ ارشادالساری، ص۲۸، ارشادالقاری، ص۲۵، بحوالہ مقدمہ کشف الباری، ص۱۵۹)

شیخ الاسلام مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے بھی اسی تعداد کو صحیح قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ صاحب مقدمہ کہتے ہیں کہ ان (احادیث) کی تعداد ۷۲۷۵ (سات ہزار دو سو پچھتر) ہے''۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جب شرح فتح الباری لکھی تو وہ ہر کتاب کے آخر میں اس کتاب کے اندر آنے والی حدیثوں کی تعداد گنتے چلے گئے۔ ان کا کہنا ہے کہ کل تعداد ۹۰۸۲ (نو ہزار بیاسی) ہے۔ تعداد میں فرق ہے، لیکن ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول زیادہ راجح ہے کیونکہ وہ ہر کتاب کے اخیر میں احادیث گنتے چلے گئے ہیں۔

(درس بخاری، ص۱۲۷)

معرفتِ علل حدیث میں انفرادیت

محدثین کی اصطلاح میں ''علت'' پوشیدہ سبب جرح کو کہتے ہیں۔ اس علم میں مہارت کے لئے بے پناہ حافظہ، سیال ذہن اور نقد میں کامل مہارت ضروری ہے۔ رواۃ حدیث کی معرفت، ولادت اور وفات کے اوقات کا علم، اسماء، القاب، کنیتوں اور ان کی ملاقات کی تفصیل کا علم لازم ہے اور الفاظ حدیث پر پوری نظر ضروری ہے۔

(مقدمہ ابن الصلاح، ص ۴۲، النوع الثامن، معرفۃ الحدیث المعلل)

امام ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیس نامعلوم حدیثیں لکھنے سے کہیں زیادہ مجھے یہ مرغوب ہے کہ کسی حدیث کی علت قادحہ معلوم ہو جائے۔

(تدریب الراوی، ج ۲، ص ۲۵۲، النوع الثامن عشر المعلل)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلل میں فرمایا کہ جامع ترمذی میں میں نے احادیث کی جس قدر علتیں بیان کی ہیں یا رجال اور تاریخ کے بارے میں جو کچھ کہا اس کا بیشتر حصہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یا ان کی تاریخ سے لیا ہے، البتہ چند مقامات پر امام دارمی اور امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

(فاتحہ کتاب العلل المطبوع بجامع الترمذی، ج ۲، ص ۲۳۳)

احمد بن حمدون کا بیان ہے کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو سعید بن مروان کے جنازے میں دیکھا، ان کے شیخ محمد بن یحییٰ ذہلی رحمۃ اللہ علیہ ان سے اسامی و کُنی اور علل حدیث کے بارے میں سوال کر رہے تھے جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس طرح جواب دے رہے تھے جیسے ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھ رہے ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۳۲۔ ۴۵۵، تھذیب الاسماء واللغات، ج ۱، ص ۶۹، ھدی الساری قدیم، ص ۴۸۸)

ابو حامد اعمش رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں امام مسلم آئے اور ایک حدیث (عبید الله بن عمر أبی الزبیر، عن جابر قال: بعثنا رسول الله ﷺ فی سریة ومعنا أبو عبیدة) سنا کر درخواست کی

اگر آپ کے پاس یہ حدیث ہوتو اس کو متصل فرمادیجئے۔مطلب یہ تھا کہ عبید اللہ تابعی ہیں اس لیے یہ حدیث امام کے پاس ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو متصل السند ہے یا نہیں؟ اور اگر سند ہے تو معلل ہے یا صحیح؟ اگر معلل ہے تو علت معلوم ہے یا نہیں؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت حدیث کی سند متصل بیان کی (حدثنا ابن أبی أویس حدثنی أخی عن سلیمان بن بلال عن عبیداللہ)۔

(ھدی الساری قدیم ،ص ۴۸۸ ،مقدمہ قسطلانی ،ص ۳۰۶)

اسی مجلس کا دوسرا واقعہ ہے کہ کسی شخص نے سند پڑھی اور حدیث سنائی (حجاج بن محمد عن ابن جریج، عن موسی بن عقبة، عن سھیل بن أبی صالح، عن أبیه، عن أبی ھریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: کفارة المجلس اذا قام العبدأن یقول: سبحانک اللھم وبحمدک أشھد أن لا اله الا أنت أستغفرک و أتوب الیک)۔اس حدیث کو سن کر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی اس سے اونچی سند پورے عالم میں نہیں اور دو طریق اس کے ذکر کیے۔ایک (محمد بن سلام حدثنا مخلد بن یزید أخبرنا ابن جریج حدثنی موسی بن عقبةعن سھیل بن أبی صالح عن أبیه عن أبی ھریرة) اور دوسرا طریق (أحمد بن حنبل ویحیی بن معین قال حدثنا حجاج بن محمد)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:الا أنه معلول

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر کانپ اُٹھے اور اس کی علت دریافت کی۔امام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس پر پردہ ڈال رکھا ہے اس کو اسی طرح رہنے دو۔لیکن امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار کیا تو اس کے معلول ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی (لایذکر لموسی بن عقبة سماع من سھیل)یعنی موسیٰ بن عقبہ کا سہیل بن ابی صالح سے سماع ثابت نہیں ہے۔پھر غیر معلول سند انہوں نے ذکر کی (حدثنا موسی بن اسماعیل، حدثنا وھیب حدثنا سھیل عن عون بن عبداللہ)۔

(ھدی الساری قدیم ،۴۸۸ ،سیر اعلام النبلاء ، ج ۱۲ ،ص ۴۳۶)

اسماء وکُنی کی معرفت کے سلسلے میں واقعہ مشہور ہے کہ امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ایک حدیث بیان کی (حدثنا سفیان عن أبی عروۃ، عن أبی الخطاب، عن أبی حمزۃ) حاضرین سفیان کے بعد مشائخ میں سے کسی کو نہ پہچان سکے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابوعروہ معمر بن راشد ہیں، ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ سدوسی ہیں اور ابوحمزہ سے مراد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ نیز فرمایا کہ سفیان کی یہ عادت ہے کہ وہ مشہور شیوخ کی کنیت ذکر کرتے ہیں۔ (ھدی الساری قدیم، ص ۴۷۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریق

جرح وتعدیل کے باب میں محدثین نے ان کے مراتب مقرر کیے اور پھر ہر ایک کے لیے مخصوص اصطلاحیں مقرر ہوئیں۔ چنانچہ جرح کے مراتب میں (فلان کذّاب) وغیرہ الفاظ شائع وذائع ہیں۔

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عام محدثین کی طرح وضاع اور کذاب کا لفظ بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ وہ ''منکر الحدیث''، ''فیه نظر'' اور ''سکتوا عنه'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ (ھدی قدیم ۴۸۰)

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

اذا قلت: فلان فی حدیثه نظر، فهو متهم واه. (میزان الاعتدال، ج ۲، ص ۴۱۶، ترجمہ عبداللہ بن داؤد واسطی)

نیز فرماتے ہیں:

کلّ من قلت فیه: منکر الحدیث، فلا تحل الروایة عنه

۔ (میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۶، ترجمہ ابان بن جبلہ)

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جرح کے باب میں بھی احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے وراق نے آپ سے کہا کہ لوگ آپ کی تاریخ پر

اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں غیبت کی گئی ہے۔تو آپ نے فرمایا ہم نے تاریخ میں متقدمین کے اقوال نقل کیے ہیں اپنی طرف سے تو ہم نے کچھ بھی نہیں کہا۔

(ھدی الساری،۴۸۰)

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اخذ حدیث میں بھی بہت احتیاط سے کام لیا، ایک مرتبہ کسی شخص نے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا جس میں تدلیس کا گمان تھا تو امام نے فرمایا کہ تم میرے بارے میں تدلیس کا شبہ کر رہے ہو، میں نے تو ایک محدث کی دس ہزار احادیث اسی اندیشے کی وجہ سے ترک کر دیں اور شبہ ہی کی بنیاد پر ایک اور محدث کی اتنی ہی یا اس سے زائد حدیثیں چھوڑ دیں۔(ھدی الساری،۴۸۱)

موضوعِ کتاب

ہر ایک مصنف کے پیش نظر کوئی خاص موضوع ہوتا ہے۔جس کے مطابق کتاب لکھی جاتی ہے۔یوں ہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اصل موضوع تو احادیث صحیحہ کا یکجا جمع کرنا تھا۔جیسا کہ ان کے تجویز کردہ نام سے ظاہر ہے: **الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ ﷺ و سننہ وایامہ**

اور اس کے ساتھ اس بات کا التزام بھی کتاب میں پیش نظر تھا کہ فقہی استنباطات وفوائد بھی قلمبند کئے جائیں۔چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متون حدیث سے جو جو فقہی استنباطات کئے ہیں انہیں متفرق ابواب میں ذکر کردیا ہے۔

(ھدی الساری قدیم،ص ۸،جدید،ص ۱۰)

امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، محدثینؒ کرام نے سب سے پہلے جب علم حدیث کو مدون کیا تو اسے چار فنون پر تقسیم کیا تھا:

(۱) فن السنہ: یعنی فقہ، جیسے موطا امام مالک اور جامع سفیان

(۲) فن تفسیر: جیسے کتاب ابن جریج

(۳) فن سیر: جیسے محمد بن اسحاق کی کتاب

(۴) فن زہد ورقاق: جیسے امام ابن المبارک کی کتاب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر چاروں فنون کو یکجا کرنا تھا اور صرف ایسی احادیث ذکر کی جائیں۔ جن پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے یا ان کے زمانہ میں صحت کا حکم لگایا جاچکا ہو۔ نیز یہ التزام بھی ہو کہ اس کتاب کو مرفوع اور مسند احادیث کے لئے مختص کردیا جائے۔ اسی بنا پر انہوں نے اپنی کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند" تجویز فرمایا۔ جہاں تک آثار کا تعلق ہے انہیں اصالتہً ذکر نہیں کیا، بلکہ تبعاً لائے ہیں۔

علاوہ ازیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقصود بھی تھا کہ احادیث سے مسائل کا استنباط خوب کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ایک ایک حدیث سے بہت سے مسائل مستنبط کئے ہیں اور یہ طریقہ ان سے پہلے کسی مصنف نے اختیار نہیں کیا۔

(رسالہ شرح تراجم ابواب صحیح بخاری، ص ۱۳، بحوالہ محدثین عظام، ص ۵۴)

خصائص صحیح بخاری

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں سب سے اہم خصوصیت تراجم ہیں، ایسے تراجم نہ ان سے پہلے کسی نے قائم کیے اور نہ ان کے بعد کسی نے قائم کیے۔ ان کے بعض تراجم آج تک معرکۃ الآراء بنے ہوئے ہیں اور ان کی صحیح مراد آج تک متعین نہیں کی جاسکی، ہر شخص اپنی معلومات اور قرائن کی مدد سے تعین مراد کی کوشش کرتا ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اثبات حکم کے لیے تراجم میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اکثر آیات قرآنیہ کو ذکر کرتے ہیں۔ (مقدمۃ لامع، ص ۱۰۲)

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ صحابہ وتابعین کے آثار سے مسائل مختلف فیہا کی وضاحت کرتے ہیں اور جب مختلف آثار ذکر کرتے ہیں تو جو اثر ان کے نزدیک راجح ہوتا ہے اس کو پہلے بیان کرتے ہیں۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پوری "الجامع الصحیح" میں کوئی ایسی روایت ذکر نہیں کی جس کو انہوں نے اپنے استاذ سے علی

سبیل المکاتبۃ لیا ہو، البتہ کتاب الایمان والنذور میں ایک روایت ایسی لائے ہیں جس میں کتب الیّ محمد بن بشار فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری، ج۲،ص ۹۸۷، کتاب الأیمان والنذور، باب اذا احنث ناسیا فی الأیمان، رقم: ۶۶۷۳)

سند کے درمیان مکاتبت کا آجانا ضروری بات ہے اور وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا فعل نہیں ہے بلکہ دوسرے راویوں کا عمل ہے۔ (تدریب الراوی، ج۲،ص ۵۶، النوع الرابع والعشرون، کیفیۃ سماع الحدیث وتحملہ القسم الخامس، الکتابۃ)

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بدء الحکم کا ذکر بھی کیا کرتے ہیں جیسے بدء الوحی، بدء الحیض، بدء الاذان اور بدء الخلق کا ذکر فرما کر حکم کی ابتداء کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (مقدمہ لامع، ص ۱۰۸)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات بغیر تصریح کے اشارۃً بھی حکم کی ابتداء کو بیان کرتے ہیں۔ (مقدمہ لامع، ص ۱۰۸)

چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ وہ براعت اختتام کی طرف اشارہ کرتے ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ہر کتاب کے آخر میں جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خاتمہ پر دلالت کرنے والا لفظ لاتے ہیں تو اس کتاب کے اختتام کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ (فتح الباری، ج ۱۳،ص ۵۴۳، شرح الحدیث الاخیر)

ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فترت کے بعد تالیف ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سے شروع کرتے ہیں۔

(مقدمہ لامع، ص ۹۶، ولامع الدراری، ج ۲،ص ۳۶۰)

لیکن یہ نقطۂ نظر ضعیف ہے، کیونکہ بعض اوقات کوئی خاص کتاب شروع کرتے وقت اس کتاب کے مستقل ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے بھی تسمیہ کو لاتے ہیں۔

آٹھویں خصوصیت صحیح بخاری کی ثلاثیات ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بائیس ثلاثیات اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔

ثلاثیات

وہ کتب حدیث جن میں ایسی روایات جمع کی جاتی ہیں کہ ان میں مصنف سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک صرف تین واسطے ہوتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں بائیس ثلاثی روایات ذکر کی ہیں۔

ان میں سے گیارہ روایات ''مکی بن ابراہیم'' سے منقول ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں۔ چھ روایات ابوعاصم النبیل ضحاک بن مخلد سے مروی ہیں۔ یہ بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ تین روایتیں محمد بن عبداللہ انصاری سے منقول ہیں۔ یہ امام ابویوسف اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہما کے شاگرد ہیں۔

اس طرح بائیس میں سے بیس ثلاثی روایات وہ ہیں جو حنفی مشائخ سے لی گئی ہیں۔ باقی دو روایات میں سے ایک روایت خلاد بن یحییٰ کوفی کی ہے۔ اور ایک عصام بن خالد حمصی کی، ان کے متعلق معلوم نہ ہوسکا کہ حنفی ہیں یا نہیں۔

یہ بائیس روایات سند کے لحاظ سے بائیس ہیں لیکن بلحاظ متن سترہ ہیں۔

(مقدمہ لامع الدراری، ج ۱، ص ۶۳۔ ۱۰۲۔ ۱۸۷)

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدفیوضہم فرماتے ہیں: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ثلاثیات پر بڑا فخر کیا جاتا ہے اور واقعتا بات بھی فخر کی ہے، کیونکہ ثلاثیات کی سند عالی ہوتی ہے اور سند عالی باعثِ افتخار ہے۔

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی وفات کے وقت کسی نے سوال کیا مَاتَشْتَهِي؟ تو فرمایا: بیت خال، واسناد عال

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ متقدمین کا طریقہ سند عالی کی جستجو اور تلاش کرنا تھا۔ (مقدمہ ابن صلاح، ص ۱۳۰)

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کی زیادہ تر روایات ثلاثی ہیں اور بکثرت ثنائی ہیں۔ جیسا کہ مسانید امام اعظم اور کتاب الآثار سے ظاہر ہے اور امام اعظم رؤیۃ

تابعی بھی ہیں۔ اس لئے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی انہوں نے زیارت کی ہے۔ بلکہ روایۃً بھی ان کو تابعی کہا گیا ہے۔ اگر چہ اس میں اختلاف ہے۔
(مقدمہ لامع الدراری، ج ۱ ص ۱۰۳)

اس کے باوجود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ثنائی اور ثلاثی روایات کو صحیح اہمیت نہیں دی جاتی۔ جو شکایت کی بات ہے۔
(محدثین عظام، ص ۶۱)

بخاری شریف کی رفعتِ شان

امیر المومنین فی الحدیث، امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خلوص و للّٰہیت، تقویٰ وطہارت کے باعث اللہ تعالیٰ نے صحیح بخاری کو جو قبولیت، شرف اور علماء ومشائخ کے ہاں پذیرائی عطا فرمائی، وہ کسی بھی دوسری کتاب کو حاصل نہ ہوسکی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی ترتیب وتدوین میں جن شرائط اور اصولوں کو ملحوظ رکھا۔ اس قدر اہم، سخت اور شدید چھان وبین کسی بھی محدث نے نہیں اپنائی۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام کے نزدیک صحت وشرائط کے اعتبار سے صحیح بخاری شریف "اصح الكتب بعد كتاب الله البخاری" ہے۔

یہ تاثر اور نظریہ متقدمین علماء میں سب سے پہلے ایک عظیم محدث علامہ ابن صلاح نے پیش فرمایا تھا۔ جس کی تصدیق وتوثیق قرنا بعد قرن، خلفا بعد سلف آج تک علماء ومحدثین کرتے چلے آرہے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۵۲ھ رقمطراز ہیں:

قال الامام ابوعمرو بن الصلاح فی کتابه فی علوم الحديث فيما اخبرنا به ابو الحسن بن جوزی عن محمد بن يوسف الشافعی عنه سماعاً قال: اوّل من صنف فی الصحيح البخاری ابو عبدالله محمد بن اسماعيل.
(ہدی الساری جدید، ص ۱۲)

''ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے صحیح احادیث کا مجموعہ البخاری تصنیف فرمایا''۔

پھر جب امام مسلم بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کر کے صحیح مسلم مرتب فرمائی تو محدثین عظام نے فرمایا:

وکتابا هما اصح الکتب بعد کتاب الله العزیز.

''کتاب اللہ قرآن عزیز کے بعد صحیح ہونے کے اعتبار سے ان دونوں کتابوں کو بلند درجہ حاصل ہے''

ثم ان کتاب البخاری اصح الکتابین صحیحاً و اکثرهما فوائد.

''پھر صحت اور کثرت فوائد کے لحاظ سے صحیح بخاری کا مرتبہ مقدم و ممتاز ہے''۔

صحیح بخاری شریف کی شروط، خصائص اور فضائل کے پیش نظر دیگر کتب احادیث پر اسے مجموعی طور پر فوقیت اور افضلیت حاصل ہے۔ کیونکہ امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس بالغ نظری اور نکتہ رسی کے ساتھ صحیح احادیث کا انتخاب کیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی جلالتِ شان اور معرفتِ علل میں ان کا تقدم بھی مسلّم ہے۔ اسی لئے ان کی جامع صحیح کو''اصح الکتاب بعد کتاب الله صحیح البخاری'' کا امتیازی خطاب دیا گیا ہے۔

صحیح بخاری شریف کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے''موطا امام مالک'' کے متعلق اسی طرح کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ لیکن اس وقت تک صحیح بخاری شریف مدون نہیں ہوئی تھی۔ یا امام موصوف نے مطالعہ نہیں فرمائی تھی۔ پھر''موطا'' میں مراسیل و بلاغات اور منقطعات کی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حجت ہیں، اور صلب موضوع کتاب میں داخل ہیں۔ جبکہ صحیح بخاری شریف میں بالعموم احادیث صحیحہ متصلہ ہیں اور جو تعلیقات

وغیرہ ہیں وہ صرف استشہاداً لائی گئی ہیں۔ صلبِ کتاب کا جزء نہیں ہیں۔

صحیح بخاری شریف کے ساتھ صحیح مسلم بھی صحت حدیث کے اعتبار سے اس کی شریک ہے، لیکن جمہور علمائے حدیث نے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فوقیت دی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری شریف کی تفصیل ثابت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: حدیث کی صحت کا مدار عدالتِ رواۃ، اتصالِ سند اور علل و شذوذ کے انتفاء پر ہے۔ ان جہات سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فوقیت اور افضلیت حاصل ہے۔

۱۔ عدالتِ رواۃ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو صحیح بخاری کی فضیلت اس طرح ثابت ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جن رواۃ میں منفرد ہیں ان کی تعداد چار سو پینتیس ہے، ان میں سے متکلم فیہ راوی صرف اسّی ہیں جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ چھ سو بیس راویوں میں منفرد ہیں، ان میں متکلم فیہ ایک سو ساٹھ ہیں۔ یہ تعداد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متکلم فیہ رواۃ کے مقابلہ میں دُگنی ہے، ظاہر ہے متکلم فیہ رواۃ جس میں کم ہوں گے اس کی افضلیت ثابت ہوگی۔

۲۔ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جن متکلم فیہ رواۃ سے احادیث تخریج کی ہیں ان سے زیادہ حدیثیں نہیں لیں، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متکلم فیہ رواۃ سے کثرت سے احادیث نقل کی ہیں۔

۳۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متکلم فیہ رواۃ ان کے اپنے اساتذہ اور براہِ راست شیوخ ہیں جن کے حالات سے اور ان کی صحیح و سقیم احادیث سے وہ خوب واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان کی ساری حدیثیں (کیف ما اتفق) جمع نہیں کیں بلکہ خوب انتقاء کر کے نقل کی ہیں۔ جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے متکلم فیہ رواۃ ان کے براہِ راست شیوخ نہیں بلکہ متقدمین میں سے ہیں۔

۴۔ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان متکلم فیہ رواۃ کی احادیث استشہادات و

متابعات اور تعلیقات میں عموماً لاتے ہیں جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اصل کتاب میں بطورِ احتجاج ذکر کرتے ہیں۔

۵۔ اتصالِ سند کے اعتبار سے صحیح بخاری کو اس طرح فوقیت حاصل ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیثِ معنعن متصل کے حکم میں ہوتی ہے۔ بشرطیکہ راوی اور مروی عنہ معاصر ہوں۔ اگر چہ ان کے درمیان لقاء ثابت نہ ہو۔ جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ حدیث معنعن کو اتصال کے حکم میں اس وقت سمجھیں گے جبکہ معاصرت کے ساتھ ساتھ کم از کم ایک مرتبہ ان کے درمیان لقاء بھی ثابت ہو، ظاہر ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط اتصال کے اعتبار سے اقویٰ اور اشد ہے۔

۶۔ علت وشذوذ کے انتفاء کے اعتبار سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر بایں طور فوقیت حاصل ہے کہ صحیحین کی کل دوسودس حدیثوں پر کلام کیا گیا ہے جن میں سے اسّی سے بھی کم حدیثیں بخاری کی ہیں اور باقی حدیثیں صحیح مسلم کی ہیں۔

(ھدی الساری قدیم ص ۱۱۔۲۲، جدید ۱۴)

اس تفصیل سے اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر نیز دیگر کتب حدیث پر فوقیت حاصل ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۵۲ھ رقمطراز ہیں:

محدث العقیلی فرماتے ہیں، محمد بن اسماعیل کی ''الصحیح'' محدث کبیر علی بن المدینی، یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ تو ان سب ائمہ حدیث نے فرمایا:

کتابک صحیح

''آپ کی کتاب صحیح احادیث کا مجموعہ ہے''

سوا چار احادیث کے۔

عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، بنابریں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے ''صحیحۃ'' کہتے ہیں۔ (تھذیب التھذیب، ج ۷، ص ۴۷)

مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خراسان تشریف لائے اور اپنی کتاب ''صحیح البخاری'' علماء و محدثین کے سامنے پیش کی۔

فعظم شأنه، وعلا ذكره، وهو اوّل من وضع فى الاسلام كتابا صحيحا. (تھذیب التھذیب، ج ۷، ص ۴۷)

''تو اسے بہت بلند مرتبہ والی کتاب پایا، اور اس کی تعریف و توصیف ہر جا ہونے لگی اور تاریخ اسلام میں یہ پہلی کتاب تھی جو ''صحیح'' کے نام سے مشہور ہوئی''۔

امام ابوعبدالرحمٰن بن احمد بن شعیب بن بحر بن سنان النسائی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۰۳ھ کا ارشاد گرامی ہے:

اجود هذا الكتاب البخارى. (تھذیب الاسماء واللغات، ج ۱، ص ۶۷)

کتب احادیث میں سب سے عمدہ اور صحیح کتاب بخاری شریف ہے۔

مولانا سید احمد رضا بجنوری شارح بخاری کی رائے گرامی: ''جامع صحیح'' یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے زیادہ مشہور، مقبول، عظیم الشان اور رفیع المنزلت تالیف ہے۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر بہت ناز تھا، فرمایا کرتے تھے کہ خدا کے یہاں بخاری کو میں نے نجات کا ذریعہ بنایا ہے۔

(جامع صحیح سے پہلے موجود ایک سو کتب حدیث) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام ذخائر حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے، طرز جدید پر کتاب ''جامع صحیح'' کو مرتب کر کے اوّلیت کا فخر حاصل کیا، اور اسی طرح ان کی جامع کی شہرت ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کے نام سے ہوئی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اصحیت، علو سند اور ضبط متونِ احادیث کے اعتبار سے ان متقدمین کے جمع کردہ ذخیرے بہت ممتاز تھے۔

جامع صحیح بخاری مجموعی حیثیت سے اپنے بعد کی تمام کتابوں پر فوقیت و امتیاز

رکھتی ہے۔ اُس کے تراجم وابواب کو بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی ذکاوت و دقتِ نظر کے باعث خصوصی فضیلت وبرتری حاصل ہے۔ (تذکرۃ المحدثین، ج ۲، ص ۳۱)

''جامع بخاری'' کی صحت وثقاہت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اس کی صحت کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں صدیوں سے بج رہا ہے۔ بایں ہمہ اگر کوئی بد باطن یا شپرہ چشم اس میں موشگافیاں کرے، اس پر زبان طعن دراز کرے، تو ایسے کور باطن کو اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہیے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

مشائخ کی نظر میں بخاری کا مقام

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ محمد بن سلام بیکندی رحمۃ اللہ علیہ نے امام سے فرمایا: انظر فی کتبی، فما وجدت فیها من خطأ فاضرب علیه، کی لا أرویه۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان حدیثوں پر نظر ثانی کی، چنانچہ جن احادیث کے بارے میں امام نے اطمینان ظاہر کیا ان پر ان کے استاذ نے لکھ دیا رضی الفتی اور جو احادیث ضعیف تھیں ان پر لکھا:

لم یرض الفتیٰ (تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۲۴)

اسی طرح ان کے ایک دوسرے استاذ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے فرمایا:

انظر فی کتبی وأخبر نی بما فیها من القسط (ھدی الساری، ص ۴۸۳)

آپ کے استاذ اسماعیل بن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس لطیف طریقے سے بخاری نے میری حدیثوں کی اصلاح کی اس طرح کسی نے نہیں کیا، انہوں نے کہا کہ أتاذن لی أن أجددها یعنی میں ان کو دوبارہ لکھ دوں؟ انہوں نے اجازت دے دی۔ فرماتے ہیں فاستخرج عامة حدیثی بهذه العلة۔

(تفسیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۳۰)

خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اسماعیل بن ابی اویس کی جن احادیث کا انتخاب کرتا تھا ان پر وہ لکھ لیتے تھے:

هذه الأحاديث انتخبها محمد بن اسمٰعيل من حديثي

(ھدی الساری قدیم ص ۴۸۲)

اسماعیل بن ابی اویس ہی کا قول ہے انہوں نے اپنے شاگرد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

انظر في كتبي، وما أملكه لک، وأنا شاكر لک مادُمتُ حيًا (سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۲۹، ھدی قدیم ص ۴۸۲)

حافظ رجاء بن مرجی فرماتے ہیں:

فضل محمد بن اسمعيل على العلماء كفضل الرجال على النساء (ھدی الساری قدیم ص ۴۸۳)

نیز فرمایا:

هو آية من آيات الله يمشي على ظهر الأرض

(ھدی ص ۴۸۳)

امام محمد بن اسحٰق بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ماتحت أديم السماء أعلم بالحديث من محمد بن اسماعيل (ھدی الساری قدیم ص ۴۸۵)

یعقوب بن ابراہیم دورقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

محمد بن اسمٰعيل فقيه هذه الأمة (تھذیب الکمال، ج ۲۴ ص ۴۵۷)

یہی قول نعیم بن حماد سے بھی منقول ہے۔

محمد بن بشار بندار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

هذا أفقه خلق الله في زماننا (تھذیب الکمال ۲۴، ص ۴۴۹)

جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بصرہ تشریف لائے تو محمد بن بشار رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا:

دخل اليوم سيد الفقهاء (سیر اعلام النبلاء، ج ۱۲، ص ۴۲۰)

ابومصعب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

محمد بن اسماعيل افقه عندنا و أبصر بالحديث من أحمد بن حنبل، فقيل له: جاوزت الحد، فقال للرجل: لو أدركت مالكا و نظرت الى وجهه و وجه محمد بن اسماعيل لقلت: كلاهما واحد فى الفقه و الحديث

(ھدی قدیم، ص ۴۸۵)

ابوعمرو خفاف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

محمد بن اسماعيل أعلم بالحديث من اسحاق بن راهويه و أحمد بن حنبل وغيرهما بعشرين درجة

یہ تمام تعریفی کلمات یا تو ان کے اساتذہ کے ہیں اور یا ان کے معاصرین کے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بعد کے علماء کے جو اقوال ہیں وہ حد سے متجاوز ہیں۔ چنانچہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولو فتحت باب ثناء الائمة عليه ممن تاخر عن عصره لفنى القرطاس و نفدت الانفاس فذاک بحر لا ساحل له (ھدی قدیم، ص ۴۸۵)

غیر مقلدین کا بخاری و امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ سلوک

ہم فضائل بخاری شریف کے متعلق اپنی مختصر تفصیلات پر اکتفاء کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف لکھنے میں جس قدر اہتمام سے کام لیا تھی اسی قدر اللہ تعالیٰ نے اُسے مقبولیت عطا فرمائی، ہر زمانہ میں ہر مسلک و مشرب کے علماء اس کی درس و تدریس اور تفصیل و تشریح میں مشغول رہے،

تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور نہ جانے کب تک جاری رہے گا۔

اس موقع پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ قارئین کی توجہ غیر مقلدین کے علماء کے اُن بیانات کی طرف بھی کراتے چلیں جن میں امام بخاری رحمہ اللہ سے عقیدت ومحبت کے علی الرغم بخاری شریف اور امام بخاری رحمہ اللہ پر رکیک حملے کئے گئے ہیں۔

بخاری شریف آگ میں (العیاذ باللہ)

مشہور صحافی اختر کاشمیری اپنے سفر نامۂ ایران میں لکھتے ہیں:

اس سیشن کے آخری مقرر گوجرانوالہ اہل حدیث عالم مولانا بشیر الرحمٰن مستحسن تھے، مولانا مستحسن بڑی مستحب قسم کی چیز ہیں علم محیط (اپنے موضوع پر، ناقل) جسمِ بسیط کے مالک، ان کے اندازِ تکلم جدّت آلود اور گفتگو رَف ہوتی ہے فرمانے لگے:

> اب تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ قابلِ قدر ضرور ہے قابلِ عمل نہیں، اختلاف کرنا ضروری ہے مگر اختلاف ختم کرنے کے لئے اسبابِ اختلاف کو مٹانا ہوگا، فریقین کی جو کتب قابلِ اعتراض، ہیں ان کی موجودگی اختلاف کی بھٹی کو تیز تر کر رہی ہے کیوں نہ ہم ان اسباب کو ہی ختم کر دیں، اگر آپ صدق دل سے اتحاد چاہتے ہیں تو ان تمام روایات کو جلانا ہوگا جو ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب ہیں ہم بخاری کو آگ میں ڈالتے ہیں، آپ اصولِ کافی کو نذرِ آتش کریں آپ اپنی فقہ صاف کریں ہم اپنی فقہ (محمدی۔ ناقل) صاف کر دیں گے۔ (آتش کدہ ایران، ص ۱۰۹)

علامہ وحید الزماں صاحب کی امام بخاری رحمہ اللہ پر تنقید

صحاح ستہ کے مترجم علامہ وحید الزماں صاحب امام بخاری رحمہ اللہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> امام جعفر صادق مشہور امام ہیں، بارہ اماموں میں سے اور بڑے

ثقہ اور فقیہ اور حافظ تھے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے شیخ ہیں، اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے، مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انہوں نے روایت کی اور امام جعفر صادق سے جو ابن رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔ (لغات الحدیث، ج۱ص۶۱)

ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:

اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر تعجب ہے کہ انہوں نے امام جعفر صادق سے روایت نہیں کی اور مروان وغیرہ سے روایت کی جو اعدائے اہل بیت علیہم السلام تھے۔ (لغات الحدیث، ج۲ص۳۹)

نواب صاحب بخاری شریف کے ایک راوی مروان بن الحکم پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو کچھ نقصان پہنچا وہ اسی کمبخت شریر النفس مروان کی بدولت، خدا اسے سمجھے۔ (لغات الحدیث، ج۲ص۲۱۳)

بخاری شریف حکیم فیض عالم کی نظر میں

امام بخاری رحمہ اللہ نے واقعہ افک سے متعلق جو احادیث بخاری شریف میں ذکر کی ہیں ان کی تردید کرتے ہوئے حکیم فیض عالم لکھتے ہیں:

ان محدثین، ان شارحین حدیث، ان سیرت نویس اور ان مفسرین کی تقلیدی ذہنیت پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو اتنی بات کا تجزیہ یا تحقیق کرنے سے بھی عاری تھے کہ یہ واقعہ سرے سے ہی غلط ہے لیکن اس دینی و تحقیق جرأت کے فقدان نے ہزاروں ایسے پیدا کئے اور پیدا ہوتے رہیں گے، ہمارے امام

بخاری رحمہ اللہ علیہ نے اس صحیح بخاری میں جو کچھ درج فرما دیا وہ صحیح اور لاریب ہے خواہ اس سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت، انبیاء کرام کی عصمت، ازواج مطہرات کی طہارت کے فضائے بسیط میں دھجیاں بکھرتی چلی جائیں، کیا یہ امام بخاری کی اسی طرح تقلید جامد نہیں جس طرح مقلدین ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں۔ (صدیقۂ کائنات، ص ۱۰۶)

حکیم فیض عالم لکھتے ہیں:

دراصل امام بخاری میرے نزدیک اس روایت کے معاملہ میں مرفوع القلم ہیں، داستان گو کی چابک دستی کے سامنے امام بخاری رحمہ اللہ کی احادیث کے متعلق چھان بین دھری کی دھری رہ گئی۔ (صدیقہ کائنات، ص ۱۰۶)

غیر مقلدین ذرا سوچ کر جواب دیں کہ جب امام بخاری کی اس عظیم واقعہ کے متعلق احادیث کی چھان بین دھری کی دھری رہ گئی تو دیگر احادیث کے متعلق ان کی چھان بین کا اعتبار کیونکر ہوگا۔

حکیم فیض عالم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اب ایک طرف بخاری کی نو سال والی روایت ہے اور دوسری طرف اتنے قوی شواہد و حقائق ہیں اس سے صاف نظر آتا ہے کہ سال والی روایت ایک موضوع قول ہے جسے ہم منسوب الی الصحابۃ کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ (صدیقہ کائنات، ص ۸۰)

حکیم فیض عالم بخاری شریف کے ایک مرکزی راوی جلیل القدر تابعی اور حدیث کے مدونِ اوّل امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابن شہاب منافقین و کذابین کے دانستہ نہ سہی نادانستہ ہی سہی

مستقل ایجنٹ تھے اکثر گمراہ کن خبیث اور مکذوبہ روایتیں انہیں کی طرف منسوب ہیں۔ (صدیقۂ کائنات، ص ۱۰۷)

مزید لکھتے ہیں:

ابن شہاب کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے بھی بلا واسطہ روایت کرتا تھا جو اس کی ولادت سے پہلے مر چکے تھے، مشہور شیعہ مؤلف شیخ عباس قمی کہتا ہے کہ ابن شہاب پہلے سنا تھا پھر شیعہ ہو گیا (تتمۃ المنتہی، ص ۱۲۸۷) عین الغزال فی اسماء الرجال میں بھی ابن شہاب کو شیعہ ہی کہا گیا ہے۔ (صدیقۂ کائنات، ص ۱۰۸)

علامہ وحید الزماں صاحب اور حکیم فیض عالم کی امام بخاری رحمہ اللہ اور ابن شہاب زہری رحمہ اللہ پر اس شدید جرح کے بعد غیر مقلدین کو بخاری شریف پر سے اٹھالینا چاہئے اور بخاری شریف کی ان سینکڑوں احادیث سے ہاتھ دھو لینا چاہئے جن کی سند میں ابن شہاب رحمہ اللہ موجود ہیں بالخصوص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رفع یدین والی حدیث اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی قرأت فاتحہ والی حدیث سے تو بالکل دستبردار ہو جانا چاہئے کیونکہ ان احادیث کی سند میں یہی ابن شہاب رحمہ اللہ موجود ہیں، دیکھئے غیر مقلدین کیا فیصلہ فرماتے ہیں؟

بخاری شریف کی طرف احادیث کا غلط انتساب

غیر مقلدین حضرات بخاری شریف کے معاملہ میں اس قدر غیر محتاط واقع ہوئے ہیں کہ بے دھڑک احادیث مبارکہ بخاری کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ وہ احادیث یا تو سرے سے بخاری میں نہیں ہوتیں یا اُن الفاظ کے ساتھ نہیں ہوتیں، دو چار حوالے اس سلسلہ کے نظر قارئین کئے جاتے ہیں:

۱۔ غیر مقلدین کے شیخ مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب نے اپنی کتاب رسول اکرم کی نماز ص ۴۸ میں ایک حدیث درج کی ہے:

عن عبد الله بن عمر قال رأیت النبی ﷺ افتتح التکبیر فی الصلوٰة فرفع یدیه حین یکبر حتی یجعلهما حذو منکبیه و اذا کبر للرکوع فعل مثله و اذا قال سمع الله لمنْ حمده فعل مثله و اذا قال ربنا و لک الحمد فعل مثله و لا یفعل ذالک حین یسجد و لا حین یرفع رأسه من السجود (سنن کبریٰ، ج ۲ ص ۴۸۔ ابوداؤد، ج ۱ ص ۱۶۳۔ صحیح بخاری، ج ۱ ص ۱۰۲ الخ)

ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بخاری شریف میں نہیں ہے، شاید غیر مقلدین کہیں کہ الفاظ کے ساتھ نہ سہی معناً سہی تو ان کی یہ بات بھی غلط ہے یہ معناً بھی بخاری میں نہیں ہے اس لئے کہ اس حدیث میں چار جگہ رفع یدین ثابت ہو رہا ہے (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت، (۲) رکوع میں جاتے وقت، (۳) سمع اللہ لمن حمدہ کہتے وقت، (۴) اور ربنا لک الحمد کہتے وقت جب کہ بخاری میں صرف تین جگہ رفع یدین کا ذکر ہے۔

۲۔ غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل مفتی ابوالبرکات احمد صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

صحیح بخاری میں آنحضرت کی حدیث ہے کہ تین رکعت کے ساتھ وتر نہ پڑھو، مغرب کے ساتھ مشابہت ہوگی۔ (فتاویٰ برکاتیہ، ص ۴۲)

یہ حدیث بخاری تو دور رہی پوری صحاح ستہ میں نہیں، **من ادعی فعلیه البیان**

۳۔ حکیم صادق سیالکوٹی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حالانکہ حضور نے یہ صاف صاف فرمایا ہے: افضل الاعمال الصلوٰۃ فی اول وقتہا (بخاری) افضل عمل نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ہے۔ (سبیل الرسول، ص ۶۴۴)

ان الفاظ اور معنی کے ساتھ یہ حدیث پوری بخاری میں کہیں نہیں ہے۔

۴۔ حکیم صادق صاحب نے ایک حدیث ان الفاظ کے ساتھ درج کی ہے:

عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ و ابى بكر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة (صحیح بخاری)

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پوری خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو برس میں (بیکبارگی) تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں۔ (سبیل الرسول ص ۲۶۸)

ان الفاظ و معنی کے ساتھ اس حدیث کا پوری بخاری شریف میں کہیں نام و نشان نہیں ہے۔

۵۔ حکیم صادق سیالکوٹی صاحب ''صلوٰۃ الرسول'' ص ۲۱۸ میں ''رکوع کی دعائیں'' کے تحت چوتھی دعا یہ درج کی ہے:

سبحان ذى الجبروت و الملكوت و الكبرياء و العظمة

اور حوالہ مسلم و بخاری کا دیا ہے حالانکہ یہ حدیث نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں۔

۶۔ حکیم صاحب نے صلوٰۃ الرسول، ص ۱۵۳ پر ''اذان پر جفت کلمات'' کا عنوان دے کر اذان کے کلمات ذکر کئے ہیں اور حوالہ بخاری و مسلم کا دیا ہے حالانکہ اذان کے یہ کلمات نہ بخاری میں ہیں نہ مسلم میں۔

۷۔ حکیم صاحب نے صلوٰۃ الرسول ص ۱۵۴ پر ''تکبیر کے طاق کلمات'' کے عنوان کے تحت تکبیر کے الفاظ درج کئے ہیں اور حوالہ بخاری و مسلم کا دیا ہے حالانکہ تکبیر کے یہ الفاظ نہ بخاری میں ہیں نہ مسلم میں۔

۸۔ حکیم صاحب صلوٰۃ الرسول ص ۱۵۶ پر ''اذان کا طریقہ اور مسائل'' کی جلی سرخی قائم کر کے اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

حی علی الصلوٰۃ کہتے وقت دائیں طرف مڑیں اور حی علی الفلاح کہتے وقت بائیں طرف مڑیں، ولا یستدر اور گھومیں نہیں یعنی دائیں اور بائیں طرف گردن موڑیں گھوم نہیں جانا چاہئے۔ (بخاری و مسلم)

حکیم صاحب نے اس مسئلے کے لئے بخاری و مسلم کا حوالہ دیا ہے حالانکہ یہ نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں۔

بخاری شریف کے غلط حوالے

غیر مقلدین حضرات جب کوئی عمل اختیار کرتے ہیں تو چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو اسے ثابت کرنے کے لئے غلط بیانی سے بھی گریز نہیں کرتے بلا جھجک بخاری کے غلط حوالے دے دیتے ہیں حالانکہ بخاری میں ان کوئی وجود نہیں ہوتا، دو چار حوالے سے اس سلسلہ کے بھی نذر قارئین کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> سینہ پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری و مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ، ج ا ص ۴۴۳)

مولانا کی یہ بات بالکل غلط ہے، بخاری و مسلم میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات تو درکنار ایک روایت بھی موجود نہیں۔

۲۔ فتاویٰ علماء حدیث میں ایک سوال کے جواب تحریر فرماتے ہیں:

> ''جواب صریح حدیث سے صراحتاً ہاتھ اٹھا کر یا باندھ کر قنوت پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا، دعا ہونے کی حیثیت سے ہاتھ اٹھا کر پڑھنا اولیٰ ہے، رکوع کے بعد قنوت پڑھنا مستحب ہے، بخاری شریف میں رکوع کے بعد ہے الخ۔ (فتاویٰ علماء حدیث، ج ۳ ص ۲۰۶)

غیر مقلد مفتی صاحب کا یہ جواب بالکل غلط ہے، بخاری شریف پڑھ جایئے، پوری بخاری میں قنوت وتر رکوع کے بعد کہیں ذکر نہیں ملے گا بلکہ اس کا اُلٹ یعنی رکوع میں جانے سے پہلے قنوت پڑھنے کا ذکر متعدد مقامات پر ملے گا۔

۳۔ مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

> اگر سر پر پگڑی یا ٹوپی ہے تو اس کے اوپر مسح ہوسکتا ہے موزوں

اور جرابوں پر بھی مسح ہوسکتا ہے امام بخاری نے بخاری شریف میں باب باندھا ہے "**المسح علی الجوربین**" جرابوں پر مسح کرنا۔ (خطبات شہید اسلام، ج ا ص ۲۳۴)

یزدانی صاحب کی یہ بات نہایت غلط ہے پوری بخاری شریف پڑھ لیں کہیں آپ کو باب المسح علی الجوربین نہیں ملے گا، مولوی صاحب نے بخاری شریف میں خود ساختہ باب کا اضافہ فرمایا ہے ورنہ بخاری شریف میں یہ باب نہیں ہے۔

نواں باب

شروح صحیح بخاری

***

صحیح بخاری کی شروحات کا ایک مختصر آئینہ

صحیح بخاری کے جلیل القدر اور بلند پایہ کتاب ہونے کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک علمائے اسلام بلا امتیازِ مسلکِ فقہی اس کو لائقِ اعتنا قرار دیتے رہے۔ کسی نے اس کی شرح لکھی، کسی نے صرف اس کے رجال پر توجہ کی، بعض نے اس کے فقہِ تراجم ابواب کے دقائق کی چھان بین کی، کسی نے اس کی تجرید کی، کسی نے اختصار، بعض اہلِ علم نے اس کے تعلیقات کو ضروری سمجھا، بعض اہلِ علم نے الفاظ غریب مشکلہ کے لغات لکھے، کسی نے نحوی مسائل کے شواہد جمع کیے، بعض اساتذۂ فن نے اس کی شروط صحت پر بحث کی، کئی اصحابِ قلم نے حواشی و تعلیقات لکھے، کسی نے مستدرک لکھی۔ شروح میں بھی کسی نے مبسوط لکھی، کسی نے مختصر، کسی نے متوسط اور ہر ایک کے مقاصد اور عنوان الگ الگ بیان کیے۔ صحیح بخاری کی شروح یا اس کے متعلق جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا استقصا کرنا بڑا دشوار اور محنت طلب کام ہے۔ مختلف کتب اور فہارس کی ورق گردانی کے بعد جس قدر شروح و حواشی کا علم ہوسکا ہے وہ ضبطِ تحریر میں آگئی ہیں، لیکن انتہائی کوشش کے باوجود بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تمام شروح و حواشی کا استیعاب کرلیا گیا ہے، کیونکہ ابھی بہت سے کتب خانے ایسے ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں اور جن کی فہرستیں بھی تیار نہیں ہوئیں۔ بہر حال یہاں پہلے عربی شروح کا ذکر کیا جائے گا، پھر حواشی، مختصرات اور تراجم و علل کا اور سب سے آخر میں فارسی اور اُردو شروح کا ذکر ہوگا۔

ا۔ اِعْلَامُ السُّنَنْ

یہ کتاب امام ابوسلیمان حمد بن محمد البُستی المعروف بالخطابی نے لکھی، لیکن لوگوں میں حمد کی بجائے احمد ان کا نام مشہور ہوگیا۔ (تاریخ الادب العربی، ج ۳، ص ۲۱۳)

امام خطابی ۳۱۹ھ (۹۳۱ء) میں پیدا ہوئے۔ یہ بڑے بلند و پایہ محدث اور شاعر تھے۔ انہوں نے علم حدیث کے مختلف فنون پر تالیفات چھوڑی ہیں۔ ۱۶ / ربیع

الاوّل ۳۸۶ھ (۹۹۶ء) کو وفات پائی۔ (ایضاً)

حاجی خلیفہ نے سنِ وفات ۳۸۸ھ (۹۹۸ء) لکھا ہے۔ ان کی تصنیفات میں معالم السنن شرح سنن ابی داؤد، غریب الحدیث، علم الحدیث خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ (ایضاً، نیز دیکھئے بستان المحدثین، ص ۲۰۸)

اعلام السنن صحیح بخاری کی نہایت عمدہ شرح ہے۔ ابتداء الحمد للہ المنعم سے کی گئی ہے۔ مصنف نے اپنی مشہور کتاب معالم السنن شرح سنن ابی داؤد سے فرصت پا کر بلخ میں لوگوں کے انتہائی اصرار پر ایک جلد میں یہ کتاب لکھی۔ محمد بن تمیمی نے ان ضروری متروکات کے پورا کرنے کا التزام کیا جو خطابی نہیں کر پائے تھے اور جس قدر اوہام خطابی سے اس شرح میں صادر ہوئے، اس پر بھی انہوں نے بحث کی ہے۔

(کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۴۵)

براکلمن نے ایک جگہ اس کا نام شرح صحیح البخاری لکھا ہے۔ (ایضاً، ج ۳، ص ۲۱۳)
اور دوسری جگہ اِعلام المحدّث تحریر کیا ہے۔ (ایضاً، ج ۳، ص ۱۶۷)

۲۔ شرح المهلّب

یہ شرح مہلّب بن ابی صفرہ الازدی (متوفی ۳۴۵ھ) نے لکھی۔ شرح کے علاوہ مہلّب نے صحیح بخاری کی تجرید بھی کی ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۴۵)

یہ مہلّب اموی سپہ سالار مہلّب بن ابی صفرہ متوفی ۸۲ھ کے علاوہ ہے۔

۳۔ شرح ابن بطّال

اس شرح کے مصنف امام ابوالحسن علی بن خلف ابن بطّال ہیں جو ۴۴۹ھ (۱۰۵۷ء) میں فوت ہوئے۔ اس شرح کے اکثر حصّے میں مذہب مالکیہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ گویا مؤلف نے اصل موضوع (شرح) سے الگ ہو کر اس شرح کو مالکی مذہب کا گنجینہ بنا دیا ہے۔ (ایضاً، ج ۲، ص ۵۴۶)

ابن فرحون نے شرح صحیح البخاری ابوالحسن بن خلف بن بطّال المالکی درج کیا

ہے۔ (الدیباج المذہب :ص ۵۴)

براکلمن نے اپنی کتاب تاریخ الادب العربی میں ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک المعروف بابن بطّال لکھا ہے۔

نسخے

اس کے قلمی نسخے قاہرہ، مدینہ اور بریل میں موجود ہیں۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۶۷)

۴۔مختصر شرح المہلّب

یہ ابوعبیداللہ محمد بن خلف ابن المرابط الاندلسی الصدفی (متوفی ۴۸۵ھ) تلمیذ مہلّب نے لکھی۔ اسی شرح مہلّب کو مختصر کرکے اس پر بہت سے فوائد کا اضافہ کیا ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۴۵)

۵۔شرح صحیح البخاری

ابوالقاسم اسماعیل بن محمد الاصفہانی الحافظ (متوفی ۵۳۵ھ) اس کے مصنف ہیں۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۴)

۶۔کتاب النجاح فی شرح کتاب اخبار الصحاح

امام نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد نسفی الحنفی (وفات ۵۳۷ھ) کی تصنیف ہے۔ اس شرح کے آغاز میں مصنف نے اپنا سلسلۂ سند امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک پچاس طریقوں سے بیان کیا ہے۔ (ایضا، ج ۲، ص ۵۵۳)

صاحبِ کشف الظنون نے اس کے بارے میں اور کچھ نہیں لکھا۔

۷۔شرح صحیح البخاری

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی الحافظ (وفات ۵۴۳ھ) اس کے مصنف ہیں۔ (ایضا)

۸۔شرح صحیح البخاری

امام رضی الدین حسن ابن محمد الصغانی الحنفی صاحبِ مشارق الانوار (متوفی ۶۵۰ھ) اس کے شارح ہیں۔ یہ مختصر شرح صرف ایک جلد میں ہے۔(ایضاً)

۹۔شرح صحیح البخاری للنووی

علامہ امام محی الدین یحییٰ بن شرف الشافعی (متوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) اس کتاب کے مصنف ہیں۔ اس شرح کا ذکر علامہ موصوف نے مسلم کی شرح کے مقدمے میں کیا ہے۔ افسوس یہ شرح مکمل نہ ہوسکی، صرف کتاب الایمان تک پہنچی۔ مصنف نے اس کے بارے میں لکھا ہے۔

انه جمع فیه جملا مشتملة علی نفائس من انواع العلوم. (کشف الظنون: ج۲،ص۵۵۰)

یہ شرح گونا گوں علوم کی بہت ہی نفیس باتوں کے مجموعے پر مشتمل ہے۔

۱۰۔بَهْجَةُ النّفُوس و غايَتُها

عبداللہ بن سعید بن ابی جمرۃ الازدی الاندلسی (وفات ۶۹۹ھ) نے صحیح بخاری کا ایک اختصار **النهاية فی بدع الخير و الغاية** کے نام سے کیا۔اس کا تحشیہ علامہ محمد شنوائی (متوفی ۱۲۳۳ھ) نے لکھا اور یہ مختصر مع حاشیہ شنوائی ۱۳۰۵ھ کو قاہرہ میں طبع ہوئی۔ پھر مؤلف موصوف نے اس اختصار کی خود ہی ایک شرح **بهجة النفوس و غايتها** کے نام سے لکھی۔(کشف الظنون: ج۲،ص۵۵۱)

اس کے ابتدا کے الفاظ یہ ہیں: **الحمدلله الذی فتق رتق ظلمات جهالات القلوب**۔خود صاحب الاختصار نے یہ شرح بھی لکھی۔ کتب خانہ ولی الدین بایزید جامع شریفی واقع قسطنطنیہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

یہ کتاب ابوعبداللہ (بن سعد) بن ابی جمرہ کی تصنیف ہے (بستان المحدثین میں اس

کاسنِ وفات ۶۹۵ھ درج ہے) اس میں تقریباً سو حدیثوں کو بخاری سے انتخاب کر کے ان کی شرح دو جلدوں میں کی ہے اور بہت سے دقیق علوم و معارف اس میں درج کیے ہیں۔ وہ اپنے وقت کے عارفین اور اکابر اولیاء میں سے تھے۔ (بستان المحدثین: ص ۲۰۶۔۲۰۷)

براکلمن نے مختصر کا نام **جمع النهاية فی بعض الخير و الغاية** لکھا ہے۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۷۵)

اور مؤلف کی ولدیت سعد کی بجائے سعید (عبداللہ بن سعید) رقم کی ہے۔ حاجی خلیفہ نے الاندلسی کی نسبت بھی درج کی ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۱)

براکلمن نے شرح کا نام **لهجة النفوس و تحليها و معرفة ماعليها ومالها** تحریر کیا ہے۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۷۵)

حاجی خلیفہ نے اس شرح کا پورا نام **بهجة النفوس و غايتها بمعرفة مالها وما عليها** درج کیا ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۱)

براکلمن نے شارح کا سن وفات ۶۹۹ھ (۱۳۰۰ء) لکھا ہے۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۷۵)

حاجی خلیفہ نے احادیث کی تعداد تقریباً تین سو درج کی ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۱)

النہایة کئی مرتبہ قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔

اس کے قلمی نسخے الجزائر، رام پور، برٹش میوزم، قاہرہ، رباط، آصفیہ، پٹنہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ (ایضاً)

عبداللہ بن سعید الازدی کی النہایة کی ایک شرح التعلیق الفخری کے نام سے محمد عباس علی خان نے کی ہے جس کا ایک نسخہ قاہرہ میں موجود ہے۔

۱۱۔شرح صحيح البخاری للحلبی

اس کے شارح قطب الدین عبدالکریم ابن عبدالنور یا ابن عبدالغفور ابن منیر الحلبی الحنفی (وفات ۷۳۵ھ۔۱۳۳۴ء) ہیں۔

یہ شرح دس جلدوں میں صرف نصف کتاب تک پہنچی ہے۔ علامہ حلبی نے ایک طویل شرح لکھنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن اس کے مقاصد کا حال معلوم نہ ہوسکا۔

(کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۴۶)

اس کا قلمی نسخہ برلن میں ہے، جس کا نمبر ۱۱۹۳ ہے۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۶۸)

۱۲۔ شرح صحیح البخاری

حافظ عماد الدین اسماعیل ابن عمر ابن کثیر الدمشقی (المتوفی ۷۷۴ھ) کی تصنیف ہے، جو صحیح بخاری کے صرف ایک جز کی شرح ہے، اختتام کو نہ پہنچ سکی۔

(کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۰)

۱۳۔ ارشاد السامع و القاری المنتقیٰ من صحیح البخاری ومن الکتب المصنفة علی صحیح البخاری

اس کے شارح علامہ بدرالدین حسن ابن عمر بن حبیب الحلبی (المتوفی ۷۷۹ھ) ہیں۔ گو اس کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا تاہم نام سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں صحیح بخاری کی احادیث کو مختلف شروحِ بخاری سے حل کیا گیا ہے۔ (ایضاً، ج ۲، ص ۵۵۴)

۱۴۔ شرح صحیح البخاری

علامہ رکن الدین احمد ابن محمد بن المومن القریمی (المتوفی ۷۸۳ھ) کی شرح ہے۔ یہ وہی شرح ہے جس کا ذکر شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے عینی کی شرح بخاری کی تفصیل کے جواب میں کیا ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۴۹)

۱۵۔ الکواکب الدراری

اس کے شارح علامہ شمس الدین محمد ابن یوسف بن علی الکرمانی ہیں، جنہوں نے ۷۸۶ھ (۱۳۸۴ء) میں وفات پائی۔

یہ ایک مشہور اور متوسط شرح جامع فوائد و زوائد اور اہلِ علم کے لیے انتہائی

مفید ہے۔ اس کا آغاز الحمدللہ الذی النعم علینا بجلائل النعم و دقائقھا الخ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ اس شرح کے ابتدا میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ علمِ حدیث سب علوم سے افضل اور صحیح بخاری علم حدیث کی کتابوں میں سب سے اعلیٰ اور تعدیل و ضبط کے اعتبار سے سب کتابوں پر فائق ہے۔ لائق مصنف نے اعراب نحویہ، الفاظ مشکلہ غریبیہ کو نہایت عمدہ اسلوب سے حل کیا ہے۔ روایات، اسماء الرجال، القاب رواۃ کو بھی ضبط کیا ہے۔ احادیث سے تعارض کو رفع کیا ہے۔ انہوں نے ۷۷۵ھ میں مکہ معظّمہ میں اس کی تالیف سے فراغت پائی، لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس کی نقل میں بہت سے اوہام واغلاط واقع ہوئے ہیں۔ (الدرر الکامنہ: ج ۴،ص ۳۱۱)

یہ مفید کتاب مصر میں طبع ہوچکی ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲،ص ۵۴۶)

مؤلف موصوف کو طواف سے فارغ ہونے کے بعد مطاف شریف میں اس کا نام رکھنے کا ذہن میں آیا تھا۔ فاضل مؤلف کا اسمِ گرامی محمد بن یوسف بن علی بن عبدالکریم کرمانی اور لقب شمس الدین ہے۔ آخر عمر میں انہوں نے بغداد کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ ۱۶ ر جمادی الآخریٰ ۷۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ پہلے اپنے والدِ بزرگوار سے علم حاصل کیا۔ پھر قاضی عضدالدین یحییٰ سے استفادہ کیا۔ بارہ سال کی مدت دراز تک ان کی صحبت میں رہے۔ اس کے بعد مختلف شہروں کی سیاحت شروع کی۔ علمائے مصر و شام اور حجاز و عراق سے مستفید ہوئے۔ بعد ازاں بغداد میں اقامت اختیار کی۔ تیس سال تک وہاں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ دُنیاداروں سے میل جول سے بہت گریز کرتے تھے۔ علمی مشغلے پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ حُسنِ خلق اور تواضع میں یکتائے روزگار تھے۔ ایک دفعہ کوٹھے پر سے گر گئے تھے اور ایک پاؤں بیکار ہوگیا تھا، اس لیے لاٹھی کے سہارے کے بغیر نہیں چل سکتے تھے۔ آخر عمر میں حج کا قصد کیا۔ حج سے فارغ ہوکر بغداد کی طرف (جس کو اپنا مسکن بنالیا تھا) مراجعت فرمائی۔ اثنائے راہ میں ۱۶ ر محرم ۷۸۶ھ کو بمقام روض وفات پائی۔ وہاں سے ان کی نعش بغداد پہنچائی گئی۔ اپنے زمانۂ حیات ہی میں اپنے لیے حضرت شیخ ابواسحاق رحمۃ اللہ

علیہ شیرازی کے مزار کے جوار میں اپنی قبر بنالی تھی اور وہیں دفن کیے گئے تھے۔
(بستان المحدثین :ص ۱۹۲)

اس کے قلمی نسخے برلن، گوتا، بودلیانا، گیرٹ، اسکاریال، الجزائز، آیا صوفیا، پٹنہ، لیبزگ، پٹیرز برگ، داماد زادہ، سلیمانیہ قیلیج علی، مکتبہ جامع الزیتونیہ، موصل، حلب، پشاور، آصفیہ میں موجود ہیں۔ (براکلمن: ج ۳،ص ۱۶۸)

۱۶۔التلویح شرح الجامع الصحیح

اس کتاب کے مصنف امام الحافظ علاؤ الدین مغلطائی بن قلیج الترکی ہیں۔ ۶۹۰ھ کے قریب پیدا ہوئے اور ۷۹۲ھ میں وفات پائی۔

یہ نہایت طویل شرح ہے۔ اس کے شروع کے الفاظ یہ ہیں۔ **الحمدلله الذی ایقظ من خلقه الخ**۔ (کشف الظنون: ج ۲،ص ۵۴۶)

۱۷۔مختصر شرح مغلطائی

جلال الدین رسولا بن احمد البتانی (المتوفی ۷۹۳ھ) نے علاء الدین مغلطائی کی شرح کو مختصر کیا ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲،ص ۵۴۶)

البتانی کی نسبت البتائنۃ کی طرف ہے جو قاہرہ کے باہر ایک مقام تھا، جہاں جلال الدین موصوف نے ۷۵۰ھ سے قبل سکونت اختیار کی تھی۔ حدیث سے بڑی محبت رکھتے تھے، بڑے اچھے عقیدے کے مالک تھے، اہلِ بدعت سے انہیں بڑی نفرت تھی۔ کئی مرتبہ انہیں عہدہ قضا پیش کیا گیا، لیکن ہر بار یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کردیا۔ (البدر الطالع: ج ۱،ص ۱۸۶)

۱۸۔التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح

علامہ بدرالدین (۷۴۵ھ۔۱۳۴۴ء) میں پیدا ہوئے۔ (شذرات الذہب: ج ۷،ص ۱۸۱)

حافظ علاؤ الدین مغلطائی کے شاگردوں میں سے تھے۔ جلال الدین السنواری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فنِ حدیث میں استفادہ کیا۔ حدیث وفقہ کا شرفِ سماع حافظ ابن

کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور ازرئی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حاصل تھا۔ صاحبِ تصانیف بزرگ تھے، بالخصوص فقہ شافعی اور علوم قرآن کی بڑی خدمت کی۔ ان کی تصانیف میں تخریج احادیث الدافعی ہے جو پانچ جلدوں میں ہے۔ الخادم الدافعی بیس جلدوں میں ہے اور بخاری کی ایک دوسری شرح بھی ہے جو بہت طویل ہے، جس کی شرح ابن ملقن سے تلخیص کی ہے اور بہت سے دیگر مسائل کا اس میں اضافہ کیا ہے۔ دو جلدوں میں جمع الجوامع کی شرح لکھی۔ منہاج کی شرح دس جلدوں میں اور اس کی مختصر کی شرح دو جلدوں میں تالیف کی۔ اصول فقہ میں تجرید بھی ان کی تالیف ہے جو تین جلدوں میں ہے اور متوسط درجے کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ انہوں نے قاہرہ میں ۳ ر رجب ۷۹۴ھ (۱۳۹۲ء) میں وفات پائی۔ (بستان المحدثین: ص ۱۹۸، نیز دیکھئے شذرات الذہب: ج ۷، ص ۱۸۱)

اس کے قلمی نسخے بادلیں، برٹش میوزیم، لیبزگ، آیا صوفیا، اسکندریہ، پٹنہ، مکتبہ القرویین فاس، مکتبہ جامع زیتونیہ، مکتبہ الرباط اسکوریال، حلب اور پشاور میں موجود ہیں۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۶۸)

۱۹۔ شواھد التوضیح

سراج الدین عمر بن الملقن شافعی (متوفی ۸۰۴ھ) کی تصنیف ہے جو بیس جلدوں میں پھیلی ہوئی صحیح بخاری کی ایک ضخیم شرح ہے۔ (البدر الطالع: ج ۱، ص ۵۰۸)

اولہ ربنا اتنا من لدنک رحمۃ الخ ہے۔ مصنف نے نہایت اہم مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں یہ بیان کیا ہے کہ ہر حدیث کے مقاصد دس اقسام میں منحصر ہیں۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شرح میں ابن ملقن کا اعتماد زیادہ تر اپنے شیخ مغلطائی کی شرح التلویح پر ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۴۷)

آپ کی تاریخ ولادت ربیع الاوّل ۷۲۳ھ لکھی ہے اور انہوں نے ''الاندلسی، التکروری، المصری'' کی نسبتیں بھی درج کی ہیں۔ (البدر الطالع: ج ۱، ص ۵۰۸)

براکلمن نے تاریخ وفات ۸۰۵ھ تحریر کی ہے، لیکن شوکانی اور حاجی خلیفہ

صاحبِ کشف الظنون نے ۸۰۴ھ ہی لکھی ہے۔ نیز براکلمن نے کتاب کا پورا نام التوضیح بشرح الجامع الصحیح لکھا ہے۔ اس کے قلمی نسخے برلن، حلب، آصفیہ، برٹش میوزیم میں موجود ہیں۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۶۹)

۲۰۔الفیض الجاری

علامہ سراج الدین عمر بن رسلان البُلقینی قاہری شافعی (متوفی ۸۰۵ھ) الفیض الجاری کے مصنف ہیں۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۰)

ان کی ولادت ۷۲۴ھ میں ہوئی۔ (البدر الطالع: ج ۱، ص ۵۰۶)

۲۱۔شرح صحیح البخاری

یہ قاضی مجد الدین اسماعیل ابن ابراہیم البلبی (وفات ۸۱۰ھ) کی تالیف ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۳)

۲۲۔ منحُ الباری

یہ شرح علامہ مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیر وز آبادی الشیرازی صاحبِ القاموس (متوفی ۸۱۷ھ) نے لکھی۔ (قاموس: لغت کی کتاب ہے)

صرف ربع عبادات تک یہ شرح بیس جلدوں میں پہنچی۔ علامہ موصوف نے اس کے اختتام کا اندازہ چالیس جلدوں میں کیا تھا۔

شوکانی نے اس شرح کا نام فتح الباری فی شرح صحیح البخاری لکھا ہے۔
(البدر الطالع: ج ۲، ص ۲۸۲)

مجد الدین فیروز آبادی بڑے جید عالم، ماہر لغت اور صاحبِ تصانیف کثیرہ و مفیدہ تھے۔ تفسیر و حدیث، لغت، تراجم و طبقات پر نادر کتابوں کے مصنف اور ابنِ حجر، مقریزی اور برہان الحلبی جیسے کبار ائمہ حدیث کے اُستاد تھے۔ (ایضاً، ج ۲، ص ۲۸۰۔۲۸۴)

۲۳۔الافہام لما فی صحیح البخاری من الابہام

اس کے شارح ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمٰن بن عمر البُلقینی ہیں، جنہوں

نے ۸۲۴ھ (۱۴۲۱ء) میں وفات پائی۔ اس کا قلمی نسخہ آیا صوفیاء میں موجود ہے، جس کا نمبر ۴۷۹ ہے۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۶۹، نیز دیکھئے شذرات الذہب، ج ۷، ص ۱۶۶)

۲۴۔مصابیح الجامع الصحیح

علامہ بدرالدین محمد بن ابی بکر الدّ مامینی (۸۲۸ھ) کے شارح ہیں۔ یہ کتاب ۸۲۸ھ میں بروز شنبہ بوقت ظہر بمقام زبید یمن میں اختتام کو پہنچی۔

(کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۴۹)

کتب خانہ نور عثمانیہ جامع شریفی واقع قسطنطنیہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

علامہ بدرالدین کی ولادت ۷۶۳ھ میں ہوئی، ابتدا ہی سے تحصیل علم میں مشغول رہے اور اس میں تمام زندگی صرف کر دی۔ ذہن کی تیزی، ادراک اور قوتِ حافظہ میں اپنے ہم عصروں میں یکتا تھے۔ خصوصاً علم ادبیہ، نحو اور نظم ونثر میں سب پر برتری حاصل تھی۔ فقہیات، علم شروط اور سجلات میں بھی اصحاب فن کے ساتھ مشارکتِ تامہ رکھتے تھے۔ جامع ازہر میں عرصے تک طلبا کو علمِ نحو پڑھاتے رہے۔ پھر اسکندریہ لوٹ آئے۔ تجارت پیشہ تھے اور رُوئی اور سوت کا کارخانہ تھا۔ آخر میں زندگی نہایت خوش حالی سے گزرنے لگی، یہاں تک کہ ماہ شعبان ۸۲۸ھ میں انتقال کر گئے۔ ان کی موت ناگہانی واقع ہوئی تھی، اس لیے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ کسی نے ان کو زہر دے دیا ہے واللہ اعلم۔ علم حدیث میں ان کی صرف یہی شرح ہے، مگر علم ادب میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن کا ذکر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں کیا گیا ہے۔ (بستان المحدثین: ص ۲۰۰)

اس کے قلمی نسخے نور عثمانیہ، بریل، ہوتسما، سلیم آغا، مکتنہ جامع الذیتونیہ اور موصل میں موجود ہیں۔ (ایضاً، ج ۳، ص ۱۶۹)

۲۵۔اللامِعُ الصّبیح بشرح الجامع الصحیح

علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن عبدالدائم موسیٰ البرماوی (المتوفی

۸۳۱ھ۔۱۴۲۸ء) اس کے مصنف ہیں۔اوّلہٗ الحمدلله المرشد الی الجامع۔ خود مؤلف نے لکھا ہے کہ میری یہ شرح زرکشی کی شرح اور کرمانی کی شرح سے ماخوذ ہے۔اس میں ایضاحات وتنبیہات اور فوائد کا اضافہ ہے۔ بڑی عمدہ شرح ہے اور چار جلدوں میں ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲،ص ۵۴۷)

شوکانی نے ان کی تدریسی اور تصنیفی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو فقہ، اصولِ فقہ اور عربیت کا امام قرار دیا ہے۔ (البدر الطالع: ج ۲،ص ۱۸۱)

شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن عبدالدائم بن موسیٰ بن عبدالدائم بن عبداللہ نُعَیمی۔ نُعَیم کی طرف بصیغۂ تصغیر منسوب ہیں۔ اصل کے اعتبار سے عسقلانی اور سکونت کے لحاظ سے برماوی مصری ہیں۔شافعی المذہب تھے۔ ۱۵؍ذیقعدہ ۷۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ علمی مشاغل میں نشوونما پائی، علم حدیث برہان بن جماعہ، تاج الدین بن الفصیح، برہان الدین شامی، ابن الشیخہ، سراج الدین بلقینی، زین الدین عراقی اور اس فن کے دوسرے بزرگوں سے حاصل کیا۔ فقہ، اصولِ فقہ اور علوم عربیہ میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ آخر میں بدرالدین زرکشی کی صحبت اختیار کی اور ان کے شاگردانِ رشید کی جماعت میں داخل ہوئے۔ اپنے زمانے کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے اور بہت لکھنے والے تھے۔ اکثر نسخوں کے حواشی اور تعلیقات بھی لکھے۔ فتویٰ نویسی اور خوش خطی میں ممتاز تھے۔ ان کمالات کے ساتھ ساتھ خوش کلام، نیک صورت، باوقار اور کم گفتار تھے۔ زندگی سادہ بسر کرتے تھے۔ محبوبیت اور مقبولیت کا حصہ بھی خدا نے ان کو عنایت فرمایا تھا۔ ان کی تصنیفات میں سے ایک تو بخاری کی یہ شرح ہے جو کرمانی اور زرکشی کا منتخب ہے۔ چند فوائد مقدمہ شرح ابن حجر سے لے کر بھی اس میں درج کیے ہیں۔ اصول فقہ میں ان کی کتاب الفیہ ہے، جو نہایت عمدہ اور بہت سی خوبیوں کی حامل ہے۔ اس کے علاوہ کئی اور کتابیں ہیں، لیکن افسوس ان کے انتقال کے بعد ان کی کتابیں متفرق اور منتشر ہوگئیں۔ ۲؍ماہِ جمادی الآخریٰ ۸۳۱ھ کو جمعرات کے دن وفات ہوئی۔ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں حضرت شیخ

ابوعبداللہ قبرسی کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔ (بستان المحدثین: ص۲۰۲۔۲۰۳)

اس کے قلمی نسخے برلن، نور عثمانیہ، آیا صوفیا، مکتبہ زیتونیہ، پشاور میں موجود ہیں۔ (براکلمن: ج۳۔ص۱۶۹)

۲۶۔الکوکب الساری فی شرح صحیح البخاری

محمد بن احمد بن موسیٰ الکفیری (المتوفی ۸۳۱ھ۔۱۴۲۸ء) اس کے مصنف ہیں۔قلمی نسخہ برلن میں ہے۔ (ایضاً)

۲۷۔التلقیح لفہم قارئ الصحیح

برہان الدین ابراہیم بن محمد الحلبی المعروف بسبط ابن العجمی اس کے مصنف ہیں۔انہوں نے ۸۴۱ھ میں وفات پائی۔مؤلف کے خط سے یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور کارآمد شرح ہے۔ (کشف الظنون: ج۲۔ص۵۴۷)

شوکانی نے ان کو الطرابلسی، الشامی اور الشافعی لکھا ہے۔تاریخ پیدائش ۷۵۳ھ بتائی ہے نیز ان کو مجتہد فی الحدیث قرار دیا ہے، یہ بھی بتایا ہے کہ حلبی نے صحیح بخاری کو ساٹھ مرتبہ پڑھا اور صحیح مسلم کو تقریباً بیس مرتبہ پڑھا اور صحیح بخاری کی مختصر شرح چار جلدوں میں لکھی۔ (البدر الطالع: ج۱ص۲۸۔۲۹)

امام سخاوی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حلبی ایک امام، علامہ، حافظ، متواضع، متدین، پرہیزگار بزرگ تھے۔حسن اخلاق اور وفورِ عقل میں مشہور تھے۔زہد و ورع، اور صیام و قیام میں مداومت کے ساتھ ساتھ بڑے خوش خلق، ملنسار، حدیث اور اہلِ حدیث سے بڑی محبت رکھتے تھے۔حافظ قرآن، کثیر التلاوت اور مجیب الدعوات تھے۔سیرت النبی ﷺ پر ان کی سیرت حلبیہ مشہور کتاب ہے۔

(البدر الطالع: ج۱ص۲۸۔۲۹، نیز دیکھئے البدر الطالع: ج۲ص۱۲۰)

۲۸۔المَتجر الرّبیح والمسعی الرّجیح

علامہ ابوعبداللہ محمد ابن احمد ابن مرزوق التلمسانی المالکی شارح البردہ (متوفی

۸۴۲ھ) نے یہ کتاب تالیف کی۔ (نسبۃ الی تلمسان بکسر التاء وسکون المیم وسین مہملۃ مدینۃ)

بقول صاحبِ کشف الظنون یہ شرح ناتمام رہی۔ (کشف الظنون: ج۲،ص۵۵۰)

البدرالطالع میں ان کی ایک کتاب کا نام انواع الدراری فی مکررات البخاری ہے۔ (البدرالطالع: ج۲،ص۱۹۸۔۱۹۹)

۲۹۔افتتاح القاری الصحیح البخاری

محمد بن عبداللہ بن محمد الحموی الاصل الدمشقی الشافعی المعروف بابن ناصرالدین۔ پیدائش ۷۷۷ھ میں اور وفات ۸۴۲ھ میں ہوئی۔ صحیح بخاری کے شارح ہیں۔ (ایضاً)

یہ کتاب نایاب ہے۔

۳۰۔نکت

یہ کتاب قاضی محبّ الدین احمد بن نصر اللہ البغدادی الحنبلی (وفات ۸۴۴ھ) کی تصنیف ہے اور علامہ زرکشی کی شرح پر یہ بھی نکت لکھے گئے ہیں۔

(کشف الظنون: ج۲،ص۵۴۹)

۳۱۔شرح صحیح البخاری

شہاب الدین احمد بن رسلان المقدسی الدملی الشافعی (المتوفی ۸۴۴ھ) اس کے مصنف ہیں۔ یہ شرح تین جلدوں میں ہے۔ (کشف الظنون: ج۲،ص۵۵۴)

۳۲۔فتح الباری شرح صحیح البخاری

شیخ الاسلام ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (وفات ۸۵۲ھ۔۱۴۴۸ء) اس کتاب کے مصنف ہیں۔ یہ وہی شرح ہے جس کی نسبت لاھجرۃ بعد الفتح مشہور ہے۔علامہ ابن خلدون نے اپنی مشہور تاریخ کے مقدمے میں فرمایا تھا کہ بخاری کی شرح کا قرض اُمت پر باقی ہے، حالانکہ علامہ موصوف کے عصر تک کتنی شرحیں لکھی

جا چکی تھیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ صحیح بخاری کے وہ نکات جوفن حدیث اور رجال کے متعلق ہیں یا وہ تدقیقاتِ فقہیہ جوتراجم ابواب سے تعلق رکھتے ہیں، ان پر آج تک کسی نے محققانہ بحث نہیں کی ہے۔

اس شرح کے بعد حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ غالبًا امت سے یہ قرض ادا ہوگیا۔صاحبِ کشف الظنون فرماتے ہیں:

وشهرته وانفراده بمايشتمل عليه من الفوائد الحديثية والنكات الادبية والفوائد الفقهيه تغنى عن وصفه.

یعنی کتاب کی شہرت اور علم حدیث کے فوائد، ادبی نکات اور فقہی فوائد کے پیش نظر کتاب کسی قسم کی تعریف اور ستائش سے بے نیاز ہے۔

اپنے اعتبار سے یہ شرح منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ محققین جس وقعت کی نگاہ سے اس کو دیکھتے ہیں اس کے لیے **لاهجرة بعد الفتح** کا جملہ کافی ہے۔ ابتدائے تالیف ۸۱۷ھ سے ہوئی، اس سے پہلے ایک مقدمہ لکھا تھا۔ جب مقدمہ پورا ہوگیا تو شرح کی تالیف اس طرح شروع کی کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا لکھتے، جب ایک معتد بہ حصہ پورا ہو جاتا تو ائمہ محدثین کی ایک جماعت اس کو نقل کر لیتی۔ ہر ہفتے میں ایک روز اس پر مباحثہ اور معارضہ ہوتا اور مقابلہ کیا جاتا۔ علامہ برہان بن خضر پڑھتے اور لوگ اپنے اعتراضات وسوالات مباحثات پیش کرتے۔ حافظ ابن حجر جواب دیتے۔ اس طرح جس قدر شرح لکھی جاتی سب مقابلہ کر کے مہذب اور صاف کر لی جاتی اور پھر اسی وقت اطرافِ عالم میں پھیل جاتی یہاں تک کہ ۸۴۲ھ میں شرح مکمل ہوگئی۔ تکمیل کے بعد مصنف نے اس میں کچھ اضافہ کیا لیکن اختتامِ تالیف مصنف کی عمر کے ساتھ ہوا۔ شرح مکمل ہونے کی خوشی میں عام دعوت کی گئی، جس میں پانچ سو اشرفیاں خرچ کی گئیں۔ یہ کتاب اسی قدر مقبول ہوئی کہ سلاطینِ زمانہ نے اشرفیوں سے تول کر خریدی اور چشم زدن میں تمام ممالکِ اسلامیہ میں پھیل گئی۔ مشہور ہے کہ وكلٌ من جاء

بعده فهو عیاله۔ یعنی جو ان کے بعد آیا انہیں کی تحقیقات کا خوشہ چیں رہا۔

(کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۴۷۔۵۴۸)

اس کے قلمی نسخے برلن، لیسنبرگ، پیرس، ینی، کوبریلی، برٹش میوزیم، بولونیا اسکوریال، مکتبہ جامع الزیتونہ، مکتبہ القرویین بفاس، سلیمانیہ، مکتبہ قلیج، داماد ابراہیم، مشہد، پشاور، آصفیہ، رام پور، باتافیا میں موجود ہیں۔

فتح الباری ۱۳۰۰۔۱۳۰۱ھ میں بولاق میں شائع ہوئی اور اس طرح ۱۳۲۵ھ میں مطبع الخیریہ قاہرہ میں شائع ہوئی۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۶۹)

ابن حجر عسقلانی نے ایک شرح اس سے بھی بڑی لکھنی شروع کی مگر وہ مکمل نہ ہوسکی۔ بقول امام سیوطی ابن حجر نے فتح الباری کا ایک ملخص بھی تیار کیا تھا لیکن وہ بھی ادھورا رہا، امام سیوطی نے اس ملخص کی تین مجلدات دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔

(نظم العقیان: سیوطی، ص ۴۶)

۳۳۔ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے مصنف ہیں۔ یہ وہی مقدمہ ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یہ مقدمہ ایک ضخیم جلد میں ہے اور خود ایک مستقل اور جامع شرح ہے اور اس قدر ضروری ہے کہ اگر کہا جائے کہ اس کے بغیر صحیح بخاری کی حقیقت سے آگاہی غیر ممکن ہے تو غلط نہ ہوگا۔

اس کے قلمی نسخے، برلن، المکتبہ الہندی، برٹش میوزیم، الجزائر، ینی، آیا صوفیا، پٹنہ، اسکوریال، امبروزیانا میں موجود ہیں۔

یہ مقدمہ ۱۳۰۱ھ میں بولاق میں شائع ہوا۔ مکتبۃ الخیریہ قاہرہ میں ۱۳۲۵ھ میں اس کی اشاعت ہوئی۔ براکلمن نے ھدی الساری کی جگہ اس کا نام ھدایۃ الساری لکھا ہے۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۷۰)

۳۴۔الاعلام بمن ذکر فی البخاری من الاعلام

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و معروف کتاب ہے۔
تہذیب الکمال میں جو روات مذکور ہیں ان کے علاوہ اس میں ذکر کیے گئے ہیں۔

۳۵۔ تعلیق التعلیق

یہ بھی شیخ الاسلام حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے لکھی۔ اس کا ایک مختصر حافظ موصوف نے التشویق کے نام سے لکھا اور ایک اور مختصر التوفیق کے نام سے تحریر کیا۔
(نظم العقیان: سیوطی، ص۴۴)

۳۶۔انتقاض الاعتراض

یہ بھی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔
لیکن افسوس یہ کتاب تمام نہ ہونے پائی اور مصنف نے داعی اجل کو لبیک کہا۔
اس کا قلمی نسخہ دمشق عمومیہ میں موجود ہے۔
اس پر ابراہیم بن علی الشافعی النعمانی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام الفرید رکھا۔اس کا نسخہ اسکوریال میں موجود ہے۔(براکلمن: ج۳،ص۱۶۹)
چونکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بہت اونچا ہے اور ان کی شرح بہترین شرح شمار کی جاتی ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حافظ ابن حجر کے حالات زندگی ذرا تفصیل کے ساتھ درج کر دیئے جائیں تا کہ ان کے علمی موقف اور خدمات حدیث ورجال کا ہلکا سا تصور آنکھوں کے سامنے آسکے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب

قاضی القضاۃ، ابوالفضل شہاب الدین احمد ابن حجر العسقلانی ایک مشہور محدث اور شارح صحیح بخاری ہوگزرے ہیں۔حافظ موصوف ابنِ حجر کے نام سے مشہور

ہوئے۔ علامہ سخاوی کا کہنا ہے کہ حافظ موصوف کے آباو اجداد میں سے کسی بزرگ کا لقب ابن حجر تھا۔ (الضوء اللامع: ج ۲، ص ۳۶)

ابن العماد کے قول کے مطابق ابن حجر آلِ حجر کی طرف منسوب ہے۔ آلِ حجر ایک قوم تھی جو بلاد الجرید کے جنوبی حصے میں بستی تھی۔ (شذرات الذہب: ج ۷، ص ۲۷۰)

حافظ ابن حجر کا گھرانہ علم وادب کا گہوارہ تھا، ان کے آباؤ اجداد نے علوم ومعارف میں بڑا نام پیدا کیا اور وہ سبھی علم وفضل میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔

پیدائش اور تعلیم وتربیت

اکثر سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی ۲۲ رشعبان ۷۷۳ھ کو پیدا ہوئے۔ ابن حجر کی عمر بمشکل چار برس کی تھی کہ ان کے والد ماجد نے اس دار فانی کو خیر باد کہا۔ (لحظ الالحاظ: ص ۳۲۶)

والد کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کے بعد ابن حجر کی کفالت وتربیت مرحوم کے نامزد کردہ وصی شیخ زکی الخروبی نے کی۔ پانچ برس کی عمر میں ابن حجر کو مدرسے بھیجا گیا۔ (نظم العقیان: ص ۴۵)

قدرت نے ذہانت اور ذکاوت کی بخشش میں بڑی فراخدلی اور فیاضی سے کام لیا تھا، قوت حافظہ کی کرشمہ سازیاں کچھ کم تعجب انگیز نہ تھیں۔ سورۂ مریم ایک دن میں یاد کر لی۔ (لحظ الالحاظ: ص ۳۲۶)

نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ (الضوء اللامع: ج ۲، ص ۳۶)

حُسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ ابنِ حجر اپنے کفیل شیخ زکی الخروبی کے ساتھ ۷۸۴ھ میں مکہ مکرمہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر بھی ارض مقدس میں قیام رہا اور رمضان شریف میں وہیں قرآن مجید محراب سنایا۔ (ایضا)

خوش نصیبی اور سعادت مندی نے ایسا ساتھ دیا کہ ۷۸۵ھ بھی مکہ معظمہ میں گزرا اور العفیف النشاوریؒ سے صحیح بخاری سننے کا اتفاق ہوا۔ (لحظ الالحاظ: ص ۳۲۶)

اساتذہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ

حافظ ابن حجرؒ کے اساتذہ اور شیوخ کی فہرست خاصی طویل ہے اور ان کے اساتذہ میں ایسے متبحر اور ماہرین علوم وفنون نظر آتے ہیں جن کی مثال تلاش کرنا آسان نہیں۔ ابن حجر کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش بختی ہوسکتی تھی کہ انہیں ایسے اساتذہ سے تحصیل علم کا موقع ملا جو اپنے اپنے فن میں یکتائے زمانہ تھے اور یہ ایسی سعادت تھی جو ان کے کسی اور ہم عصر کو نصیب نہ ہوسکی۔

شعروادب کا شوق

حافظ ابن حجر کو شعر وشاعری سے طبعی لگاؤ تھا۔ ابتدا میں شعر وسخن اور ادب و تاریخ میں بڑی دسترس حاصل کی۔ (حسن المحاضرہ: ج۱،ص۱۵۳)

نویں صدی ہجری میں مصر میں سات چوٹی کے مشہور شاعر تھے، ہر ایک کا لقب شہاب الدین تھا، ابن حجر کو فضیلت اور درجے کے اعتبار سے ان شعراء میں دوسرا درجہ حاصل تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے کہا ہے:

کان شاعرًا طبعًا ، محدثاً صناعة و فقيهًا تكلفًا.

(شذرات الذہب: ج۷،ص۲۷۱)

یعنی ابن حجر طبعاً شاعر تھے، فنِ حدیث میں محنت کر کے آئے اور علم فقہ تکلفاً حاصل کیا۔

جب علم حدیث کا چسکا لگا تو شوق وانہماک حدیث کے باعث شعر گوئی کی طرف توجہ کم ہوگئی۔

شوق تحصیل علم حدیث

حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن حجر کی تحصیل علم حدیث کا زمانہ ۷۹۴ھ سے شروع ہوتا ہے۔ (ذیل طبقات الحفاظ، سیوطی، ص۳۸۰)

حافظ سخاوی کے نزدیک ۷۹۳ھ ہے۔ البتہ اس سے انہماک وشغف اور شیفتگی ووابستگی ۷۹۶ھ میں پیدا ہوئی۔ (الضوء اللامع: ج ۲،ص ۳۷)

پھر اس میں اتنا نام پیدا کیا کہ اساتذہ، معاصرین علماء اور تلامذہ سب سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ جہاں کہیں علم حدیث کا دیا روشن دیکھا فوراً وہاں پہنچے۔ قاہرہ، حرمین شریفین، اسکندریہ، بیت المقدس، نابلس، رملہ، غزّہ، یمن اور دیگر علاقوں میں سماعتِ حدیث کی۔ (لحظ الالحاظ: ص ۳۲۷)

سلسلہ درس وتدریس

حافظ ابنِ حجر نے بہت سی درس گاہوں میں تفسیر، حدیث اور فقہ پڑھائی۔ حافظ موصوف کی فضیلت وعلمیت کا یہ حال تھا کہ ہر مدرسۂ فکر کے اکابر علما کو ان کے تلمذ اور شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ (الضوء اللامع: ج ۲،ص ۳۸-۳۹)

ان کے شاگردوں میں بہت سے لائق محدثین، فاضل فقہا، نامور مؤرخین اور شہرۂ آفاق سیرت نگار پیدا ہوئے لیکن شمس الدین سخاوی تمام تلامذہ سے بڑھ گئے۔

عہدۂ قضا

حافظ ابن حجر اکیس برس تک عہدۂ قضا پر فائز رہے۔ پہلی مرتبہ محرم ۸۲۷ھ میں منصبِ قضا قبول کیا، لیکن مشاغل کی کثرت اور ضعف پیری کے باعث اس منصب سے مستعفی ہوگئے۔

اخلاق وعادات

حافظ ابن حجر بڑے متواضع اور حلیم و بردبار تھے۔ عبادت گزار، سخی اور خوش مزاج تھے۔ غلط سلوک کرنے والوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرتے۔

(الضوء اللامع: ج ۲،ص ۳۹)

مذاق بڑا سلجھا ہوا اور طبیعت بڑی سنبھلی ہوئی تھی۔ غرضیکہ زندگی کا کوئی پہلو

ایسا نہیں جس پر انگشت نمائی کی جاسکے۔

ابن فہد مکی لکھتے ہیں کہ حُسن اخلاق، شیریں بیانی اور شعلہ مقالی کے ساتھ حافظ ابن حجر بڑے زود نویس بھی تھے۔ اس کے علاوہ سریع القرأت تھے۔ صحیح بخاری ظہر اور عصر کی درمیانی دس مجلسوں میں ختم کی۔ دمشق میں دو مہینے کے قیام میں ایک سو کے قریب کتابیں پڑھ ڈالیں۔ (لحظ الالحاظ: ص ۳۳۶۔۳۳۷)

حافظ موصوف کو تمام علماء و محدثین اور صلحائے متقدمین و متاخرین سے نہایت درجہ محبت و الفت تھی، لیکن شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔

وفات

حافظ ابن حجر کی وفات ہفتے اور اتوار کی درمیانی شب ۲۸/ذوالحجہ ۸۵۲ھ کو نماز عشا کے تھوڑا عرصہ بعد ہوئی۔ (النجوم الظاہرہ: ج ۷، ص ۳۲۶)

پچاس ہزار مسلمان نمازِ جنازہ میں شریک تھے۔

سلسلہ تالیف وتصنیف

بقول حافظ سخاوی علامہ ابنِ حجر کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہے۔

(الضوء اللامع: سخاوی، ج ۲، ص ۲۸)

یہی رائے دوسرے مورخین اور سیرت نگاروں کی ہے۔ ان تصنیفات میں سے الاصابہ فی تمییز الصحابہ، الدرر الکامنہ فی المائۃ الثامنہ، فتح الباری شرح صحیح البخاری، نخبۃ الفکر اور بلوغ المرام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

عمدة القاری

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی (۸۵۵ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ مشہور شرح دس جلدوں میں ہے اور بیروت میں شائع ہوئی ہے۔ خود علامہ موصوف

نے لکھا ہے کہ میں بلاد شمالیہ میں ۸۰۰ھ سے قبل اپنے ہمراہ صحیح بخاری لے کر پہنچا تو بعض شیوخ سے مجھے اس کتاب کے متعلق بڑی نادر معلومات حاصل ہوئیں۔ پھر جب میں مصر پلٹا تو جامع ازہر کے قریب محلّہ خارہ کتامیہ میں ۸۲۱ھ میں اس کی شرح لکھنی شروع کی اور ۸۴۷ھ تک چھٹا حصہ مکمل ہو گیا۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں:

واستمد فيه من فتح الباری بحيث ينقل منه الورقة بكما لها وكان يستعيره من البرهان بن الخضر باذن مصنفه له ويعقبه فی مواضع.

یعنی علامہ عینی نے اپنی شرح میں فتح الباری سے بہت مدد لی، یہاں تک کہ اس کا پورا ورق نقل کر دیتے ہیں۔ برہان بن خضر سے مصنف کی اجازت سے عاریتاً لیتے۔

اس کے قلمی نسخے برلن، باریس، الجزائر، راغب، نورِ عثمانیہ، آیا صوفیا پٹنہ اسکوریال، مکتبہ القروین فاس، مکتبہ جامع زیتونہ سلیمانیہ، دامادزادہ، سلیم آغا، پشاور، رام پور، آصفیہ، بوہار، بانکی پور میں موجود ہیں۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۷۰)

۳۷۔تلخیص ابی الفتح لمقاصد الفتح

اس کے شارح ابوالفتح شرف الدین محمد بن ابی بکر بن الحسن القرشی المراغی المدنی (وفات ۸۵۶ھ/ ۱۴۵۵ء) ہیں۔ ۷۷۵ھ (۱۳۷۴ء) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے فتح الباری کا اختصار کیا ہے۔

امام سیوطی نے اس کا نام شرح البخاری درج کیا ہے۔ (نظم العقیان: ص ۱۳۹۔۱۴۰)

۳۸۔شرح البخاری

اس کتاب کے شارح شرف الدین یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن محمد الکندی المقری العجیسی (وفات ۸۶۲ء) ہیں۔ قاہرہ میں فوت ہوئے۔ یہ ۷۷۷ھ میں ارض عجیسہ میں پیدا ہوئے، اس لیے العجیسی کہلائے۔ حافظ قرآن تھے اور تحصیل علم کے لیے بہت سے شہروں میں گئے اور متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ صحابہ کی تاریخ

اور نوادر کے حافظ تھے۔ (نظم العقیان: ص ۱۷۷)

۳۹۔مختصر شرح البخاری للبرهان الحلبی

کمال الدین محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن المصری الشافعی المعروف بابن امام الکاملیہ اس کے مصنف ہیں جو ۸۰۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۷۴ھ میں وفات پائی۔ مولف موصوف نے التلقیح لفهم قاری الصحیح للحلبی (وفات ۸۴۱ھ) کی شرح کا اختصار کیا۔ (البدر الطالع: ج ۲، ص ۲۳۸)

اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے التفات کیا ہے۔
(البدر الطالع: ج ۲، ص ۲۴۴)

۴۰۔التوضیح للاوهام الوقعه فی الصحیح

اس کتاب کے مصنف ابوذر احمد بن ابراہیم ابن السبط الحلبی (متوفی ۸۸۴ھ) ہیں۔ اس کتاب میں صحیح بخاری کی مشکلات کا حل درج ہے۔
(کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۳)

اس کے مصنف نے شرح کرمانی اور فتح الباری اور شرح برماوی سے تلخیص کی ہے۔ (ایضاً)

۴۱۔الدرر فی شرح صحیح البخاری

احمد بن ابراہیم الحلبی (متوفی ۸۸۴ھ/ ۱۴۷۹ء) اس کے مصنف ہیں۔ قلمی نسخہ قاہرہ میں موجود ہے۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۷۰)

۴۲۔شرح البخاری

ابوالبقا محمد بن عبدالرحمٰن بن احمد البکری المصری الشافعی المعروف بالجلال البکری (متوفی ۸۹۱ھ) اس کے مصنف ہیں۔ ۸۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تھے اور ابن حجر کے شاگردوں میں سے

تھے۔ بخاری کی شرح لکھنی شروع کی، لیکن معلوم نہ ہوسکا کہ کہاں تک لکھ سکے۔ اپنے زمانے میں شافعی فقہ کے حافظ تھے۔ (البدر الطالع: ج، ص۱۸۲)

۴۳۔الکوثر الجاری علی ریاض البخاری

احمد بن اسماعیل الکورانی حنفی (وفات ۸۹۳ھ/۱۴۸۸ء) کی تصنیف ہے جو ایک متوسط شرح ہے۔ اس شرح میں متعدد مقامات پر علامہ کرمانی اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کا رد بھی کیا ہے۔ ان رواۃ کے اسما بھی (جن میں اشتباہ کا اندیشہ ہے) ضبط کیے گئے ہیں۔ لغاتِ مشکلہ کا حل بڑی خوبی سے کیا ہے۔ قبل شرح کے حضرت رسول کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ اور مصنف کے مناقبِ جمیلہ اور صحیح بخاری کی خوبی کا ذکر کیا گیا ہے۔ جمادی الاولیٰ ۸۷۴ھ میں مصنف اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔

(کشف الظنون: ج۲، ص۵۵۳)

اس کے قلمی نسخے آیا صوفیا، راغب داماد زادہ میں موجود ہیں۔

(براکلمن: ج۲، ص۱۷۰)

۴۴۔شرح صحیح البخاری

امام زین الدین ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی بکر عینی حنفی (وفات ۸۹۳ھ) اس کے مصنف ہیں۔ یہ شرح تین جلدوں میں ہے اور صحیح بخاری اس کے حاشیے پر ہے۔

(کشف الظنون: ج۲، ص۵۵۳)

۴۵۔شرح صحیح البخاری

فخر الاسلام علی بن البزودی حنفی (متوفی ۸۹۴ھ) کی تالیف ہے۔ مختصر سی شرح ہے۔ (ایضاً)

۴۶۔التوشیح علی الجامع الصحیح

جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (وفات ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) کی مختصر مگر

نہایت لطیف اور جامع شرح ہے۔ اس کے علاوہ ایک شرح اور ہے جس کا نام ''الترشیح'' ہے، لیکن یہ ناتمام رہی، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ شریفی واقع قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ (ایضاً، ج ۲،ص ۴۹)

حافظ ابوالفضل بن ابی بکر سیوطی ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے کتاب کے دیباچے کا اس طرح آغاز کیا ہے:

الحمدلله الذی اجزل لنا المنة بان جعلنا من حملة السنة واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریک له.

یعنی تمام تعریف اس خدا کے لیے ہے جس نے ہم پر احسان کیا کہ ہم کو حدیث کا حامل بنایا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔

اس کے قلمی نسخے پٹنہ، برلن، ینی، شہید علی، پٹیرز برگ، مکتبہ القرویین فارس اور آصفیہ میں موجود ہیں۔

اس شرح پر ۱۲۱۱ھ میں تعلیقات لکھی گئی جو برلن میں ہے۔ (براکلمن: ج ۳،ص ۱۷۱)

۴۷۔شرح الکتاب الصوم من صحیح البخاری

اسماعیل الجراحی (قبل از ۹۱۵ھ/ ۱۵۰۹ء) اس کے مولف ہیں۔ قلمی نسخہ بریل میں موجود ہے۔ (براکلمن: ج ۳،ص ۱۷۱)

۴۸۔ارشاد الساری علی صحیح البخاری

یہ کتاب شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی مصری (وفات ۹۲۳ھ/ ۱۵۱۷ء) کی تالیف ہے۔ اس کے ساتھ متن بھی ہے۔ شرح اور متن کا اس طرح امتزاج کیا گیا ہے کہ حدیث کے الفاظ اور شرح کو علیحدہ نہیں کیا گیا اور عام قاری کے لیے سمجھنا مشکل ہے۔ مشکلات کو حل، مہملات کو صاف اور مبہمات کو واضح کیا گیا ہے جو الفاظ مشکلہ مکرر آئے ہیں ان کی شرح بھی مکرر کی ہے۔ صحیح بخاری کے

درس دینے والوں کے لیے یہ شرح بڑی مفید ہے۔ (کشف الظنون: ج۲، ص۵۵۲)

یہ شرح بڑی بڑی شروح کی تلخیص ہے۔ بالخصوص فتح الباری تو اس کا اصل ماخذ ہے۔ اس کا ایک مقدمہ لکھا گیا ہے، جس میں کئی فصلیں ہیں۔ مثلاً فضیلتِ علم حدیث، جن لوگوں نے فن حدیث کو پہلے جمع کیا اور جو ان کے بعد آئے، اصولِ حدیث، صحیح بخاری کی شروط اور ترجیح، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری، شروح بخاری۔ مقدمہ مع ایک مختصر شرح کے علیحدہ بھی طبع ہو گیا ہے۔ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی مصری شافعی ۱۲/ ذیقعدہ ۸۵۱ھ کو مصر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر ہی میں علم قرأت کی تحصیل میں مشغول ہو گئے تھے۔ قرأتِ سبعہ کے عالم ہوئے۔ پھر دوسرے فنون کی طرف توجہ دی۔ صحیح بخاری پانچ مجلسوں میں احمد بن عبد القادر شاوی کو سنائی۔ پھر جامع عمری میں درس اور واعظ میں مشغول ہو گئے۔ ان کا وعظ سننے کے لیے بڑی تعداد میں لوگ آتے تھے۔ اپنے وقت کے یہ بہت اچھے عالم اور واعظ تھے۔ مدت دراز کے بعد تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ بہت سی مقبول تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں۔ ان سب میں بڑی یہ شرح ہے، جس میں فتح الباری اور کرمانی کا اختصار کیا ہے۔ المواہب اللدنیہ ان کی سیرت کی ایک کتاب ہے جو بڑی شاندار ہے۔ اس کے علاوہ کئی اور کتابیں تصنیف کیں جن کا ذکر بستان المحدثین میں کیا گیا ہے۔ (بستان المحدثین: ص۲۰۴۔۲۰۵)

ایک کتاب ''تحفۃ السامع والقاری بختم صحیح البخاری'' ہے۔ اس کا ذکر علامہ سخاوی نے الضوء اللامع میں کیا ہے۔ اس کے موضوع بحث کا علم نہیں ہو سکا۔ غالباً صحیح بخاری کے ختم کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

اس کے قلمی نسخے، برلن، پاریس، انڈیا آفس لائبریری، کوبریل، راغب، نور عثمانیہ، آیا صوفیہ، پٹنہ، مانچسٹر، اسکوریال، شہید علی، یحییٰ آفندی، سلیم آغا، سلیمانیہ، مکتبہ القرویین، فاس، مکتبہ جامعہ الزیتونہ، موصل، آصفیہ، رام پور میں موجود ہیں۔ یہ کتاب بولاق، قاہرہ، دہلی، لکھنؤ، جونپور اور فاس میں کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔ (براکلمن: ج۳، ص۱۷۱)

۴۹۔تحفة الباری بشرح صحیح البخاری

شیخ الاسلام زکریا بن محمد بن احمد انصاری قاہری (متوفی ۹۲۶ھ/۱۵۲۰ء) نے صحیح بخاری کی یہ شرح لکھی۔ یہ ۸۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔
قلمی نسخے نورعثمانیہ، مکتبہ الجامع الزیتونیہ، مکتبہ القرویین فاس، آصفیہ، باتاقیا میں موجود ہیں۔ (ایضاً، ج ۳، ص ۱۷۲)

۵۰۔ شرح عدّة احادیث صحیح البخاری

محمد بن عمر بن احمد السفیری الحلبی (المتوفی ۹۵۶ھ/ ۱۵۴۹ء) کی تصنیف ہے۔
قلمی نسخے برلن اور اسکندریہ میں موجود ہیں۔ (ایضاً)

۵۱۔شرح صحیح البخاری

علامہ زین الدین بن عبدالرحیم بن عبدالرحمٰن بن احمد العباس الشافعی (المتوفی ۹۶۳ھ) کی تصنیف ہے۔اس شرح کی ترتیب بالکل انوکھی اور نئے انداز کی ہے۔

۵۲۔فتح الباری

یہ کتاب حافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب حنبلی (وفات ۹۹۵ھ) کی تصنیف ہے۔صحیح بخاری کے ایک جُز کی شرح ہے۔مصنف نے اس کا نام بھی فتح الباری رکھا۔ یہ کتاب صرف کتاب الجنائز تک پہنچی۔طبقات حنابلہ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۰)
کشف الظنون میں مصنف کا سن وفات ۹۹۵ھ بیان کیا گیا ہے، لیکن البدر الطالع میں سن ۷۹۵ھ درج ہے اور نام عبدالرحمٰن احمد بن رجب البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی الحافظ تحریر کیا ہے۔ (البدر الطالع: ج ۱، ص ۳۲۸)

۵۳۔الخیر الجاری شرح صحیح البخاری

محمد یعقوب البنانی (متوفی ۱۰۰۳ھ) کی تالیف ہے۔صحیح بخاری کی یہ شرح

قسطلانی، عینی، فتح الباری وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ حل بڑا عمدہ ہے۔ لائق مصنف نے اس میں بہت سی کارآمد باتیں لکھی ہیں۔ یہ کتاب چار جلدوں میں ہے۔

الثقافت الاسلامیہ فی الہند میں بھی اس شرح کا ذکر کیا گیا ہے۔ قلمی نسخے بانکی پور، رام پور وغیرہ میں موجود ہیں۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۷۴)

۵۴۔شرح صحیح البخاری

قاضی زین الدین عبدالرحیم ابن الرکن احمد (وفات ۸۶۴ھ) کی تالیف ہے، اس شرح کا مفصل حال نہ صاحبِ خطہ نے لکھا ہے نہ صاحبِ کشف الظنون نے۔

(کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۴)

۵۵۔شرح صحیح البخاری

امام عفیف الدین سعید بن سعود الگازرونی (وفات ۷۵۸ھ) اس کے مصنف ہیں۔ بقول حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنون کے ۷۶۶ھ میں شہر شیراز میں مصنف نے اس کی تالیف سے فراغت پائی۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۴)

اب ذیل میں ان شروح کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے لکھنے والوں کے سنین وفات نہیں مل سکے۔

۵۶۔شرح السراج

یہ شرح علامہ ابوالزناد نے لکھی۔ (ایضاً، ص ۵۴۶)

سنِ وفات کا علم نہیں ہوسکا۔ اس شرح کے متعلق صاحبِ کشف الظنون نے کچھ نہیں لکھا۔

۵۷۔ شرح صحیح البخاری

اس شرح کے مصنف ابوحفص عمر بن الحسن ابن عمر الغوری الاشبیلی ہیں۔ (ایضاً)

صاحبِ کشف الظنون نے ان کے بارے میں اور کچھ نہیں لکھا۔

۵۸۔شرح صحیح البخاری

اس کے نصف ابوالقاسم احمد بن محمد ابن عمر بن ورد التمیمی ہیں۔ یہ شرح بڑی بسیط ہے۔ (ایضاً)

۵۹۔شرح ابن التین

اس کے مصنف امام عبدالواحد بن التین ہیں۔ (بالتاء مثناۃ ثم بالیاء)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں اس شرح کے اکثر اقوال پیش کرتے ہیں۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۴۶)

۶۰۔شرح ابن المنیّر

یہ شرح امام ناصر الدین علی بن محمد بن المنیّر الاسکندرانی کی ہے جن کے سنِ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ یہ شرح دس ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ امام ناصر الدین نے ابن بطال کی شرح پر حواشی بھی لکھے ہیں۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۴۶)

۶۱۔المتواری علی تراجم البخاری

اس کے مصنف بھی امام ناصر الدین علی بن محمد بن الاسکندرانی ہیں۔ امام موصوف نے صحیح بخاری کے چار سو سوالاتِ مشکلہ چن کر ان کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے۔ (ایضاً)

۶۲۔شرح صحیح البخاری

یہ شرح ابوالاصبع عیسیٰ بن سہل بن عبداللہ الاسدی نے لکھی۔ (ایضاً)

اس شرح کا حال بھی صاحبِ کشف الظنون نے کچھ نہیں لکھا۔

۶۳۔مجمع البحرین و جواهر البحرین

تقی الدین یحییٰ بن الکرمانی اس کے مصنف ہیں۔ ان کی وفات کا سن نامعلوم ہے۔ اس شرح میں علامہ یحییٰ نے اپنے والد کی شرح الکواکب الدراری سے مدد لی

ہے۔ اور ابن ملقن کی شرح اور زرکشی اور دمیاتی اور فتح الباری اور البدر الطالع سے اضافہ کیا ہے۔ یہ شرح آٹھ جلدوں میں ہے۔ (ایضاً، ص ۵۴۷)

۶۴۔ غاية التوضيح للجامع الصحيح

یہ شرح علامہ عثمان بن ابراہیم صدیقی الحنفی نے لکھی۔ شاہی کتب خانہ رام پور میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ جلد اوّل ۱۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے جو اوّل کتاب بدء الوحی سے باب القرآن فی التمر عند الاکل تک ہے۔ جلد ثانی باب رقیۃ النبی ﷺ سے آخری کتاب تک ہے۔

قلمی نسخے المکتبۃ الہندی اوّل، آصفیہ، پٹنہ میں ہیں۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۲۷۳)

۶۵۔ شرح صحيح البخاری

یہ شرح بھی کتب خانہ رام پور میں، صفحات ۳۹۴ از ابتدا تا باب الشروط قلمی بخطِ نستعلیق موجود ہے۔ غالباً یہ کتاب حافظ عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب البغدادی الدمشقی متوفی ۷۹۵ھ کی ہے۔ (البدر الطالع: ج ۱، ص ۳۲۸)

۶۶۔ داؤدی

ابوجعفر احمد بن سعید الداؤدی کی تصنیف ہے۔ بعض مقامات میں قال الداؤدی بھی لکھا ہے۔ اس شرح سے ابن التین اکثر نقل کرتے ہیں۔ شرح داؤدی بڑی مفید شرح ہے۔ حلِ مطالب و دفعِ اشکالات و دفع تعارض و تطبیق احادیث میں مصنف نے نہایت عمدہ پیرایہ اختیار کیا ہے، اس لیے اس نسخے پر بہت سے حواشی ہیں۔ (اتحاف النبلاء: ص ۵۰)

۶۷۔ شرح صحيح البخاری

برہان الدین ابراہیم بن نعمان اس کے مصنف ہیں۔ صرف کتاب الصلوٰۃ تک پہنچی اور جس بات کا مصنف نے التزام کیا تھا پورا نہ ہو سکا۔ (اتحاف النبلاء: ص ۵۴)

٦٨۔البارع الفصیح فی شرح جامع الصحیح

اسے ابوالبقاء محمد بن علی ابن خلف الاحمدی المصری الشافعی نے تصنیف کیا۔ یہ ایک طویل شرح ہے۔ ابتدائے تالیف ٩٠٩ھ ہے۔ شروحِ کرمانی، عینی، فتح الباری وغیرہ سے ملخص کر کے شارح نے شرح تیار کی ہے۔ (کشف الظنون: ج٢،ص٥٥١)

٦٩۔بغیة السامع فی شرح الجامع

جلال الدین ابو یوسف اس کے شارح ہیں۔ اس کا نسخہ کتب خانہ ولی الدین سلطان بایزید واقع جامع شریفی قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ (کشف الظنون: ج٢،ص٥٥١)

٧٠۔معونة القاری

ابوالحسن علی بن ناصر الدین محمد بن محمد المالکی کی یہ مفید شرح ہے۔ اس کا ذکر علامہ عجلونی نے اپنی قابلِ قدر کتاب الفوائد الدراری میں کیا ہے۔ علی بن ناصر الدین امام سیوطی کے تلمیذ ہیں۔

قلمی نسخہ مکتبہ القرویین فاس میں ہے۔ (براکلمن: ج٣،ص١٧٤)

٧١۔شرح صحیح البخاری

یہ شرح علامہ عبدالباقی وفات ١٢٥١ھ کی قلمی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ حسب بیان علامہ عجلونی ایک حصہ معتد بہا کی شرح ہے۔ ان کا پورا نام ابوالحسین عبدالباقی بن قانع بن مرزوق بن واثق ہے۔ ان کی معجم ابنِ قانع مشہور کتاب ہے۔ نامور محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ دارقطنی، امام ابوعلی بن شاذان اور ابوالقاسم بن بشران سے روایت کرتے ہیں۔ (اتحاف النبلاء: ص٣١٠)

٧٢۔شرح صحیح البخاری

محمود بن ابراہیم بن محمد اسلامی اس کتاب کے مصنف ہیں۔

قلمی نسخہ آیاصوفیا میں موجود ہے۔ (براکلمن: ج٣،ص١٧٣)

۷۳۔مقدمہ و شرح للکتابین الاولین من صحیح البخاری

ازعمر بن محمد عریف نہروالی اس کتاب کے مصنف ہیں۔
قلمی نسخہ المکتبہ الہندی اوّل ۱۳۱۔(ایضاً،ص۱۷۲)

مختصرات ومنتخباتِ صحیح بخاری کی شروح

کتاب الثلاثیات للبخاری

صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جو تین واسطوں سے رسول کریم ﷺ تک پہنچی ہیں، ان کی تعداد بائیس ہے۔ان میں اکثر مکی بن ابراہیم کے واسطے سے مروی ہیں۔ مکی بن ابراہیم امام بخاری کے طبقۂ اولیٰ کے شیوخ میں سے ہیں اور تابعین سے روایت کرتے ہیں۔

اس کے قلمی نسخے برلن، پٹنہ، پیٹرز برگ اور پشاور میں ہیں۔(براکلمن: ج۳،ص۱۷۷)

اس کتاب کی شرحیں

۷۴۔شواهد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح

شیخ جمال الدین محمد بن عبداللہ بن مالک النحوی (المتوفی ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) اس کتاب کے مصنف ہیں۔اس میں صحیح بخاری کے اعراب مشکلہ کے دلائل وشواہد بیان کیے گئے ہیں۔(کشف الظنون: ج۲،ص۵۵۳)

قلمی نسخے بریل، ہوتسما، اسکوریال، مکتبہ القرویین فاس، مکتبہ الجامع الزیتونہ، تیونس، الظاہریہ دمشق، آصفیہ میں موجود ہیں۔(براکلمن: ج۳،ص۱۷۶۔۱۷۷)

الٰہ آباد میں ۱۳۱۹ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

۷۵۔مختصر للنووی

امام نووی نے بھی صحیح بخاری کی ایک مختصر شرح تالیف کی۔امام موصوف نے

۶۷۶ھ (۱۲۷۷ء) میں وفات پائی۔ اس کا دیباچہ جوتا میں موجود ہے۔ (ایضاً)

۷۶۔ مختصر صحیح البخاری

امام جمال الدین ابوالعباس احمد بن عمر الانصاری القرطبی (المتوفی ۶۵۶ھ۔۱۲۵۸ء) اس کے مصنف ہیں۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۴)

اس مختصر کی کوئی کیفیت صاحب کشف الظنون نے نہیں بتائی، نہ اس کی شرح کا حال معلوم ہو سکا اور نہ اختصار کی کوئی غرض معلوم ہوئی۔

براکلمن نے اس مختصر کو "اختصار صحیح البخاری وشرح غریبہ" کے نام سے رقم کیا ہے۔ قلمی نسخے قاہرہ اور مکتبہ القرویین فاس میں موجود ہے۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۷۶)

۷۷۔ تجرید التفسیر

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب تصنیف کی۔ سورتوں کی ترتیب سے تغیرات صحیح بخاری کو علیحدہ کیا ہے۔ (اتحاف النبلا، ص ۵۷)

۷۸۔ نکت

اس کتاب کے مصنف شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں۔ علامہ زرکشی کی شرح التنقیح پر نکت لکھتے ہیں، لیکن افسوس ہے بقول حاجی خلیفہ کے یہ مکمل نہ ہو سکی۔

(کشف الظنون، ج ۲، ص ۵۴۹)

۷۹۔ حاشیہ صحیح بخاری

ابوالعباس السندی احمد زرّوق کی شرح ہے۔ علامہ عجلونی نے لکھا ہے کہ یہ ایک حاشیہ ہے جو صحیح بخاری کے حل میں ہے۔

حاشیہ شیخ سیدی زرّوق فاسی علی البخاری کے نام سے بستان المحدثین میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد عیسیٰ برنسی فاسی ہیں، جو زرّوق کے نام سے مشہور ہیں۔ بروز پنجشنبہ بوقت طلوع آفتاب ۲۸ محرم ۸۴۶ھ

میں پیدا ہوئے۔تقریباً سات سال کی عمر میں والدین کا انتقال ہو گیا، دیارِ مغرب کے بڑے بڑے علماء مثلاً غوری، محاجی، استاد ابو عبداللہ صغیر، امام صہبائی، ابراہیم فاری، سیوسی، سخاوی مصری، رصاع دوئی اور اس نواح کے دوسرے بزرگوں سے علوم حاصل کیے۔ان کی تصانیف نفع بخش اور بے حد مفید ہیں۔جہاں انہوں نے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں ان میں سے ایک یہ حاشیہ بھی ہے جو نہایت عمدہ ہے۔

وہ جلیل القدر عالم تھے، ان کے مرتبۂ کمال کا بیان تحریر و بیان سے باہر ہے۔ یہ متاخرین صوفیائے کرام کے ان محققین میں سے ہیں جنہوں نے حقیقت وشریعت کو جمع کیا۔ شیخ شہاب الدین قسطلانی، شمس الدین لقانی، خطاب الکبیر طاہر بن زبان ردادی اور ان جیسے بڑے بڑے علما نے ان کی شاگری پر فخر کیا ہے۔ ماہ صفر ۸۹۹ھ میں بلا دطرابلس الغرب میں ان کا انتقال ہوا۔(بستان المحدثین:ص ۲۰۵۔۲۰۶)

۸۰۔تعلیقات علی اعرابِ القاری

براکلمن نے اس کو اعراب القاری علیٰ اول باب البخاری کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ قاری ہروی (المتوفی ۱۰۱۴ھ) کی تصنیف ہے اور اس پر محمد بن محمد النجشی (المتوفی ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء) نے تعلیقات لکھی ہیں۔ اعراب القاری کے قلمی نسخے برلن، پٹنہ، میونخ، ورقہ، مانچسٹر اور قاہرہ میں موجود ہیں۔

اس کے تعلیقے کا نسخہ برلن میں موجود ہے۔

(براکلمن: ج ۳،ص ۱۷۲۔ نیز دیکھئے اتحاف النبلاء، ص ۲۰)

۸۱۔تعلیقہ صحیح البخاری

یہ مولوی لطف اللہ بن حسن التوقانی (مقتول ۹۰۰ھ) کا کاوشِ فکر کا نتیجہ ہے۔ یہ تعلیقہ صرف اوائل صحیح بخاری کے متعلق ہے۔(کشف الظنون: ج ۲،ص ۵۵۴)

۸۲۔تعلیقہ

یہ تعلیقہ علامہ شمس الدین احمد ابن سلیمان بن کمال پاشا (متوفی ۹۴۰ھ) کا

تصنیف کردہ ہے، اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ (ایضاً)

٨٣۔تعلیقه

مصلح الدین المصطفیٰ بن شعبان السُرُوی (المتوفی ٩٦٩ھ) اس کتاب کے مصنف ہیں۔ (نسبة الی سرور هی مدینة بقهتان)

یہ ضخیم حاشیہ نصف صحیح بخاری تک ہے۔ (کشف الظنون: ج ٢، ص ٥٥٤)

٨٤۔تعلیقه

یہ کتاب مولوی حسین الکھنوی (وفات ١٠١٢ھ) کی تصنیف ہے۔ (ایضاً)

اس کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم ہو سکیں۔ علامہ زرقانی نے شرح المواہب اللدینہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

٨٥۔تعلیقه

مولوی فضیل بن علی الجمال (متوفی ٩٩١ھ) کی تالیف ہے۔

(کشف الظنون: ج ٢، ص ٥٥٤)

اس سے زیادہ اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔

کتب تراجم ورجال

٨٦۔تعلیقات علیٰ ابواب البخاری

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس کتاب کے مؤلف ہیں۔
قلمی نسخہ پٹنہ میں ہے جس کا نمبر ١: ١٤١ ہے۔ (براکلمن: ج ٣، ص ١٧٣)

٨٧۔شرح تراجم ابواب صحیح البخاری

یہ کتاب بھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تالیف ہے۔ حیدر آباد میں ١٣٢٣ھ میں طبع ہوئی۔ (ایضاً، ص ١٧٧)

۸۸۔حل اغراض البخاری المبهمه فی الجمع بین الحدیث والترجمه

فقیہہ ابوعبداللہ محمد ابن منصور بن حمامہ المغراوی السجلیانی اس کتاب کے مؤلف ہیں۔

مؤلف موصوف نے اس کتاب میں صحیح بخاری کے سوتر جموں پر بحث کی ہے۔ (کشف الظنون: ج ۲، ص ۵۵۱)

اب ذیل میں ان کتابوں کا ذکر کیا جائے گا جو رجال کے متعلق ہیں:

۸۹۔الاحتفال فی بیان احوال الرجال

اس کے مؤلف حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔اس میں مؤلف نے تہذیب الکمال پر زیادات اور اضافے کیے ہیں۔ (نظم العتیان: ص ۴۶)

۹۰۔اسماءُ التابعین

اس کتاب کے مؤلف امام دارقطنی (المتوفی ۳۸۵ھ) ہیں،اس میں تابعین کے اسمائے گرامی کا ذکر ہے۔ نیز ان تبع تابعین کا بھی اس میں تذکرہ ہے جن سے امام بخاری کے نزدیک اخذ روایت کرنا درست ہے۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۱۷۷۔۲۱۲)

۹۱۔اسماء رجال الصحیح

عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے اس کا ایک مختصر تیار کیا جو کہ پیرس میں موجود ہے، نیز ایک مختصر محمد بن طاہر قیرانی (المتوفی ۵۰۷ھ) نے تیار کیا۔ (براکلمن: ج ۳، ص ۲۲۸)

یہ کتاب کلاباذی کی ہے۔اس میں اسمائے رجال صحیح بخاری کا ذکر ملتا ہے۔ ان کا نام ابونصر احمد بن الحسینی الکلاباذی ہے۔ (وفات ۳۹۸ھ اور بقول حافظ ذہبی وفات ۳۷۸ھ) ہے۔ (اتحاف النبلاء: ص ۱۱۳)

کشف الظنون میں اس کا نام اسماءُ حفاظ اور رجال الصحیح

للبخاری ہے۔اس کا ایک نام براکلمن نے الکلامُ علی رجال البخاری بتایا ہے۔
قلمی نسخہ آصفیہ، مکتبہ القرویین فاس میں ہے۔(براکلمن: ج ۳،ص ۱۷۷)

۹۲۔ھدایة الباری الی ترتیب احادیث البخاری

یہ کتاب عبدالرحیم عنبر کی تصنیفُ ہے۔ اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے راویوں کے نام لکھے ہیں۔یہ قاہرہ میں ۱۳۴۰ھ میں طبع ہوئی۔(ایضاً)

۹۳۔عقد الجمعان اللامع المنتقی من قعر بحر الجامع

اس کے مؤلف محمد بن محمد بن علی التوجیلی ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے راویوں کوحروفِ تہجی کی ترتیب سے اشعار میں بیان کیا ہے۔اس کا نسخہ الجزائر اوّل میں موجود ہے۔

۹۴۔اشارات صحیح البخاری واسانید

یہ کتاب ابومحمد عفیف الدین عبداللہ ابن سلیم البصری الشافعی (المتوفی ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۱ء) کی تصنیف ہے۔اس کے قلمی نسخے بریل،ھوتسما، گیرٹ میں موجود ہیں۔(براکلمن: ج ۳،ص ۱۷۷)

۹۵۔اسماء مَن روا عنھم بخاریؒ

اس کتاب کے مصنف ابن القطّان عبداللہ بن عدی الجرجانی ہیں۔انہوں نے ۳۶۰ھ میں وفات پائی۔مصنف نے اس کتاب میں ان راویوں کے نام ضبط کیے ہیں جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔
قلمی نسخہ کتب خانہ زہریہ میں موجود ہے۔(ایضاً،ص ۲۲۶)

۹۶۔تقریب الغریب فی غریب صحیح بخاری

یہ کتاب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔(نظم العقیان:ص ۴۶)
اس میں صحیح بخاری کے الفاظ مشکلہ سے بحث کی گئی ہے۔

۹۷۔شرح غریب صحیح البخاری

ابوالحسن محمد بن احمد الجیانی النحوی (المتوفی ۵۴۰ھ) اس کے مصنف ہیں۔
(کشف الظنون: ج ۲،ص ۵۵۳)

۹۸۔حل صحیح بخاری

حضرت مولانا احمد علی سہارن پوری تلمیذ شیخ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح ہے۔مولانا ممدوح نے صحیح بخاری کو صحت بلیغ کے ساتھ مع حل کے طبع کر کے تمام ہندوستان میں شائع کیا۔اس نسخے کو دیکھ کر مولانا احمد علی نے صحیح بخاری کو شرح عینی اور دیگر کتب حنفیہ سے اوّل سے آخر تک مذہبِ حنفیہ کے مطابق کر دیا۔

مولانا نے اس حاشیے کا ایک مقدمہ لکھا ہے،جس میں فن حدیث کے اصول کے علاوہ صحیح بخاری کے متعلق بہت سی مفید باتیں لکھی ہیں۔یہ مقدمہ تمام تر مقدمہ فتح الباری اور مقدمہ قسطلانی سے ماخوذ ہے،اور بعض مضامین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ تراجم ابواب بخاری سے ماخوذ ہیں۔

۹۹۔رجال الصحیحین

ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن حسن الطبری (المتوفی ۴۱۸ھ) اس کے مؤلف ہیں۔
اس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کتابوں کے رجال کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔(اتحاف النبلاء:ص ۱۷)

۱۰۰۔کتاب التعدیل و التجریح لرجال البخاری

قاضی ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی (المتوفی ۴۷۴ھ) اس کے مؤلف ہیں۔ صاحبِ کشف الظنون نے اس کا مفصل حال نہیں لکھا۔(ایضاً)

۱۰۱۔الجمع بین الصحیحین

ابومحمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن الازدی الاشبیلی (وفات ۵۸۲) کی تصنیف ہے۔
اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ نور عثمانیہ جامع شریفی قسطنطنیہ میں موجود ہے۔

۱۰۲۔المعلم فی مارواہ البخاری علی شرط مسلم

ابوالعباس بن الدومیہ احمد بن محمد الاشبیلی البنانی (وفات ۶۳۷ھ) اس کتاب کے مؤلف ہیں۔صاحبِ کشف الظنون نے اس کی اور کوئی تفصیل نہیں بتائی۔

۱۰۳۔المنہل الجاری

شیخ قطب الدین محمد بن محمد الخضیری الدمشقی الشافعی (المتوفی ۸۹۴ھ) اس کے مؤلف ہیں۔اسے سوال و جواب کی صورت میں تحریر کیا ہے جو فتح الباری سے ماخوذ ہیں۔(اتحاف النبلاء:ص ۵۷)

۱۰۴۔تیسیر القاری

یہ علامہ نور الحق بن مولانا عبدالحق دہلوی (وفات ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۳ء) کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔جس زمانے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فارسی میں مشکوٰۃ کی شرح لکھنی شروع کی،اسی زمانے میں ان کے صاحب زادے علامہ نور الحق دہلوی نے صحیح بخاری کی شرح فارسی میں لکھنی شروع کی تھی۔

قلمی نسخے المکتبہ الہندی، پشاور، بانکی پور میں موجود ہیں۔یہ شرح ۱۳۰۵ھ میں لکھنؤ سے پانچ جلدوں میں شائع ہوئی۔(الثقافت الاسلامیہ فی الہند:ص ۱۵۱)

۱۰۵۔شرح فارسی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس کے مصنف ہیں۔یہ شرح فارسی تیسیر القاری سے مختصر ہے۔گویا ایک مطلب خیز ترجمہ ہے اور جا بجا ایضاحات اور نہایت ضروری باتیں رقم فرمائی ہیں۔یہ شرح لکھنؤ میں طبع ہوئی۔

۱۰۶۔ تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹۲۰ء نے صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کا حل اُردو میں لکھنا شروع کیا تھا،لیکن آپ صرف کتاب الایمان

اور کتاب العلم کے ابواب وتراجم کا حل لکھنے پائے تھے کہ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹۵۷ء نے اس کی تکمیل کا ارادہ کیا مگر بات آگے نہ بڑھ سکی۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی المتوفی ۱۹۷۴ء نے اس موضوع پر مستقلاً کام کیا۔ عربی میں صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کا حل کیا، مشکلاتِ حدیث پر بھی اجمالی بحث کی، لیکن بنیاد حل تراجم کو بنایا۔

عربی میں مسودہ مکمل ہے۔ عربی میں مسودہ کی تکمیل کے بعد اُردو میں ابتداء کی۔ اُردو میں قدرے اختصار سے کام لیا۔ اُردو مسودہ نامکمل ہے۔ تقریباً ایک تہائی کتاب حل تراجم پر مشتمل ہے۔ دونوں مسودے غیر مطبوعہ ہیں۔ عربی مسودے کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے تو ضخامت کا اندازہ دو ہزار صفحات ہے۔

(عقائد اسلام کاندھلوی جدید، ۲۲)

۱۰۷۔ تشریحاتِ بخاری

اس کتاب کی اب تک چھ ضخیم جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی جو شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہم کے افادات پر مشتمل ہے، جو ان کی عربی شروحات سے ماخوذ ہیں۔ اس عظیم خدمت کے انجام میں بنیادی کردار مولانا عبد القاری القاسمی فاضل دیوبند کا ہے اور طباعت کی خدمت کتب خانہ مجیدیہ ملتان نے انجام دی ہے۔ نہایت مفید شرح ہے۔

۱۰۸۔ کشف الباری

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم کے افادات کا مجموعہ ہے۔ اب تک اس کی بارہ متفرق ضخیم جلدیں طبع ہو چکی ہیں: کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الجہاد، کتاب المغازی، کتاب التفسیر، کتاب النکاح، کتاب النفقات، کتاب اللباس اور کتاب الاستیذان۔

مولانا شاہد عادل قاسمی مدظلہٗ (انڈیا) اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

بانی دارالعلوم قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ

علیہ نے ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کی تصحیح کے ساتھ ساتھ پُرمغز اور جامع حاشیہ لگا کر حدیث کے درس دینے والوں اور اس سے تشنگی بجھانے والوں پر احسان عظیم کیا ہے، جسے دُنیا فراموش نہیں کرسکتی۔

بخاری شریف کے تراجم وابواب ہر زمانے میں محدثین کی کاوشوں کا محور اور مرکز رہے ہیں۔ ان پر شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا ماجد علی مانوی اور مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہم نے ''الابواب والتراجم''، ''شرح تراجم ابواب بخاری'' اور ''القول الفصیح فیما سبق بنضد ابواب الصحیح'' تصنیف فرما کر ''فقه البخاری فی تراجمه'' کی حقیقت کو طشت ازبام کردیا ہے۔

ان کے علاوہ علمائے دیوبند نے ''لامع الدراری، تقریر بخاری، تقریر گنگوہی، فیض الباری، انوار البخاری، فضل الباری، نبراس الساری علی اطراف البخاری، تحفۃ القاری فی حل مشکلات البخاری'' اور ''الکوثر البخاری'' سے ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔

اور موجودہ دور میں مکرر احادیث کی نشاندہی کر کے حضرت الاستاذ مفتی شبیر احمد القاسمی مدرسہ شاہی مراد آبادی نے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں، وہ قابلِ رشک اور فخر ہے۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، بابت اگست ۲۰۰۲ء، ص ۴۰)

حرف آخر

احادیث کے پرکھنے میں امام بخاری کا مقام سب سے اونچا ہے۔ امام بخاری کی فن حدیث میں انتہائی عظیم حیثیت ہے، انہیں ''امیرا لمومنین فی الحدیث'' کہنا بجا ہے۔ مجموعی طور پر ''صحیح بخاری'' کو مدون کر کے امام بخاری نے اسلام کی ایک عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے اور امت کی عظیم اکثریت ''قرآن کریم'' کے بعد ''صحیح بخاری'' کو تواتر کے ساتھ بطور حجت مانتی چلی آرہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے مصنف کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں احادیث ''بخاری'' کے انوار اور فیوض وبرکات سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆